حاکم شام

جلد۔۱

تألیف
آیت اللہ سید مرتضیٰ مجتہدی سیستانی

ترجمہ
عرفان حیدر

حاکم شام

مؤلف: .....آیت اللہ سید مرتضٰی مجتہدی سیستانی
ترجمہ: .....عرفان حیدر
ڈیزاین : .....اظہر باقر خان
طبع: .....اوّل
تاریخ طبع: .....۹ دسمبر ۲۰۲۱ء
تعداد: ۱۰۰۰
قیمت: ۴۵۰
ناشر.....فجر پبلیکیشنز
مؤلف کی ویب سائیٹ :www.almonji.com
ہم سے رابطہ:info@almonji.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

میں اپنی یہ ناچیز کاوش وارث علم کردگار، حامل علم رسول مختار، ناظر گردش لیل و نہار، شیعیت کی محور ومدار، نور چشم صاحب ذوالفقار، قائم آل محمد، یوسف زہرا علیہاالسلام، حجت بن الحسن عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی پاک بارگاہ میں پیش کرکے، قبولیت کا متمنی ہوں۔

حرف مترجم

تاریخ میں کچھ ایسی شخصیات ہوتی ہیں، جن کی زندگی کا ہدف و مقصد انسان کو سعادت تک پہنچانا ہے اور کچھ ایسے افراد بھی ہوتے ہیں جو شیطان کی نیابت میں لوگوں کو ہلاک اور گمراہ کرنے کا کام بطور احسن انجام دیتے ہیں۔

خداوند عالم کی طرف سے معین کئے ہوئے الٰہی نمائندے، پیغمبر ﷺ اور اہلبیت اطہار علیہم السلام وہی شخصیات ہیں، جنہوں نے اپنی بے مثال سیرت اور بے نظیر کردار کے ذریعہ انسانی معاشرہ کی دنیاوی و اخروی سعادت کی طرف ہدایت و راہنمائی کی۔

بیشک پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک نور تھے جو انسانوں کے تاریک قلب ودماغ میں چمکیا اور معاشرے کو تہذیب وتمدن کا ایسا تحفہ پیش کیا جو آج تک تمام انسانی قوانین میں سب سے بہترین ہے اور ہر شخص اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ اگر صرف مسلمان ہی رسول خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرتے اور اختلاف، تفرقہ، تعصب اور خود غرضی سے پرہیز کرتے تو یقینا چودہ سو سال گزر جانے کے بعد آج بھی اس تہذیب وتمدن کے مبارک درخت سے بہترین ثمر تناول کرتے، لیکن افسوس صد افسوس کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانسوز اور دردناک رحلت کے بعد ظاہراً اسلام قبول کرنے والے کچھ مسلمانوں پر خود غرضی اور مقام طلبی حاکم ہو گئی اور وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے خدا ساختہ راستہ کو چھوڑ کر خود ساختہ راستہ پر نکل پڑے اور آج تک انسان اور بالخصوص مسلمان ان کے اس گناہ کبیرہ کی سزا بھگت رہے ہیں۔

لیکن خدائے عظیم نے ان کریم ہستیوں کے ذریعہ ہر دور کے انسان کے لئے ہدایت کا سامان فراہم کیا ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ انسان تعصب و تنگ نظری اور اپنے آباء واجداد کی اندھی تقلید کو چھوڑ کر حقیقی معنوں میں منطقی طریقے سے تحقیق و جستجو کرے۔

ان معصوم ہستیوں کی سیرت و کردار صرف اسی دور کے مسلمانوں کے لئے ہی اسوہ نہیں تھی بلکہ ان کی احادیث اور پیشنگوئیاں ہر دور کے مسلمان کے لئے ہدایت کا وسیلہ ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور

امیر کائنات علی علیہ السلام نے اپنی پیشنگوئیوں کے ذریعہ مسلمانوں کو آئندہ کے واقعات و حادثات اور اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کو نیست و نابود کرنے والے شیطان کے نائبین خاص سے آگاہ فرمایا کہ لوگ ان ظاہری مسلمانوں کے شرّ سے محفوظ رہیں۔

یہ کتاب بھی راہ حق سے بھٹکے ہوئے سادہ لوح افراد کے لئے نایاب تحفہ ہے جن کے لئے یہ چراغ راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔اس کتاب میں اسلام کے سب سے بڑے دشمن بنی امیہ اور بالخصوص معاویہ کے خبیث چہرے سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث اور پیشنگوئیوں کے ذریعہ نقاب کشائی کی گئی ہیں تاکہ ہمارے اہلسنت بھائی یہ جان لیں کہ وہ جسے اپنا خلیفہ مانتے ہیں وہ اسلام کے نام پر اسلام کو ہی مٹانے کے لئے کس حد تک کوشاں رہا۔

اور یقینا اس کار خیر کو انجام دینا مجھ اکیلے کے بس کی بات نہیں تھی لہٰذا میں اپنے والدین، اساتید، بھائیوں، بہنوں اور دوستوں کا شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کر خیر کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے میری راہنمائی کی اور اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔خدا ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے اور وقت کے ہادی و راہنما یوسف زہرا امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے ظہور میں تعجیل فرمائے۔

والسلام

عرفان حیدر

پیشگفتار

ایک اہم نکتہ

محققین جس موضوع کے بارے میں بھی تحقیق کا آغاز کریں انہیں اس نکتہ کی طرف توجہ کرنی چاہئے کہ اس موضوع سے متعلق بہت سے فقہی، تاریخی اور تفسیری حقائق مطالب پر دقّت اور غور و فکر کرنے سے ہی حاصل ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر تاریخ اور تاریخ نگاری میں ہو سکتا ہے کہ بعض مؤرخین نے تاریخی حقائق کو واضح و آشکار طور پر بیان نہ کیا ہو اور ممکن ہے کہ یہ ان حقائق سے لاعلمی کی دلیل ہو یا اس میں مؤرخین کے اغراض و مقاصد شامل ہوں، لیکن جو محققین اور اہل تحقیق تاریخ کے اوراق میں پوشیدہ حقائق سب کے آشکار کرنا چاہتے ہیں، انہیں چاہئے کہ ان مطالب کو عام سطحی نظر سے نہ دیکھیں بلکہ جو کچھ پڑھیں اس پر دقّت کریں اور مکمل فہم و فراست سے غور و فکر کریں تاکہ اس تدبّر و تفکّر کی وجہ سے تاریخ کے تاریک اور بیان نہ کئے گئے نکات کو واضح و روشن کرکے معاشرے کے سامنے بیان کر سکیں۔

اب ہم تاریخ کا ایک چھوٹا سا نکتہ بیان کرتے ہیں اور پھر ہم اس کی علل و اسباب کے بارے میں جستجو کریں گے:

تاریخ میں ذکر ہوا ہے: اسلام کی طرف مائل ہونے والے یہودی اور عیسائی عثمان کے زمانے تک اسے خلیفہ مانتے تھے حتی کہ جب عثمان کے گھر کا محاصرہ کیا گیا تو ان میں سے کچھ نے تو جانفشانی کی حد تک عثمان کا دفاع بھی کیا لیکن عثمان کے قتل کے بعد ان میں سے بہت سے معروف افراد نے نہ صرف امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی اطاعت نہ کی بلکہ مدینہ کو چھوڑ کر شام میں معاویہ کے گرد جمع ہو گئے!

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے تاریخ نے بیان کیا ہے اور ایسے ہی کچھ نمونے ہم نے اس کتاب میں ذکر کئے ہیں۔ اب اس بارے میں غور و فکر کریں کہ ظاہری طور پر مسلمان ہونے والے یہ یہودی و عیسائی کیوں عثمان کی

حمایت کرنے کے لئے تیار تھے؟ لیکن انہوں نے امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی حمایت نہ کی ؟اور پھر کیوں انہوں نے شام جا کر معاویہ کی حمایت کی؟

کیا ان کے اس عمل کو اس چیز کی دلیل نہیں سمجھا جا سکتا کہ کہ وہ اپنے اہداف و مقاصد کے پیش نظر ظاہری طور پر مسلمان ہوئے اور عثمان کے گرد جمع ہو گئے؟ عثمان نے ان کے لئے ایسا کیا کیا کہ جس کی وجہ سے مسلمانوں نے اسے یہودیوں کے قبرستان میں دفن کیا؟ کیوں انہوں نے خاندان وحی علیہم السلام کا دامن نہ تھاما اور معاویہ کے پیچھے چل پڑے؟

ان امور پر غور کرنا اس حقیقت کو واضح کر دیتا ہے کہ ظاہری طور پر مسلمان ہونے والے یہودیوں اور عیسائیوں کے ایک گروہ نے اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے معاویہ کو طاقت دی؟ حتی انہوں نے عثمان کے قتل ہونے سے پہلے ہی معاویہ کو خلیفہ کے عنوان سے متعارف کر دیا تھا۔ ان کے شام جانے کے بعد معاویہ نے انہیں قبول کر لیا اور ان میں سے بعض کو تو مسلمانوں کی سرپرستی کے لئے بھی منتخب کر لیا!!

ان کے مسلمان ہونے کے آثار میں اسرائیلیات، خرافات اور جھوٹی حدیثیں گھڑنا شامل تھا۔ وہ ظاہری طور پر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر ان امور کی ترویج کرتے تھے اور اسلام کے لئے درد دل نہ رکھنے والے خلفاء نے انہیں کھلی چھوٹ دے دی۔ یہ ایسے افراد کے مسلمان ہونے کے عامل میں سے ایک ہے۔

جی ہاں! انہوں نے پیغمبر ﷺ کے اصحاب کے نام پر دین پیغمبر ﷺ کو نقصان پہنچایا اور یہ نکتہ بہت ہی قابل غور ہے کہ عمر کے بہت سے رشتہ دار ایسے ہی افراد کے دوست اور ہم نشین تھے۔

کتاب ''اسرائیلیات اور اس کے اثرات'' میں لکھتے ہیں:

جو چیز اسرائیلیات اور اہل کتاب کے خرافاتی، جعلی اور من گھڑت قصوں کو پھیلانے میں مدد گار ثابت ہوتی تھی وہ بعض یہودی و نصرانی علماء کا ظاہری طور پر مسلمان ہونا تھا۔ وہ ظاہری طور پر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اور حتی اصحاب پیغمبر ﷺ کا لبادہ اوڑھ کر بڑی آسانی سے اپنے بہت سے خرافاتی عقائد اور فکری رسومات کو روایات اور احادیث کے قالب میں مسلمان کے سپرد کر سکتے تھے اور اسلام کی شفاف فرہنگ و ثقافت کو اپنے مجعولات و توہمات سے آلودہ کر سکتے تھے۔

اہل کتاب میں سے اس مسلمان نما گروہ کی اسرائیلیات کو قبول کرنے کے عوامل میں سے ایک یہ بھی تھا کہ اکثر مسلمان شأن و مرتبہ کے لحاظ سے انہیں رسول خدا ﷺ کے اصحاب کے برابر سمجھتے تھے اور ان کے لئے عزت اور تقرب کے قائل تھے حالانکہ وہ ان کی پست نیتوں سے بے خبر تھے۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام اس مسلمان نما گروہ سے جعل حدیث کے موضوع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''پیغمبر خدا ﷺ سے حدیث نقل کرنے والا ایک گروہ ایسے منافقوں کا ہے جو ظاہری طور پر تو اسلام لائے لیکن انہوں نے جان بوجھ کر پیغمبر اکرم ﷺ کی طرف جھوٹی نسبت دی۔اگر لوگ جان لیتے کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں تو ان کی حدیث کو قبول نہ کرتے، لیکن لوگ کہتے ہیں : یہ رسول خدا ﷺ کے اصحاب ہیں؛انہوں نے آنحضرت کو دیکھا ہے اور ان سے حدیث سنی ہے،اس وجہ سے ان کی حدیث کو قبول کرتے ہیں ؛حلانکہ خدا نے قرآن میں منافق صحابیوں کی صفات بیان کرکے ان کے جھوٹ کو بیان کیا ہے.....۔

پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد بھی یہ جھوٹے منافقین زندہ رہے اور اپنے جھوٹ اور بہتان کے ذریعہ گمراہ رہبروں کے مقرب بن گئے اور ان رہبروں نے انہیں حکومتی منصب عطا کئے اور انہیں لوگوں پر مسلّط کر دیا اور ان کے ذریعہ انہوں نے اپنی دنیا کو آباد کیا۔لوگ اپنے فرمانروا حاکموں اور اپنی دنیا کے ساتھ ہیں،مگر جنہیں خدا محفوظ رکھے''۔[1]

تاریخ اسلام میں حضرت علی علیہ السلام کے اس فرمان کے لئے متعدد اور واضح مثالیں موجود ہیں ،جو اصحاب کی صفوں میں بیٹھنے والے ایسے ہی اہل کتاب کے بارے میں مسلمانوں کی خوش بینی پر مبنی ہیں ؛حتی کہ بعض تاریخی منابع میں یہاں تک ذکر ہوا ہے:

معاذ بن جبل نے حالت احتضار میں اپنے اطرافیوں کو تاکید کی کہ چار افراد سے علم حاصل کریں: سلمان،ابن مسعود ،ابو درداء اور عبداللہ بن سلّام (جو یہودی تھا اور پھر بعد میں اس نے اسلام قبول کیا تھا)؛ کیونکہ میں نے پیغمبر ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: وہ (یعنی عبداللہ بن سلّام) ان دس افراد میں سے ہے جو بہشت الٰہی میں جائیں گے ![2]

اس سے بھی واضح اور صریح روایت ہے:

ایک شخص نے کسی مسئلہ کے بارے میں عبداللہ عمر سے پوچھا۔جب کہ عبداللہ کے پاس یوسف نام کا ایک یہودی بیٹھا ہوا تھا،عبداللہ نے اس سے کہا: یوسف سے سوال پوچھو کہ خدا نے ان کے بارے میں

---

[1] ۔ نہج البلاغہ ،خطبہ :۲۰۱،اصول کافی :۶۲۱.

[2] ۔التفسیر المفسرون :۱۸۶/۱،الصحیح من سیرۃ النبی الأعظم ﷺ : ۱۰۶/۱ .

فرمایاہے:

" فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ "[۱،۲]

اس واقعہ میں کچھ ایسے نکات ہیں جو قابل غور ہیں:

۱۔ معاذ بن جبل (عمر کا دوست) نے کیوں عبداللہ بن سلّام (جو یہودیوں سے مسلمان ہوا تھا) کا نام لیا لیکن امیر المؤمنین علی علیہ السلام کا نام نہ لیا جب کہ آپ ہمیشہ پیغمبر اکرم ﷺ کے ساتھ ہوتے تھے؟! کیا یہودیوں سے مسلمان ہونے والا عبد اللہ بن سلّام دینی عقائد اور مسائل میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے (نعوذ باللہ) زیادہ عالم تھا؟! یا اس کی وجہ یہ تھی کہ عبداللہ بن سلّام دین کے نام پر دوسرے مطالب بھی نادان اور لاعلم مسلمانوں کے ذہن میں ڈالتا تھا؟!

۲۔ جب کسی مسئلہ کے بارے میں عبداللہ بن عمر سے سوال کیا جاتا تھا تو اس نے کیوں یوسف نامی ایک یہودی کی طرف رجوع کرنے کے لئے کہا؟

۳۔ عبداللہ بن عمر نے یوسف اور اس جیسے دوسرے لوگوں کو آیۂ شریفہ " فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ " کا مصداق کیوں قرار دیا؟! حالانکہ شیعہ اور سنّی تفاسیر کی رو سے یہ آیت اہلبیت اطہار علیہم السلام کے بارے میں ہے۔

۴۔ کیوں عبداللہ بن عمر ایک یہودی شخص کا ہم نشین تھا اور وہ کیوں اسے اتنا سراہتا تھا؟!

۵۔ عبد اللہ بن عمر نے یہودی سے ہم نشینی اور اسے سراہنا کس سے سیکھا؟ کیا خود ہی اس کی ایسی عادت تھی؟ کیا عمر کو اس کے اس عمل اور رویہ کا علم تھا؟ اگر وہ اس سے آگاہ تھا تو اس نے کیوں اسے اس کام سے منع نہیں کیا؟ اگر عمر اس کے اس کام سے آگاہ نہیں تھا تو جو مدینہ میں اپنے بیٹے کے کاموں سے آگاہ نہ ہو تو وہ کس طرح پورے ملک میں مسلمانوں کے امور سے باخبر ہو سکتا ہے؟!!

یہ واضح ہے کہ ان امور میں غور و فکر اور تدبّر و تعقّل کرنے سے جستجو کرنے والوں کے لئے اہم مطالب آشکار ہوں گے۔ یہاں قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ رسول خدا ﷺ نے تمام مسلمانوں کو اہل کتاب کی ہم نشینی

---

[۱] ۔ سورۂ انبیاء، آیت: ۷؛ "تم لوگ اگر نہیں جانتے ہو تو جاننے والوں سے دریافت کرو"۔ الصحیح من سیرۃ النبی الأعظم ﷺ سے منقول: ۱۰۶/۱.

[۲] ۔ اسرائیلیات وتأثیر آن بر داستان ہای انبیاء در تفاسیر قرآن: ۴۷.

سے منع فرمایا تھا۔

یہود و نصاریٰ پر فریفتہ ہونے کے بارے میں رسول خداﷺ کا سخت موٴقف

پیغمبر اکرم ﷺ نے مسلمانوں کو اہل کتاب کی طرف رجوع کرنے ،ان سے سوال پوچھنے اور ان کی مسخ شدہ فرہنگ و ثقافت کے سامنی جھکنے سے منع فرمایا ہے۔اور آپ اہل کتاب اور ان کی تحریف شدہ کتابوں کو احترام وتقدّس کی نظر سے دیکھنے والے لوگوں کو خبر دار کرتے تھے کہ ظہور اسلام کے زمانے میں اسلام کی حیات بخش اور شفّاف تعلیمات کے ہوتے ہوئے ایسے عقائد کے لئے کوئی جگہ باقی نہیں رہتی۔

درج ذیل چند مثالیں رسول خداﷺ کے سخت موقف کو بیان کرتی ہیں:

تفسیر ”در المنثور“ میں بیان ہوا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے کچھ صحابی تورات میں سے کچھ چیزیں لکھتے تھے ،یہ خبر رسول اکرم ﷺ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا:

بیوقوفوں میں سب سے بڑے بیوقوف اور گمراہوں میں سب سے بڑے گمراہ وہ لوگ ہیں جو پیغمبروں پر نازل کی گئی خدا کی کتاب سے روگردانی کریں اور ایسی کتابوں کی طرف مائل ہوں ،جو خدا نے ان کے پیغمبر کے علاوہ کسی دوسرے پیغمبر پر نازل کی ہوں اور اس امت کے علاوہ کسی اور امت کے لئے بھیجی گئی ہوں۔

اسی واقعہ کے بارے میں یہ آیۂ شریفہ نازل ہوئی:

” أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ“ ۔[۱،۲]

کیا ان کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جس کی ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہے اور یقیناً اس میں رحمت اور ایماندار قوم کے لئے یاددہانی کا سامان موجود ہے۔

---

[۱]۔ سورۂ عنکبوت،آیت: ۵۱ .

[۲]۔ تفسیر درّ المنثور: ۱۴۸/۵اور ۱۴۸۔ نیز ملاحظہ فرمائیں: تفسیر المیزان: ۲۲۵/۱۶ .

اکثر مفسرین کا یہ عقیدہ ہے کہ مذکورہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے گذشتہ کتابوں سے خرافات پر مبنی مطالب لکھے اور ان پر اعتماد کیا، لہٰذا خداوند متعال نے انہیں بتا دیا کہ ان کے لئے قرآن کافی ہے۔[۱]

صاحب تفسیر ''کشف الأسرار'' نے اس آیت کا شان نزول عمر بن خطاب کو قرار دیا ہے جو پیغمبر اکرم ﷺ کے سامنے تورات کے ایک حصہ کو پڑھنے میں مصروف تھا، جس کی وجہ سے آنحضرت ناراض ہوئے اور اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔[۲، ۳]

بے ایمانی؛ یہودیوں کے وحشیانہ کردار کا راز

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام نے کیوں مسلمانوں کو یہودیوں سے تعلق اور واسطہ رکھنے سے منع کیا ہے اور ان سے دوری اختیار کرنے کا حکم دیا ہے؟

اس سوال کے جواب میں ہم کہتے ہیں: انسان کا برے اور ناپسندیدہ کاموں سے بچنے کے اہم عوامل میں سے ایک خداوند کریم پر ایمان اور قیامت پر اعتقاد رکھنا ہے۔

اگر انسان خدا اور روز قیامت پر اعتقاد رکھتا ہو اور یہ جانتا ہو کہ انسان کے تمام اعمال، کردار بلکہ اس کے تمام افکار کے اثرات ہیں جو آئندہ اس کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے تو وہ کوشش کرے گا کہ اس کے اعمال، افکار اور کردار میں اس کی ذاتی زندگی میں اور دوسروں کے لئے نقصان اور منفی اثرات نہ ہوں۔

گزشتہ لوگوں کی تاریخ کو ملاحظہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ تاریخ میں سب سے بڑے مجرم وہ لوگ ہیں جو خدا اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اسی لئے انہوں نے تاریخ میں ایسے ایسے قبیح، برے اور وحشیانہ کام انجام دیئے ہیں اور انہوں نے نہ صرف اپنی زندگی کو تباہ کیا ہے بلکہ دنیا کے بے شمار لوگوں کی زندگی کو بھی تباہ و برباد کیا ہے۔ یہودی ہمیشہ سے اپنی مخفی سازشوں کے ذریعہ تاریخ کے واقعات پر اثرانداز ہوتے آئے ہیں اور اپنی

---

[۱]۔ ملاحظہ فرمائیں: تفسیر تبیان: ۲۱۸/۸، اور تفسیر طبری: ۷/۲۱۔

[۲]۔ تفسیر کشف الأسرار: ۴۰۷/۷ اور ۴۰۸۔

[۳]۔ اسرائیلیات و تأثیر آن بر داستان ہای انبیاء در تفاسیر قرآن: ۱۴۵۔

مکاریوں سے لوگوں کی خواہشات کو پامال کرتے آئے ہیں، یہ بھی ان لوگوں میں سے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اس سے مأیوس ہیں۔

کتاب ''تحلیلی بر عملکرد یہود در عصر نبوی''میں لکھتے ہیں:

''یہودی چونکہ صرف مادی دنیا پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنی تمام تر توانائیاں مادی دنیا کے حصول پر ہی خرچ کرتے ہیں اور اپنی اصلی ذمہ داری سے غافل رہتے ہیں۔اسی لئے تاریخ میں ملتا ہے کہ انہوں نے اپنی دنیاوی خواہشات کے حصول کے لئے وحشیانہ ترین اعمال انجام دیئے ہیں اور یہ بات مسلّم ہے کہ اگر وہ موت کے بعد کی دنیا پر ایمان رکھتے تو وہ کبھی بھی ایسے ناپسندیدہ اور برے اعمال انجام نہ دیتے''۔

قرآن کریم بھی ان کے آخرت پر ایمان نہ رکھنے کی تائید کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ قَدْ یَئِسُوا مِنَ الْآخِرَةِ کَمَا یَئِسَ الْکُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ''[1]

''اے ایمان والو! خبردار! اس قوم سے ہرگز دوستی نہ کرنا جس پر خدا نے غضب نازل کیا ہے کہ وہ آخرت سے اسی طرح مایوس ہوں گے جس طرح کفار قبر والوں سے مایوس ہو جاتے ہیں''۔

یعنی قوم یہود (جو عذاب کی مستحق ہے) کو دوست نہ رکھیں اور اس کی مدد نہ کریں کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو آخرت میں کسی ثواب کی خواہش نہیں رکھتے ،اور وہ کافروں اور بت پرستوں کی طرح عالم آخرت کے منکر ہیں اور یہ مطلب اعجاز قرآن کو بیان کر رہا ہے۔ کیونکہ ان کی مذہبی تعلیمات میں بھی یہ بات مشہور ہے اور یہودیوں کے ہاتھوں میں موجود آج کی تورات میں بھی موت کے بعد کی زندگی کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔[2]

یہودیوں کا آخرت پر ایمان نہ رکھنا اس قدر مشہور ہے کہ اس بارے میں تحریر کرنے والے اکثر مصنّفین نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ان میں سے ''ویل دیورانت''لکھتے ہیں:

یہودی موت کے بعد کی دنیا پر ایمان نہیں رکھتے اور سزا و جزاء کو صرف اسی دنیا میں منحصر سمجھتے ہیں۔[3]

یہ واضح ہے کہ ایسے عقیدہ کا نتیجہ فساد ،بے راہ روی، ظلم و ستم، تباہی، گستاخی اور دوسروں کے حقوق کو

---

[1] ۔ سورۂ ممتحنہ، آیت: ۱۳ .

[2] ۔ عفیف عبد الفتاح، الیہود فی القرآن: ۷-۳۶.

[3] ۔ ویل وایریل دیورانت (عربی نسخہ): : ۳۴۵/۲ .

پامال کرنے کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتا۔اس بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے:

بہت سی برائیاں اور خرابیاں قیامت پر ایمان نہ رکھنے کی وجہ سے ہی وجود میں آتی ہیں۔

قیامت پر ایمان نہ رکھنے کی وجہ سے یہودیوں کا اصلی ہدف و مقصد دنیا اور مال و دولت کو جمع کرنا ہے اور یہ اپنے مقصد تک رسائی کے لئے کوئی بھی کام انجام دے سکتے ہیں، حتی کہ یہ مختلف سازشوں اور مکاریوں کے ذریعہ ہزاروں بے گناہ لوگوں کو خطرے میں ڈال کر انہیں اخلاقی اور معاشرتی برائیوں کی طرف دھکیلتے ہیں اور اس طرح وہ نفسیات پر حاوی ہو کر انسان کی پاکیزہ فطرت، غیرت اور جوانمردی کو کمزور کرتے ہیں، اور ان کے سامنے قیام کرنے کے احتمال کو بھی ختم کر دیتے ہیں۔

مذکورہ بیان کی رو سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ یہودی سربراہ اپنی تمام تر حیوانی اور بری صفات کی وجہ سے روئے زمین پر سب سے زیادہ خطرناک مخلوق بن چکے ہیں![1]

یہودیوں سے اس قدر سنگین خطرات لاحق ہیں کہ جس سے اکثر صاحب نظر اور فن کے ماہرین کو خدشہ لاحق ہے۔ یہاں تک کہ انگلینڈ کے ایک اخبار میں یہ شائع ہوا تھا:

"دنیا کی تمام سیاسی اور مالی مشکلات اور جنگوں کے اخراجات یہودیوں نے فراہم کئے ہیں"۔[2،3]

یہودیوں کے بارے میں "ہٹلر" کی رپورٹ

"آدولف ہٹلر" نے لکھا ہے:

"اپنی تحقیق کے دوران مجھے یہودیوں کے ایسے بہت سے ناموں کا پتہ چلا جو گندے اور آلودہ مواد بنانے کے کارخانوں میں عمل دخل رکھتے ہیں۔اکثر نشہ آور گولیاں، نقلی ادویات حتی کہ زہریلے کھانے بھی انہوں نے ہی بنائے تھے۔

اس تحقیق کا نتیجہ توقع سے بڑھ کر پریشان کن تھا۔اس کے بعد جب میں مزید متوجہ ہوا تو پتہ چلا کہ

---

[1] ۔ پرتکل ھای دانشوران صھیون، دنیا باز یچۂ یہود، السیرۃ النبویہ، اور ... ۔

[2] ۔ ژرژ لامبلن، اسرار سازمان یہود: ۷، روزنامہ "Morning Post" سے اقتباس۔

[3] ۔ تحلیلی بر عملکرد یہود در عصر نبوی: ۱۲۶.

یہودیوں کے کارخانوں سے بننے والی اکثر اجناس گندی، غلیظ، مضر صحت یا کم سے کم نقلی اور نقصان دہ ہیں۔ یقینی طور پر ۹۵% ادبی گندگی (جو نوجوانوں میں اخلاقی برائیوں، ہنری پستی اور غیر اخلاقی نمائش کا باعث ہے) کا نظام ایسے لوگوں کے ہاتھوں سے چلایا جارہا ہے جو ملک کی ایک فیصد آبادی پر مشتمل ہیں اور کوئی بھی اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا۔

ہر دن میرے لئے ایک نیا مسئلہ کشف ہو رہا تھا، جسے لکھنے کا نہ تو میں عادی تھا اور نہ ہی میں انہیں برداشت کر سکتا تھا اس لئے میں اپنے سامنے کے ان ظاہری طور پر سادہ مسائل کو سمجھنے کے لئے انہیں کئی بار پڑھنے پر مجبور تھا تاکہ اصلی مقصد کو کشف کر سکوں، حالانکہ بیان ہونے والے یہ اکثر مسائل جھوٹے تھے...۔

دکھاوے کی تنقید اور وسیع پیمانے پر تعریف غالباً یہودیوں اور اس مشینری کو چلانے والوں کے مفاد میں ہوتی تھی"۔[1]

یہودیوں کے کرتوت واضح طور پر یہ بیان کر رہے تھے کہ تخریب کاری کے سوا ان کا کوئی دوسرا کام نہیں ہے۔ یہ ایسے ہی تھا کہ جیسے وہ ایک مخصوص گروہ اور لوگوں کی طرف سے مخفی طور پر مأمور ہوئے ہوں تاکہ تمام سیاسی اور معاشرتی پہلوؤں میں تخریب کاری کریں۔[2]

ہٹلر (جو کہ خود بھی دنیا کے خونخوار افراد میں سے تھا) یہودیوں کے ظلم و ستم اور فساد سے اتنا تنگ آچکا تھا کہ اس نے کہا: تخریب کاری کے سوا یہودیوں کا کوئی دوسرا مقصد نہیں ہے!

یہودیوں نے کرۂ زمین پر جو تمام فساد، تباہی و بربادی، ظلم و ستم اور انحرافات انجام دیئے ہیں، وہ صرف یہودیوں کی خود غرضی اور خود بینی اور آخرت پر ایمان و یقین نہ رکھنے کی وجہ سے ہے!

یہ واضح ہے کہ جب یہودیوں کے لئے بڑے سے بڑے جرائم اور برے سے برے اعمال انجام دینے کے لئے ان کا معیار ان کی خود بینی اور خود غرضی کی حس ہو تو اس سے ان کا اخروی دنیا پر سے ایمان ختم ہو جائے گا۔ صرف ہمارے زمانے میں ہی نہیں بلکہ گزشتہ صدیوں میں بھی انہوں نے ہر وہ جرم کیا جو وہ کر سکتے تھے۔

انہوں نے ابتدائے اسلام سے ہی نہیں بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے سے پہلے ہی اسلام اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف سازشوں کے جال بننا شروع کر دیئے تھے اور انہوں نے اس پر عمل بھی کیا جس

---

[1] ۔ آدولف ہٹلر، نبرد من: ۴۱-۴۲.

[2] ۔ تحلیلی بر عملکرد یہود در عصر نبوی: ۱۱۳.

کے لئے بنی امیہ نے ان کی مدد اور خدمت کی۔

نیز یہ بھی واضح ہے کہ ظہور اسلام کے ساتھ ہی ان کی سازشوں میں وسعت اور تیزی آ گئی اور اب جب کہ وہ یہ جان چکے ہیں کہ اسلام کی عالمی حکومت سے ان کی بدنام اور بے شرم حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا تو اس لئے وہ کسی بھی نئے خائن اور سازشی حربہ کو انجام دینے سے دریغ نہیں کریں گے۔

اس کتاب کے بارے میں

معاویہ اور ہزار مہینوں تک اقتدار کی کرسی پر قابض رہنے والے بنی امیہ کے کارناموں (اور ان کے کالے کرتوتوں) کا تجزیہ و تحلیل کرنے اور ان کی تاریخ سے مکمل آشنائی کے لئے دسیوں جلد پر مشتمل کتاب لکھنے کی ضرورت ہے۔

ان کی حکومت میں ملک کی وسعت اور ان کے طولانی اقتدار نے ان کے رفتار و کردار کی فائل کو بہت وزنی بنا دیا ہے۔اس لئے حقیقت کا متلاشی اور واقعیت تک پہنچنے کی جستجو کرنے والا ہر شخص بنی امیہ کے کارناموں سے بہت ہی اہم نکات اخذ کر سکتا ہے جس سے ان کے کردار اور رفتار کی ماہیت و کیفیت بخوبی واضح ہو جائے گی۔

اب جب کہ معاویہ کی حکومت اور اموی خاندان کو کئی صدیاں بیت چکی ہیں اور کروڑوں اہلسنت مسلمان اموی حاکموں کو رسول خدا ﷺ کے جانشین اور اسلام کے ولی کے طور پر پہچانتے ہیں ! لیکن کیا حقیقت میں یہ لوگ امویوں کی سیاہ کاروایوں سے آگاہ ہیں ؟!

کیا وہ جانتے ہیں کہ معاویہ اور اس کے جانشینوں کا تاریخ اسلام کو بدلنے میں کتنا اہم کردار ہے اور انہوں نے اپنے اہداف کے حصول کے لئے کس قسم کی سازشیں کیں ؟!

کیا وہ جانتے ہیں کہ امویوں کی ہزار مہینوں پر مشتمل حکومت میں اسلامی معارف و عقائد کے ساتھ کیسا سلوک کیا گیا ؟!

کیا وہ جانتے ہیں کہ ابوسفیان، معاویہ اور ان کی حکومت کے بارے میں قرآن کی آیات نازل ہوئی ہیں ؟

کیا وہ جانتے ہیں کہ اہلسنت کے مشہور علماء اور دانشوروں نے اپنی کتابوں میں ان کے بارے میں بہت سی اہم اور حقیقت کو واضح کرنے والی احادیث نقل کی ہیں ؟!

کیا وہ جانتے ہیں کہ تاریخ میں بنی امیہ کے کیسے کیسے شرمناک کام درج ہیں؟!

کیا وہ جانتے ہیں کہ انہوں نے اسلام کے نام پر مسلمانوں بلکہ انسانیت کی تاریخ کے راستے کو کیسے بدل دیا اور اسے کس طرح سے اس انحراف کی طرف لے گئے؟!

یہ امر واضح ہے کہ جو اپنے لئے گذشتہ لوگوں کی تاریخ کے دریچے کھول کر کسی تعصب کے بغیر ہشیار اور خبردار کرنے والے نکات سے آگاہ ہیں، وہ جانتے ہیں کہ خاندانِ بنی امیہ اسلام کے نام پر خدا اور خاندان وحی علیہم السلام کے آئین کے خلاف کیسے کوشاں رہا۔

ہم نے یہ کتاب ایسے افراد کی آگاہی میں اضافہ اور ان واقعات سے ناواقف افراد کو ان سے آشنا کرنے کے لئے تألیف کی ہے اور اسے عام لوگوں کے لئے پیش کیا ہے تاکہ سب لوگ بنی امیہ کے شرمناک اہداف و مقاصد سے آشنا ہو سکیں، اور وہ یہ جان لیں کہ بنی امیہ کس طرح خلافت کی کرسی پر قابض ہوئے اور انہوں نے کس طرح امت کی رہبری و قیادت حاصل کی! اور اسلام کی جڑوں پر کیسی کیسی کاری ضربیں لگائیں!

اب شیعہ عقائد کے حقائق کی نورانیت سے دنیا کے بے شمار لوگوں نے اسلام کا رخ کیا ہے اور اب وہ یہ جاننا چاہتے ہیں اسلام کے نام پر وجود میں آنے والے فرقوں میں کون سا فرقہ حقیقت پر مبنی ہے اور کون سا راستہ انحراف و گمراہی کی طرف لے کر جاتا ہے۔

یہ کتاب ''حاکم شام'' مذہب حقہ کے انتخاب کے سلسلہ میں بخوبی ان کی راہنمائی کر سکتی ہے اور یہ نہ صرف معاویہ بلکہ ایسے اہلسنت کا بھی تعارف کروانے کے لئے مددگار ثابت ہو گی جو معاویہ کی پیروی کرتے ہیں اور اسے اپنا رہبر و پیشوا مانتے ہیں۔

اسی طرح یہ کتاب بہت سے اہلسنت حضرات کی رہنمائی کے لئے بھی اہم ہے جو شیعہ عقائد سے آشنا ہوئے ہیں لیکن اب تک شکوک و شبہات کا شکار ہیں۔ یہ کتاب آپ کی خدمت میں باطل راستے کا تعارف کرواتی ہے کہ جس کے نتیجہ میں راہ حق آشکار ہو جاتا ہے۔

دین کے انحراف میں معاویہ کے کردار اور رسول خدا ﷺ کے ساتھ اس کی مخالفت کی کوششوں کو جاننے کے لئے ہم یہ اہم ترین رپورٹ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں لیکن (ہماری یہ گزارش ہے کہ) پوری توجہ سے اس کا مطالعہ کریں:

معاویہ بروز غدیر

غدیر کے دن ایک لاکھ بیس ہزار مسلمانوں نے حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی بیعت کی اور خداوند متعال کے حکم کی اطاعت کی حتی کہ امیر المؤمنین حضرت امام علی علیہ السلام کے دشمنوں میں سب سے بڑے دشمن ابوبکر اور عمر نے بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اگرچہ انہوں نے ظاہری طور پر آنحضرت کی ولایت کو قبول کر لیا اور جیسا کہ اہلسنت علماء نے لکھا ہے کہ عمر نے کہا: ''بخّ بخّ لک یا علی''۔ عورتوں نے بھی بیعت کی اس تقریب میں شرکت کی اور پانی کے ایک ایسے برتن میں اپنا ہاتھ رکھ کر امیر کائنات امام علی علیہ السلام کی بیعت کی جس میں آپ نے اپنا دست مبارک رکھا تھا اور یوں انہوں نے آپ کی ولایت کو قبول کیا۔

اپنے وطن لوٹنے کے بعد مسلمانوں نے اپنی اقوام اور دوستوں سے غدیر کے دن کی بیعت کا واقعہ بیان کیا اور سب نے امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی ولایت کو قبول کیا، حتی جو لوگ باطنی طور پر آپ کے مخالف تھے انہوں نے ظاہری طور پر رضامندی کا اظہار کیا اور پوری امت نے حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی ولایت کو قبول کرنے (اگرچہ ظاہری طور پر ہی سہی) کے لئے بیعت کی اس تقریب میں شرکت کی۔

اس بناء پر غدیر کی جاودانہ عید کے دن تمام مسلمانوں اور حتی کے تمام منافقوں نے بھی رسول خداﷺ کے بعد امت کی سرپرستی کے لئے امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو ضروری سمجھا اور آپ کی ولایت کو تسلیم کیا۔

اس دوران صرف ایک شخص آپ کی مخالفت میں اٹھا اور اس نے اسی دن اپنی مخالفت کا اظہار کرتے ہوئے پیغمبر اسلامﷺ کو جھٹلانا شروع کر دیا اور پوری امت کے سامنے اپنے کفر و نفاق کو واضح و ثابت کر دیا اور وہ شخص معاویہ کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔

اہلسنت علماء نے لکھا ہے کہ غدیر خم میں معاویہ تنہا ہی خدا، رسول خداﷺ، ولی خدا، حکم خدا اور پوری امت کے مقابلہ میں کھڑا ہوا اور اس نے رسول خداﷺ کے فرمان کو۔ نعوذ باللہ۔ جھٹلایا اور اسے ردّ کیا۔

اس حقیقت کو اہلسنت کے چند علماء نے لکھا ہے اور یوں اس کے کفر کو ثابت کیا ہے۔

اگر سقیفہ میں بیٹھنے والوں نے غدیر خم میں رسول خداﷺ کے خطبے کے ستر دن کے بعد واضح طور پر خدا کے حکم اور رسول خداﷺ کی وصیت کی مخالفت کی لیکن معاویہ نے پہلے دن ہی سے غدیر خم میں خدا، رسول خداﷺ، ولی خدا اور حکم خدا کا صاف صاف انکار کیا۔

معاویہ نے اس پر اتنا زور دیا کہ اہلسنت مفسّرین کے مطابق اس کے اس برے اور قبیح فعل اور نا قابل

معافی گناہ کے بارے میں کئی آیات نازل ہوئیں ہیں۔

اے کاش! دنیا کے مسلمان ابتدائے اسلام سے اب تک ان حقائق سے آشنا ہوتے کہ جن کے نتیجہ میں انہیں معاویہ کی صحیح اور مکمل شناخت ہوتی۔ لیکن افسوس! علم کی کمی اور اسلامی حقائق سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے بہت سے مسلمان گمراہی میں مبتلا رہے اور انہیں ضروری اور واضح حقائق کی بھی خبر نہ ہوئی، جس کی وجہ سے وہ آب اور سراب میں تشخیص نہ دے سکے۔

شیعہ اور اہلسنت مفسرین نے کہا ہے کہ سورۂ القیامۃ کی کچھ آیات معاویہ کے برے اور قبیح اعمال کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو اس کے کفر کی واضح دلیل ہے۔

خداوند کریم نے سورۂ القیامۃ میں ارشاد فرمایا ہے:

''فَلاَ صَدَّقَ وَلاَ صَلّٰی. وَلٰکِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی. ثُمَّ ذَهَبَ اِلَی أَهْلِهِ یَتَمَطّٰی''[1]،[2]

اس نے نہ کلام خدا کی تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی، بلکہ تکذیب کی اور منہ پھیر لیا، پھر اپنے اہل کی طرف اکڑتا ہوا گیا۔

اس اہم نکتہ پر توجہ کریں: تصدیق نہ کرنا، نماز نہ پڑھنا، جھٹلانا اور روگردانی کرنا یہ سب کفار کے کام ہیں۔ لیکن ان سب کے باوجود معاویہ اپنی ان کفر آمیز کرتوتوں پر نہ ہی تو پشیمان ہوا، اور نہ ہی اسے اس پر کوئی شرمندگی تھی بلکہ وہ یہ کفر آمیز باتیں کہنے کے علاوہ ان پر فخر بھی کیا کرتا۔ اگر غدیر کے دن عمر، ابوبکر، مغیرہ وغیرہ میں رسول اکرم ﷺ کی مخالفت کرنے اور آپ کی شان میں گستاخی کرنے کی طاقت نہیں تھی لیکن معاویہ نے نہ صرف آنحضرت کی مخالفت کی بلکہ اس کے علاوہ تکبرانہ انداز میں فخر کرتے ہوئے انتہائی نازیبا کلمات کہے اور اسے رسول اکرم ﷺ اور مسلمانوں کے سامنے کسی قسم کی شرم وحیاء نہ آئی!!!

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ انسان کے اعمال اور اس کا رویہ اس کی ذات اور باطن کی عکاسی کرتے ہیں۔ جس انسان کی ذات اور باطن پاک ہوگا وہ برے اور ناپسندیدہ کام انجام نہیں دے گا اور جس کی ذات اور باطن میں برائی اور گندگی بھری ہو، وہ برے اعمال و گفتار کا مرتکب ہوگا۔ معاویہ کی بھی ذات اور باطن بھی ناپاک تھا

---

[1] ۔ سورۂ القیامہ، آیت: ۳۳-۳۱.

[2] ۔ شواہد التنزیل: ۳۹۰۲ اور ۳۹۱ روایت ۱۰۴۰ اور ۱۰۴۱۔ قرآن کریم میں معاویہ کے بارے میں نازل ہونے والی متعدد آیات ہیں جنہیں شیعہ و سنی مفسرین نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ ہم معاویہ کے بارے میں آیات کو ''معاویہ، قرآن کی نظر میں'' کی بحث میں بیان کریں گے۔

کیونکہ وہ جگر خور ہند کا بیٹا تھا اور اس کی ماں فاحشہ کے طور پر مشہور تھی۔

معاویہ نے برے اور نازیبا کلمات بھی کہے اور بڑے افتخارانہ انداز سے خدا اور خدا کے رسول ﷺ کو جھٹلایا۔

یہ واضح سی بات ہے کہ ایسی گستاخ شخصیت کے مالک انسان۔ حتی کہ جو خدا اور رسول خدا ﷺ کے سامنے بھی گستاخی کرے۔ کے چہرے کو چند صفحات پر مشتمل ابحاث سے بے نقاب نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ ایسے شخص کے کارناموں سے مکمل آگاہی کے لئے اس کے اجداد اور حسب و نسب سے بھی آگاہ ہونا ضروری ہے۔

اسی لئے ہم نے اس کتاب میں خاندان بنی امیہ کے حسب و نسب کے بارے میں بھی بحث کی ہے تا کہ معاویہ کے ماضی اور اس کی بد کردار ہونے کے رازوں سے پردہ اٹھایا جا سکے۔

ہم امید کرتے ہیں کہ قارئین کرام کسی بھی طرح کے تعصب کے بغیر اس کتاب کو پوری توجہ اور غور و فکر کے ساتھ پڑھیں گے تا کہ ان کے لئے بہت سے حقائق کو جاننے کا راستہ کھلے اور وہ اہم اور موثر نکات سے آشنا ہو سکیں۔

وما توفیق الّا باللہ

سید مرتضٰی مجتہدی سیتانی

پہلا باب

بنی امیہ کے یہودیوں سے تعلقات

بنی امیہ کے یہودیوں سے تعلقات

یہودیوں کی ایک اور اہم سازش یہ تھی کہ انہوں نے مسلمانوں کے صحیح عقائد میں شکوک و شبہات پیدا کئے تاکہ وہ غیر مسلمانوں کو مسلمان ہونے اور مسلمانوں کے درمیان تفرقہ واختلافات ایجاد کر سکیں۔

گزشتہ کئی صدیوں سے اب تک جتنا ممکن ہو سکا انہوں نے اسلامی عقائد میں شکوک و شبہات پیدا کرکے لوگوں کو عالمی دین اسلام کی طرف راغب ہونے سے روکا ہے۔

دسیوں سالوں سے وہابیت نے انہی سازشوں پر عمل پیرا ہو کر اور اسلام میں نوسازی وترمیم کے نام پر غیر مسلمانوں کو اسلام کی طرف مائل ہونے سے روکا ہوا ہے۔

یہ واضح ہے کہ مسلمانوں میں شکوک و شبہات پیدا کرکے یہودیوں نے نہ صرف یہ کہ کچھ مسلمانوں کو دین سے ناامید کیا ہے بلکہ دوسرے ادیان ومذاہب سے تعلق رکھنے والے افراد کو بھی اسلام کی طرف آنے سے روکا ہے جس کے نتیجہ میں وہ مسلمانوں کے درمیان اختلاف اور تفرقہ پیدا کرکے اپنے ظالمانہ تسلّط کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں اور لوگوں پر حکومت کر رہے ہیں۔

یہودیوں کا مسلمانوں کے درمیان منحرف افکار کو فروغ دیا

کتاب ''تحلیلی بر عملکرد یہود در عصر نبوی'' میں لکھتے ہیں:

''یہودیوں کے جرائم کے بہت زیادہ اثرات اور برے نتائج ہیں لیکن ان میں سے ایک اہم ترین اثر ثقافتی اور عقیدتی تخریب کاری ہے۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان شبہات، بعض باطل افکار اور خرافات کو فروغ دیا جاتا ہے۔ انہوں نے اس وقت رسول خدا ﷺ کی مخالفت کی بنیاد رکھی اور تورات میں تحریف کے ذریعہ شکوک و شبہات پیدا کئے اور بعض جھوٹی روایات نقل کیں اور پھر انہی روایات کی یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان ترویج کی گئی۔ ان کا یہی ناپسندیدہ عمل یہودی عوام حتی کہ بعض مسلمانوں کی گمراہی کا بھی باعث بنا اور انہیں دوراہے پر لا کر کھڑا کر دیا۔

اس بناء پر یہودی سربراہوں کی طرف سے شبہات اور انحرافی افکار پھیلانے سے ذہنوں پر بہت ہی تباہ کن اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ان شبہات کو لوگوں کے افکار سے اتنی آسانی سے مٹانا ممکن نہیں ہے۔

یہودیوں کی مخالفانہ اور عداوت پر مبنی کاروائیوں میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے روایات میں اسرائیلیات کو داخل کیا ، جب کہ ان میں سے اکثر روایات جعلی اور جھوٹی تھیں اور اسلام کے خلاف ثقافتی اور عقیدتی سازشیں بھی اسی کا حصہ ہیں تا کہ وہ اس کے ذریعہ اسلام کی عظمت کو نقصان پہنچا سکیں،اسے انسانی معاشرے میں غیر معقول شکل میں پیش کر سکیں اور اس کی ترقی کا راستہ روک سکیں۔

مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ انہوں دھوکہ دہی اور فریب کے ذریعہ اپنے اس منصوبے پر عمل کیا، اور جس قدر ہو سکا اپنے ناپاک عزائم میں کامیابی سے عمل پیرا رہے اور مخصوص افراد کے ذریعہ یہودیوں اور مسلمانوں میں گمراہ کرنے والے افکار پھیلاتے رہے اور اس طرح انہوں نے ان سب کو شبہات کے سمندر میں غرق کر دیا۔

اس بناء پر اگر رسول اکرم ﷺ مسلمانوں کو اہل کتاب کی طرف رجوع کرنے اور ان کی کتابوں سے استناد کرنے سے منع کریں[1] تو یقیناً اس میں حکمت ہے اور یہودیوں کی طرف سے شامل کئے گئے افکار اس کی واضح دلیل ہیں۔خاص طور پر جب عمر بن خطاب نے یہودیوں کی کتاب سے استفادہ کیا تو رسول خدا ﷺ کا اس کے ساتھ سخت رویہ اس بات کا شاہد ہے۔

افسوس کہ یہودیوں کے ساتھ اس کے انہی تعلقات نے اپنے اثرات دکھائے اور پیغمبر اکرم ﷺ کی حیات کے آخری دنوں میں اسلام اور اسلامی سرزمین کی وسعت کے باوجود مسلمانوں کے درمیان یہودیوں کی

---

[1] ۔ تفسیر القرآن العظیم (ابن کثیر) : ج ۲ ص ۴۶۷

عمر بن خطاب کا اہل کتاب سے تعلق ، اور اس کے خلاف رسول اکرم ﷺ کے روّیہ کے بارے میں روایت نقل کرتے ہیں۔وہ کہتا ہے: میں نے یہودیوں سے کچھ مطالب پوچھے اور لکھے اور انہیں ایک جلد میں رکھ کر لایا تو رسول خدا ﷺ نے پوچھا:اے عمر! تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟

میں نے جواب دیا:اس میں ایک تحریر ہے جو میں نے یہودیوں سے اخذ کی ہے تا کہ اپنی معلومات میں اضافہ کر سکوں ! !

پیغمبر اکرم ﷺ اس حد تک غضبناک ہوئے کہ آپ کا چہرا سرخ ہو گیا، پھر آپ نے تمام مسلمانوں کو جمع کیا اور فرمایا:

اے لوگو ! تمہیں زندگی میں جن مسائل،احکام اور اخلاق کی ضرورت تھی ، میں نے وہ سب خوبصورت اور مختصر شکل میں بغیر کسی آزردگی کے تمہارے لئے بیان کر دیئے ہیں جو سب واضح و روشن ہیں۔پس گمراہ نہ ہو جاؤ اور گناہ و معصیت نہ کرو، نیز کوئی پست اور گناہگار انسان بھی تمہیں دھوکہ نہ دے۔

پس میں کھڑا ہوا اور میں نے کہا: میں راضی ہوں کہ خداوند متعال میرا ربّ،اسلام میرا دین اور آپ میرے نبی ہوں ! !

خرافات نے انتشار پیدا کر دیا اور کعب الأحبار، عبداللہ بن عمرو بن عاص اور ابوہریرہ جیسے افراد نے بڑھ چڑھ کر اس میں اپنا حصہ ڈالا۔ جیسا کہ عمر بن خطاب نے بھی اس زمانے میں "تمیم بن اوس" کو اجازت دی کہ وہ مسجد نبوی میں لوگوں کے سامنے کھل کر اپنے قصہ کہانیاں بیان کرے ،جب کہ وہ خود کعب الأحبار کے قصہ سنا کرتا تھا۔[1]

اس بناء پر عمر کی تائید سے مساجد میں قصہ گوئی رائج ہو گئی اور انہی قصہ کہانیوں کے ذریعہ لوگوں کے درمیان خرافات اور جھوٹ عام ہوا۔

چونکہ عوام الناس کو حیرت انگیز چیزوں میں دلچسپی ہوتی ہے ،اس لئے وہ قصہ کہانیاں سنانے والوں کے ارد گرد جمع ہو جاتے تھے اور ان کی جھوٹی باتیں سنتے تھے ،اس طرح سے انہوں نے لوگوں میں اسرائیلیات کو عام کر دیا۔

ڈاکٹر ابو شبہہ کہتے ہیں: قصہ گوئی کی بدعت عمر بن خطاب کے آخری زمانے میں شروع ہوئی اور پھر اسے ایک فن کے طور پر پیش کیا جانے لگا اور اس میں ایسی چیزیں داخل ہو گئیں جو علم و اخلاق کے شایان شان نہیں ہیں۔[2]

اس بناء پر لوگوں میں اسرائیلیات اور انحرافی افکار کو پھیلانے میں یہودیوں کی سازشیں کارفرما ہیں۔ نیز عمر بن خطاب نے کھل کر ان کی حمایت کی اور قصہ گوئی کو عام کیا ،جب کہ وہ قصہ کہانیاں مکمل طور پر اسرائیلیات اور خرافات میں سے تھیں۔ پس یہودی سازشیں اور عمر بن خطاب کی طرف سے ان کی مکمل حمایت مسلمانوں کے درمیان انحرافی افکار اور گمراہ کن شبہات کو پھیلانے کا باعث بنی۔ جس کے بہت زیادہ غیر مناسب نتائج سامنے آئے۔ انہی کاموں کی وجہ سے بہت سے اہل کتاب اپنی گمراہی و ضلالت پر باقی رہے اور کچھ کمزور ایمان کے حامل مسلمان بھی راستہ سے بھٹک گئے۔

اس بناپر ہر زمانے میں نامناسب اور گمراہ کرنے والے افکار کی ترویج کے اثرات نقصان دہ ہوتے ہیں اور اس زمانے میں یہودی اس مسئلہ سے آگاہ تھے لہٰذا انہوں نے لوگوں میں شبہات پھیلانا شروع کر دیئے ،ان کے اس ناجائز کام کے بہت مضر اثرات تھے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے اپنی زندگی کا زیادہ

---

[1]۔ التفسیر والمفسرون فی ثوبہ القشیب: ج ۲ ص ۱۲۲۔

[2]۔ اسرائیلیات والموضوعات فی کتب التفسیر: ۸۹ اور ۱۲۳۔

وقت ان شبہات کو ردّ کرنے میں صرف کیا۔[1]

ایک انتہائی اہم نکتہ ؛ جس کے بارے میں اہلسنت حضرات کو بہت غور و فکر کرنا چاہئے اور ان کے مشہور علماء نے بھی اپنی کتابوں میں لکھا ہے، اور وہ نکتہ یہ ہے :

عمر لوگوں کو پیغمبر اسلام ﷺ کی احادیث لکھنے اور ان کے بارے میں گفتگو کرنے سے منع کرتا تھا اور کہتا تھا: رسول خدا ﷺ کی احادیث کو نقل کرنے سے لوگ خدا کی کتاب سے غافل ہو جائیں گے اور اسے اہمیت نہیں دیں گے !

اگر عمر کا لوگوں کو احادیث نقل کرنے سے روکنے کا مقصد یہ تھا کہ لوگ قرآن کی طرف توجہ کریں تو پھر کیوں اس نے لوگوں کو قصہ گوئی اور اسرائیلیات بیان کرنے سے منع نہیں کیا؟ بلکہ اس نے تو تمیم بن اوس جیسے شخص کو اجازت دی کہ وہ مسجد نبوی میں بیٹھ کر لوگوں کے سامنے اپنے قصہ بیان کرے ! اور قصہ گوئی کا یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا، یہاں تک کہ ڈاکٹر ابو شبہہ کے مطابق عمر کے آخری زمانے میں قصہ گوئی کا باقاعدہ آغاز ہوا اور پھر اسے بعض افراد نے ایک فن اور پیشہ کے طور پر اختیار کر لیا !

اگر رسول اکرم ﷺ کے علمی مطالب اور احادیث قرآن سے دوری کا باعث بنتی ہیں تو کیا عمر کا یہودیوں کے مطالب کو جمع کرنا، قرآن کی طرف توجہ نہ کرنے یا کم توجہ کرنے کا باعث نہیں تھا؟ ! ! !

جی ہاں ! حق کا راستہ ہمیشہ واضح اور روشن تھا اور ہے، لہٰذا اہلسنت کو چاہئے کہ وہ جس راہ پر چل رہے ہیں اس پر غور کریں، خاص طور پر ان کے جوانوں کو زیادہ غور و فکر کرنا چاہئے، جو زیادہ روشن فکر ہیں تا کہ مکمل ہوش و حواس میں رہتے ہوئے جس چیز کا یقین ہو جائے، صرف اسی کو اخذ کریں۔

---

[1]۔ تحلیلی بر عملکرد یہود در عصر نبوی: ۱۴۸.

اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لئے یہودیوں کی ایک اور سازش

افسوس! صد افسوس! پیغمبر اکرم ﷺ کی احادیث کو تدوین کرنے سے منع کرنے کا سلسلہ یہاں پر ہی ختم نہیں ہوا، بلکہ یہودیوں نے اپنے ظاہری اور مخفی ہتھکنڈوں کے ذریعہ رسول خدا ﷺ کی اب تک باقی بچ جانے والی حدیثوں کو جھٹلایا اور انہیں پیغمبر ﷺ کی رحلت کے بعد کی صدیوں میں جعلی اور من گھڑت حدیثیں قرار دیا۔

یہودیوں کے کارندوں کا یہ دعویٰ مسلمانوں کا رسول اکرم ﷺ کے فرموات سے روگردانی کرنے کا باعث بنا۔

اب اس رپورٹ پر مکمل غور کریں:

کچھ عرصہ پہلے ایک ہنگری نژاد یہودی محقق "ایگناز گلدزیہر" (Ignaz Gold Ziher) نے "Muhammedanische Studien" کے نام سے اپنی کتاب کی دوسری جلد لکھی اور اس میں ایسی اسلامی روایات و احادیث کا تجزیہ کیا جس کے بارے میں وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ کلام، عقائد اور پیغمبر اکرم ﷺ کے شخصی کردار کے بارے میں ہیں۔ وہ معتقد ہیں کہ مطلق طور پر ان احادیث کا پیغمبر ﷺ کی حیات میں کوئی بنیادی کردار نہیں ہے بلکہ یہ روایات زیادہ سے زیادہ یہ آٹھویں اور نویں صدی عیسوی میں وجود میں آئیں جو اسلام کی وسعت کے زمانے میں پیش آنے والے مسائل کی عکاسی کرتی ہیں، یعنی پیغمبر اکرم ﷺ کی رحلت کے ایک صدی یا اس سے بھی زیادہ عرصے کے بعد یہ روایات گھڑی گئیں۔

"گلدزیہر" کے نظریہ کی بناء پر جب بھی مسلمانوں کے درمیان کوئی سیاسی، مذہبی یا حقوقی اختلاف رونما ہوتا تھا تو اس سے کئی حدیثیں معرض وجود میں آجاتیں اور طرفین اپنے عقائد کا دفاع کرنے کے لئے پیغمبر اکرم ﷺ سے نسبت دی جانے والی احادیث کا دامن تھامتے تھے۔ انہوں نے اپنی تحقیق میں کچھ اسناد کا تجزیہ کیا اور بنی امیہ کے طرفداروں اور ان کے مخالفوں کے نظریات کا جائزہ لیا۔

امویوں کی طرف سے یہودیوں کی حمایت

اس کے بعد "گلدزیہر" نے لکھا ہے: اس زمانے میں دوسری تبدیلی مسلمانوں کی روائی سنت کے خلاف تنقیدی رویہ تھا، جس نے امویوں کی کامیابی کو مثبت نظر سے دیکھا۔

"ولہاوزن" کے مطابق اموی انتظامیہ کی مدد سے ایک سلطنت کے قیام کے لئے کوشاں تھے اور یہ سب حکومتی مشینری کے ذریعہ عمل میں آیا۔ "ہینری لامنز بلژکی" کی تحریروں میں یہ تحسین اور زیادہ نکھر کر سامنے آتی ہے۔

"لامنز" (Lammens) امویوں کو شام میں عربوں کی ملّی حکومت کا بانی سمجھتے ہیں اور اسے اسلام کے زیر تسلّط نہ جانے کی وجہ سے ایک طاقتور اور کامیاب حکومت قرار دیتے ہیں۔

اپنے آبائی ملک سے عشق و محبت کی وجہ سے اس مہاجر مؤلف نے اپنے علم و دانش کو عربی منابع کے مطالعہ میں استعمال کیا اور اپنی چاہت کے مطابق اموی حکومت کا بہت ہی مناسب چہرا دکھایا۔ انہوں نے اپنی تحریر و تألیف کا زمانہ لبنان میں گزارا جو تاریخی اعتبار سے شام کبیر کا ایک حصہ شمار کیا جاتا تھا۔ حقیقت میں ان کا کام یہ تھا کہ مختلف منابع میں امویوں کے دفاع میں مطالب جمع کریں اور اسے اسلام کی روائی سنت کے خلاف چھپے ہوئے عام تعصب کو حربہ کے طور پر استعمال کریں۔

مجموعی طور پر تقریباً کچھ عرصہ پہلے تک غربی محققین اسی طرح ان دو رویوں پر ہی عمل پیرا رہے اور گلدزیہر، ولہاوزن، لامنز اور ان کے کچھ ہم عصر جیسے "ک. ھ بکر" اس سے آگے نہیں بڑے۔

سنہ ۱۹۴۰ء کی دہائی کے آخر میں امریکی محقیق D.C Dennett نے طیارے کے حادثہ میں اپنی موت سے کچھ دن پہلے کہا تھا کہ ولہاوزن کے تجزیے کے مطابق امویوں کے ٹیکس کے نظام پر اعتراض وارد ہوتا ہے اور جو عباسی انقلاب کی اصطلاح کے بارے میں تجزیہ پر دلالت کرتا ہے۔

دوسرے محققین نے امویوں کے زوال کے بارے میں ولہاوزن کے نتائج پر تنقید کی ہے اور وہ معتقد ہیں کہ اس نے حد سے زیادہ عربوں کی حیثیت اور ہاشمی تحریک میں ایرانی سربراہوں کے کردار پر زور دیا ہے۔ اور اسی تاکید سے ایک برعکس تاکید وجود میں آتی ہے جو اسلامی تاریخ میں عربوں کی اہمیت کو بیان کرتی ہے۔ اس کی تائید کے لئے "ایم. اے. شبان" کے آثار بطور نمونہ پیش کیا۔

ان سب تنقیدوں کے باوجود ولہاوزن نے اموی تاریخ میں جو عمارت تعمیر کی وہ آج بھی وسیع بنیادوں

قائم ہے۔ لیکن پھر بھی اس کے منابع میں تجزیاتی روش کو ناکارہ بلکہ شبہ آمیز سمجھا گیا ہے اور اسے قابل اعتراض قرار دیا گیا ہے۔ کچھ دانشوروں کو اس بارے میں شک و شبہ ہے کہ کیا اموی دور کے بارے میں کوئی تفصیلی تاریخ لکھی جا سکتی ہے۔

اس سے پہلے سنہ ۱۹۵۰ء میں تاریخ صدر اسلام کے مرجع کے عنوان سے مسلمانوں کی روائی سنت پر مکمل طور پر اعتراض کیا گیا جس پر گلدزیہر نے اپنے آثار میں مہر تائید ثبت کر دی اور بعد میں اس کے شاگرد ''جی. شاخت'' نے زیادہ شدت کے ساتھ اپنے استاد کے فکری سفر کو جاری رکھا۔

''شاخت'' نے اسلامی شریعت کے مآخذ کے بارے میں تاریخی تحقیقات کے بعد دعویٰ کیا کہ اسے اپنے استاد کے نظریات کی تائید میں بہت سے شواہد ملے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی روایات پیغمبر ﷺ کی رحلت کے بعد کے زمانے میں وجود میں آئی ہیں اور ان سب سے بڑھ کر ان کی تشکیل پر قانونی تنازعہ اثرانداز ہوتا ہے۔!!

پھر کچھ ایسے لوگ بھی پائے گئے جنہوں نے ''شاخت'' کی تحقیقات کی مدد سے روائی سنت میں تاریخ صدر اسلام کی تحقیقات پر حملہ کیا۔

سنہ ۱۹۷۳ء میں ''اے. نٹ'' نے ''Untersuchungen Quellenkritische'' کے نام سے اپنی ایک کتاب شائع کی جس میں اس نے منابع کا تجزیہ کرنے والی ''ولہاوزن'' کی بنیاد پر اعتراض کئے۔ اس نے اس بات پر زور دیا کہ تاریخی روایات کو جمع اور منتقل کرتے وقت انہیں پھر سے نئی طرز پر لکھا گیا حتی کہ ابتدائے اسلام کے اخباریوں کا ابتدائی روائی سنت میں کوئی عمل دخل نہیں تھا، جب کہ ان کی تحریروں کا خلاصہ ہمارے منابع میں موجود ہے۔ بلکہ وہ بھی ایسی معلومات کو جمع وتدوین کرنے والے تھے کہ جن تک رسائی سے پہلے یہ ابتدائی تشکیل کے مرحلہ تک ہی تھا۔

وہ معتقد تھا کہ ہم تک پہنچنے والے منابع تک رسائی نہیں ہے اور اسی طرح آٹھویں صدی عیسوی کے اخباریوں اور واضح و معین خصوصیات کے خاص مکاتب تک بھی رسائی ممکن نہیں ہے اور ان میں سے ہر کسی کی واقعیت اور جزوی حیثیت کو الگ الگ مشخص نہیں کر سکتے۔ حقیقت میں ان میں سے ہر ایک کو متنوع معلومات اور نظریات سے منتقل کیا گیا ہے۔

پھر ''نت'' نے منابع پر اشکالات اور ان کی داخلی شکل کو علیحدہ کیا تا کہ وہ یہ دکھا سکے کہ منابع صرف ''topoi'' کا ایک مجموعہ ہے اور تاریخی اعتبار سے اس کی بنیاد پر سوال اٹھتا ہے۔

صدر اسلام کی تاریخ کی مفصل صورت میں تعمیر نو کے لئے ان منابع سے استفادہ کرنا برا سمجھا جاتا تھا۔ایسا لگتا ہے کہ ''نٹ'' یہ چاہتا تھا کہ اپنی کتاب کی تألیف سے اپنی مرضی کے مطابق ابتدائے اسلام کی تاریخ سے نتائج اخذ کرے لیکن وہ اسے عملی جامہ نہ پہنانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔تمام مؤرخین نے کم و بیش امویوں کی تاریخ لکھنے میں ولہاوزن کی تقلید کی اور منابع پر تنقید کے ذریعہ ان کا خیال تھا کہ صحیح تنقید سے اموی تاریخ کی تعمیر نو میں مدد مل سکتی ہے۔

جرمنی میں ''ردوان سعید ''اور ''گرانٹ روٹر'' جیسے دانشوروں کا نام لیا جاسکتا ہے جن کی کوشش تھی کہ ولہاوزن کے اسی طریقہ کار سے استفادہ کریں۔لیکن وہ جدید سماجی اور اقتصادی مفاہیم کے منابع سے زیادہ استفادہ کرتے تھے۔ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ''ف.مک گراو دانر'' (F.Mcgraw Fonner) نے فتوحات عرب کی تاریخ کو جدید انداز میں لکھا اور اس نے اپنی کتاب کی تألیف میں اپنی روش شناسی کی توجیہ کا وعدہ کیا۔لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اکثر ایسی بدعت آمیز تحقیقات میں پابندی اور تعطّل کا احساس ہوتا ہے۔ ''ورنراندہ'' (Wener Ende) اور ''ای.ال پیٹرسن'' (E.L Peterssen) ایسے مؤلفین کا واضح نمونہ ہیں۔

حالیہ دنوں میں ''پیٹریسیا کرون'' (Patricia Crone) کی ''Slavesson Horseses'' (غلامان سوار بر اسب) نامی کتاب میں کوشش کی گئی ہے کہ گلدزیہر، شاخت اور نٹ کے طریقۂ کار کو قبول کرتے ہوئے اسلامی منابع میں ایک دوسری روش سے استفادہ کیا جائے۔''پیٹریسیا کرون'' کے مطابق یہ طریقۂ کار زندگی نامہ یا انساب کے لئے موزوں ہے۔

اس کا کہنا ہے کہ اگر اسلامی منابع میں بنیادی معلومات (اسماء ،تاریخ خلفاء اور سربراہ وغیرہ) کا مستقل منابع (جیسے سکّے، نوشتہ جات اور غیر اسلامی منابع) کی طرف رجوع کرکے تجزیہ کیا جائے تو اس صورت میں دو طرح کے یہ منابع ایک دوسرے کی باہمی تائید سے ہماری مدد کر سکتے ہیں۔

اسی طرح اس کا خیال ہے کہ اگر اسلامی معلومات میں پوشیدہ تمام معلومات کو بعد کے زمانے کی جعلی یا ''topoi'' کے نوشتہ جات کا اقتباس کہہ کر کم اہمیت دی جائے تو یہ انصاف نہیں ہوگا۔

کسی کے واضح ضمنی موارد جیسے کسی شخص کا سماجی مقام، کسی قبیلہ یا فرقہ کا تعلق، قبیلہ میں ازدواج، سماجی وسیاسی روابط سے بہتر انداز میں حقیقت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔جزئی دکھائی دینے والی معلومات جیسے کسی شخص کا مقام، کسی قبیلہ یا فرقہ کا تعلق، ازدواج کے اعتبار سے کسی شخص کے تعلقات اور سماجی وسیاسی

روابط حقیقت سے زیادہ نزدیک ہوتے ہیں اور مؤرخ کو ان معلومات کی طرف بھی توجہ دینی چاہئے اور اس کے بعد اسے دوسرے مراحل (جیسے قیام کرنے کے اسباب اور تاریخ کے بڑے واقعات کے بارے میں تاریخی رپورٹ) طے کرنے چاہئیں۔

اس نظریۂ کی رو سے ''کرون'' کی کتاب میں جو چیز قابل توجہ ہے وہ مشترکہ یکجہتی اور مفہومی باریک بینی ہے۔اس نقطۂ نظر کے نتائج (جنہیں اخذ کرنے میں کچھ دوسرے بھی حصہ دار ہیں یا پھر پیش پیش ہیں) میں سے ایک یہ ہے کہ یہ سادہ روایت اور واضح سیاسی واقعات سے دور ہوگئے اور مختلف اداروں اور سماجی و مذہبی تاریخ میں زیادہ دلچسپی دکھانے لگے۔

''م.ج. مورنی'' (M.G Morony) کی کتاب ایک دوسرا نمونہ ہے کہ جس میں اس نقطۂ نظر کی پیروی کی گئی ہے۔جدید اسلامی دنیا بالخصوص عربی دنیا میں اموی تاریخ بعض مواقع (مثل آئینہ) آج کے مذہبی اور سیاسی خدشات کی عکاسی کر سکتی ہے۔لیکن اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ اموی تاریخ کے بارے میں لکھی گئی تمام نئی عربی و اسلامی کتابیں آج کے مسائل کا حل پیش کر سکتی ہیں یا اگر کسی مصنّف کے مذہبی یا سیاسی نظریات جانتے ہوں تو اس کے بارے میں پہلے ہی سے یہ پیشنگوئی کر دیں کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔بلکہ اموی دور کی اہمیت مشرق وسطی کو اسلامی و عربی بنانے کے لحاظ سے ہے۔!

اس لحاظ سے یہ واضح ہے کہ عرب یا مسلمان جو آج کی جدید دنیا میں اپنی شناخت ڈھونڈ رہے ہیں؛ وہ اموی سلسلہ کی تاریخ میں بھی اپنی شناخت کی تلاش کر رہے ہیں اور خاص طور پر اسلام اور عربی قومیت کے درمیان کسی بھی طرح کی ممکنہ کشیدگی اموی تاریخ کے بارے میں نظریات پر اثرانداز ہو سکتی ہے۔

عربی قومیت کی نظر میں اموی سلسلہ کو پہلی عرب سلطنت قرار دیا جا سکتا ہے لیکن اسلامی روائی سنت میں عام طور سے امویوں کی شدت پسندانہ اور اسلام دشمنی پر مبنی تصویر پیش کی گئی ہے اور اگر شناخت کی تلاش میں اسلام کی طرف دیکھا جائے تو اس سے عربوں کو اپنے مسائل کا حل مل سکتا ہے۔

اگر شیعہ اپنے مخصوص شیعہ نظریات (یعنی تشیع کی روائی سنت سے اخذ کئے جانے والے نظریات) سے اموی تاریخ کا جائزہ لیں تو یہ ایک کلی کشیدگی اور شاید پوشیدہ و مخفی کشیدگی بھی ہے اور اگر شامی قومیت اور عام عربی قومیت کو حاشیہ میں رکھیں تو دونوں صورتوں میں ممکن ہے کہ یہ کشیدگی ظاہر ہو کر حقیقت کو زیادہ واضح

طور پر بیان کرسکے۔[1]

گلدزیہر اور دوسرے محققین کے نظریات کا تجزیہ و تحلیل

اس تحقیقی رپورٹ میں ''گلدزیہر'' نے احادیث نبوی کا انکار کیا ہے اور انہیں پیغمبر اکرم ﷺ کی رحلت کے ایک صدی یا اس سے بھی زیادہ مدت کے بعد کی اختراع قرار دیا ہے۔ وہ ایک یہودی کے طور پر جانا جاتا ہے جو رسول خدا ﷺ کی احادیث کو آپ کی رحلت کے بعد سیاسی جھڑپوں کا نتیجہ سمجھتا ہے۔

اس کے بعد ''ولہاوزن'' نے نہ صرف یہ کہ رسول خدا ﷺ کی احادیث کا انکار کیا بلکہ امویوں کی تعریف بھی کی اور اس کے بعد ''لامنز'' نے امویوں کی اور زیادہ تعریف و تمجید کی۔

جرمنی اور امریکہ میں بھی مصنّفین نے ''ولہاوزن'' کی اسی راہ و روش کو جاری رکھا اور وہ بھی بنی امیہ کی تعریف کرتے رہے۔

یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے؛ جس کا جواب بہت سے بنیادی مسائل کو حل کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتا ہے اور وہ سوال یہ ہے کہ یہودی اور ان کے طرفدار مصنّفین جیسے ''گلدزیہر'' اور ''ولہاوزن'' نے پیغمبر اکرم ﷺ کی احادیث کا انکار کیوں کیا؟ اور انہیں آنحضرت کی رحلت کے بعد کی اختراع کیوں قرار دیا؟!!

ہم اس سوال کے جواب میں کہتے ہیں: اگرچہ عمر نے مسلمانوں کے درمیان حدیث کے عام ہونے اور تدوین حدیث کو روکنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی لیکن اس کی ان سب کوششوں کے باوجود ابتدائے اسلام ہی سے کچھ مسلمانوں نے رسول اکرم ﷺ کے آثار یعنی احادیث کو لکھنے کی کوشش کی جس کی وجہ سے رسول اکرم ﷺ کی بہت سی احادیث امت میں باقی رہیں۔

فریقین کی کتابوں میں موجود پیغمبر اکرم ﷺ کی حدیثیں مذہبی اور اعتقادی پہلو کے علاوہ سیاسی اعتبار سے بھی بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہیں جیسے وہ روایات ؛ جن میں آنحضرت نے بنی امیہ کے بارے میں پیشنگوئیاں کی ہیں۔

ان پیشنگوئیوں (جو اس کتاب میں تفصیل سے ذکر کی جائیں گی) میں رسول خدا ﷺ نے مذہبی اور

---

[1]۔ امویان؛ نخستین ودمان حکومت گر در اسلام: ۱۴۶۔

عقیدتی پہلو کے علاوہ سیاسی اعتبار سے بھی عام لوگوں اور پوری ملت کو بنی امیہ کی سیاہ کاریوں اور ان کے کالے کرتوتوں سے آگاہ کیا ہے۔

چونکہ یہ پیشنگوئیاں تواتر کی حد تک ہیں اور علمائے اہلسنت نے بھی انہیں اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے لہٰذا بنی امیہ کے جرائم اور مجرمانہ رویہ میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ان کی بعثت سے پہلے کے زمانے میں رسول خداﷺ سے دشمنی اور اسی طرح آنحضرت کے بعد آپ کے دین اور آپ کے اہل بیت علیہم السلام سے دشمنی واضح وآشکار ہے۔

یہودی محققین بنی امیہ کے بے شرم خاندان کے دامن پر لگے ہوئے داغ دھونا چاہتے تھے لہٰذا ان کے پاس پیغمبر اکرمﷺ کے فرمودات اور ارشادات کا انکار کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا!

یہ واضح سی بات ہے کہ جو شخص مختلف پہلوؤں سے بنی امیہ کے تمام خاندان یا ان کے مخصوص افراد کے بارے میں ان پیشنگوئیوں کو جانتا ہو، وہ کبھی بھی امویوں کو دین کا طرفدار اور خدا کا خلیفہ نہیں سمجھ سکتا۔

یہودی اور ان کے طرفدار؛ چاہے وہ امریکہ میں ہوں یا جرمنی میں، یا اس راہ میں یہودیوں کی حمایت کرنے والے دوسرے ممالک میں رہتے ہوں،انہوں نے امویوں کے گمراہ کرنے والے عقائد (وہابیت آج کل انہ عقائد کی تبلیغ وترویج کر رہی ہے) کو زندہ کرنے کے لئے احادیث کا انکار کیا تاکہ وہ بنی امیہ کے گمراہ کرنے والے عقائد کی تبلیغ سے معاشرے میں وہابیوں کے پست عقائد کو عام کریں۔

بنی امیہ کی شکست اور امویوں کی حکومت کے زوال کے ساتھ ہی ان کا اقتدار بھی ختم ہو گیا اور آہستہ آہستہ ان کی ظالم حکومت کا نام ونشان مٹ گیا۔ یہودی مسلمان ممالک میں امویوں کی نئی حکومت کی تشکیل سے ناامید ہو چکے تھے لہٰذا انہوں نے ایک اور چال چلی اور مسلمانوں میں امویوں کے عقائد وافکار کو زندہ کرنے کا فیصلہ کیا اور اپنے دیرینہ حربے کو بروئے کار لاتے ہوئے انہوں نے امت اسلامی میں اختلافات کی آگ بھڑکائی، اور امت میں رسول خداﷺ اور خاندان وحی علیہم السلام کی دشمنی پر مبنی امویوں کے عقائد وافکار عام کئے۔

تاریخ سے آشنا اور تاریخ کو انصاف کی نظر سے دیکھنے کی کوشش کرنے والے افراد جانتے ہیں کہ بعثت سے پہلے ہی بنی امیہ کی بنی ہاشم سے دیرینہ دشمنی تھی جسے انہوں نے اسلام کے بعد بھی منافقانہ انداز سے مخفیانہ طور پر باقی رکھا، اگرچہ کئی بار اس سے پردہ اٹھا جس سے ان کی حقیقت آشکار ہو گئی۔

ایسے محققین کو باآسانی پتہ چل جاتا ہے کہ وہابیوں نے ہی امویوں کی راہ وروش کو زندہ کیا ہے اور یہی مذہب کے خلاف ان کے عقائد وافکار کی ترویج کر رہے ہیں۔

خدا سے دشمنی، خدا کے رسول ﷺ اور آل رسول علیہم السلام سے دشمنی، قبروں کو برباد کرنا، رسول خدا ﷺ کے آثار کو ختم کرنا، اسلام کی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنا، یہودیوں اور عیسائیوں سے روابط برقرار کرنا، خانہ کعبہ سے دشمنی اور کعبہ کے مقابلہ میں بیت المقدس کو محترم شمار کرنا امویوں کی اہم سازشوں اور ہتھکنڈوں میں سے ہیں اور اب وہابیت ان گمراہ کن عقائد و افکار کی ترویج کر رہی ہے اور انہی کے نقش قدم پر چل رہی ہے۔

امویوں نے کس طرح یہودیوں کے مطالبات کو پورا کیا؟ یہ سب جاننے کے لئے ہم بنی امیہ کے وحشی اور خونخوار حاکموں میں سے حجاج بن یوسف کے افکار و کردار کا مختصر حصہ اور اسی طرح عبد الملک کے افکار کا کچھ حصہ بیان کرتے ہیں تاکہ آپ یہ جان لیں کہ امویوں نے کس طرح یہودیوں کے مطالبات کو پورا کیا۔

حجاج؛ یہودیوں کے افکار کی نشر و اشاعت کرنے والا

کتاب ''تاریخ تحلیلی اسلام'' میں لکھتے ہیں:

جتنے سال حجّاج کی حکومت زیادہ ہوتی گئی، اسلام اور دین کے خلاف اس کی سرکشی اور گستاخی بھی اتنی ہی زیادہ بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ اس نے اپنے ایک خطبہ میں پیغمبر اکرم ﷺ کی قبر مطہر کی زیارت کرنے والوں کے بارے میں کہا: ان لوگوں کو موت آئے! کیوں یہ لوگ مٹی کے ڈھیر اور لکڑی کے گرد چکر لگا رہے ہیں؟! یہ امیر المؤمنین عبد الملک!! کے دربار کا طواف کیوں نہیں کرتے؟ کیا انہیں معلوم نہیں ہے کہ ہر شخص کا خلیفہ اس کے رسول سے بہتر ہے![1]

چونکہ دوسرے حاکم خلیفہ کی نظر میں اس کی حرمت کو جانتے تھے لہٰذا وہ اس کی چاپلوسی کرتے اور اس کا تقرّب حاصل کرنا چاہتے تھے!

حجّاج نے نئے سرے سے پورے عراق اور مشرقی علاقوں میں اپنی دہشت گرد حکومت کا آغاز کیا۔ اس نے کوفہ کے بہت سے بزرگ اور نیک افراد کو بے گناہ قتل کیا۔ حجاج وہی شخص تھا جس نے خوارج کی بغاوت اور فسادات کی آگ کو بجھایا۔ اس نے دلوں میں اتنا خوف پیدا کر دیا تھا کہ اس نے نہ صرف عراق بلکہ پورے

---

[1]۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج۱۵ص ۲۴۲، عقد الفرید: ج۵ص ۲۸۴، مروج الذہب: ۴۴۲۔

خوزستان اور مشرق پر بھی باآسانی قبضہ کر لیا تھا۔

اگرچہ حجّاج اپنے ماتحت افراد پر بہت سختی کرتا تھا لیکن حاکموں کے سامنے بہت خشوع و خضوع اور چاپلوسی سے پیش آتا تھا۔ جیسا کہ اس نے عبدالملک کو خط لکھا: میں نے سنا ہے کہ امیر المؤمنین ! ! کو محفل میں چھینک آئی اور وہاں موجود لوگوں نے ''یَرْحَمُکَ اللّٰہ'' کہا ہے، ''فَیَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَھُمْ فَأَفُوْزَ فَوْزاً عَظِیْماً'' ![1]

وہ پیغمبر اکرم ﷺ سے زیادہ عبدالملک کے مقام و مرتبہ کا قائل تھا اور کہتا: لوگو! کیا تمہاری طرف بھیجا گیا رسول زیادہ عزیز ہے یا تمہارا خلیفہ؟ پیغمبر ، خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہے اور عبدالملک اس کا خلیفہ ہے۔[2]، [3]

عبدالملک بھی لوگوں کو خانۂ خدا کے طواف سے روکنے کی کوشش کرتا تھا اور لوگوں کے سامنے مکہ و مدینہ کی بجائے شام کو حرم خدا کے طور پر متعارف کرواتا تھا۔

یعقوبی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے:

جب اسے رومیوں اور ابن زبیر کی طرف سے دھمکیاں ملیں تو اس نے پہلی بار رومیوں کے ساتھ چارہ سازی کے بارے میں سوچا اور سلطنت روم کے ساتھ معاہدہ کیا اور بہت زیادہ ٹیکس دینے کی ذمہ داری لی۔ چونکہ اسے بیرونی دشمنوں سے راحت مل چکی تھی لہٰذا وہ ابن زبیر کو کچلنے کے لئے تیار ہو گیا۔ حجاز سے مقابلہ کے لئے اس نے فوجی اور سیاسی دونوں حربے استعمال کئے۔

اس نے سب سے پہلے اس کے لئے حج کو ممنوع قرار دے دیا تاکہ کہیں شام کے حاجی ابن زبیر کی تبلیغات سے متاثر ہو کر شام میں اس کی دعوت کو نہ پھیلائیں۔

یعقوبی لکھتے ہیں: لوگوں نے شکایت کی کہ کیوں ہمیں واجب حج سے روک رہے ہو؟

عبدالملک نے کہا: پیغمبر سے ابن شہاب زہری نے روایت کی ہے کہ تین مساجد کی زیارت کے لئے جانا چاہئے: مسجد الحرام، میری مسجد (مسجد نبوی) اور مسجد بیت المقدّس۔ آج تمہارے لئے بیت المقدّس کا احترام مسجد الحرام کے برابر ہے ! !

اسی ابن شہاب نے یہ کہا تھا: جس پتھر پر یہودی قربانی کرتے ہیں یہ وہی پتھر ہے جس پر پیغمبر ﷺ نے

---

[1]۔ ابن عبد ربہ: ج۵ ص۲۸۶.

[2]۔ ابن عبد ربہ: ج۵ ص۲۸۶.

[3]۔ تاریخ تحلیلی اسلام: ۲۰۵.

شب معراج قدم رکھا تھا!

عبدالملک کے حکم پر اس پتھر پر ایک گنبد بنایا گیا جس پر ریشم کے پردے آویزاں کئے گئے ،اس کے لئے خادم معین کئے گئے اور لوگوں کو اس کا طواف کرنے پر مجبور کیا گیا۔ بنی امیہ کے پورے دورۂ حکومت میں یہ رسم جاری رہی۔[۱]

عبدالملک یہ چاہتا تھا کہ مکہ و مدینہ کی رونق کو ختم کرکے مسلمانوں کی نظر میں شام کو حرم خدا کے طور پر پیش کرے۔ کچھ حکمرانوں نے بھی اس کے اس عمل کی تقلید کی ہے۔[۲]

اب اس واقع پر بھی توجہ کریں:

جب عبدالملک کے بیٹے سلیمان نے رسول خداﷺ کے آثار میں سے ایک اثر کو نابود کیا تو عبدالملک نے اسے بہت سراہا۔کتاب ''مقالات تاریخی ''میں لکھتے ہیں:

سلیمان بن عبدالملک ولی عہدی کے زمانے میں مدینہ آیا اور اس نے ابان بن عثمان بن عفّان سے سنا کہ اس نے ایک سیرت تحریر کی ہے۔[۳] اور جب اس کے سامنے وہ سیرت پڑھی گئی تو اس نے دیکھا کہ اس میں

---

[۱] ۔تاریخ یعقوبی: ج۳ص۸.

[۲]۔تاریخ تحلیلی اسلام: ۲۰۲.

[۳]۔ سیرت کو لکھنے والا ابان بن عثمان بن عفان تھا یا کوئی دوسرا شخص؟اس کے لئے اس نکتہ کی طرف توجہ کریں:

دوسری صدی ہجری میں سیرت لکھنے والوں میں سے ایک ''ابان بن عثمان بَجَلی'' ہے اور اکثر و بیشتر حوالوں میں اسے ''ابان بن عثمان الأحمر البجلی'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ صرف یاقوت حموی نے ''ابان بن عثمان بن یحییٰ بن زکریا اللؤلؤی'' کے نام سے ان کا تعارف کروایا ہے۔اس کی یہ وجہ ہے کہ یاقوت نے حوالوں یعنی ''الفہرست (شیخ طوسی)'' سے استفادہ کرنے میں دو زندگی ناموں کو آپس میں ملا دیا ہے۔

شیعہ منابع میں جو کچھ ذکر ہوا ہے ،وہ یہ ہے کہ وہ بجیلہ نامی قبیلہ کے موالیوں میں سے تھا۔یہ معلوم ہے کہ ''موالی'' ہونے سے عجمی ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ اسلام سے پہلے اور شاید بعد میں بھی خود عربوں میں عقد ولاء موجود تھا۔اس کی مثال رسول اکرمﷺ کی نسبت سے زید بن حارثہ کا ولاء یا بنی مخزوم کی نسبت سے عمار بن یاسر کا ولاء ہے۔اس صورت میں ابان کے عجمی ہونے کا قوی احتمال ہے۔بجیلہ قبیلہ کو ایک قحطانی قبیلہ سمجھا گیا ہے۔یہ قبیلہ بھی حجاز یا یمن کے بہت سے دوسرے قبائل کی طرح فتوحات کے آغاز میں عراق کوچ کر گیا اور یہ قادسیہ میں موجود تھا۔اس جنگ میں کچھ ایرانیوں نے خود کو عربوں سے ملحق کیا اور ان کی ولاء کو قبول کیا۔ ان میں سے کافی لوگ قید کر لئے گئے اور پھر آہستہ آہستہ آزاد ہونے کے بعد موالی کے عنوان سے عربی قبائل سے ملحق ہو گئے۔ قبیلۂ بجیلہ جنگ صفین میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے ساتھ تھا حتی انہوں نے مختار کے مخالفین کے خلاف مختار کا بھی دفاع کیا ہے۔(معجم قبائل العرب: ۶۵۱-۶۳)

اس لحاظ سے اس قبیلہ میں تشیع کے آثار تلاش کرنے چاہئیں۔

احمر کے علاوہ ان کے لئے محمد بن سلام (جو ان کے شاگردوں میں سے تھا) نے ایک اور لقب بھی ذکر کیا ہے اور وہ ''الأعرج'' ہے۔انہوں نے کچھ موارد میں انہیں ''أبان الأعرج'' کے نام سے بھی یاد کیا ہے۔(نکتہ: طبقات فحول الشعراء: ج۲ص۴۸۲) طبقات الشعراء میں أبان سے ان کی مکرّر ذکر ہونے والی متعدد روایات پر غور کریں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مراد ہمارا مورد نظر أبان ہی ہے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ اعرج ،احمر سے تصحیف ہوا ہو۔

انصار کے قبلۂ اوّل و دوّم اور جنگ بدر میں حاضر ہونے والوں کا تذکرہ ہے۔

سلیمان نے کہا: ''ما کنت أری لهولاء القوم هذا الفضل'' میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ اس قبیلہ میں بھی کوئی فضیلت ہے۔

اس کے بعد اس نے حکم دیا اور اس سیرت کو جلا دیا گیا۔ جب وہ واپس دمشق پہنچا تو اس کے باپ نے اس کام کی وجہ سے اس کی تعریف کی اور کہا: ''ما حاجتک أن تقدم بکتاب لیس لنا فیه فضل''[1]

عبد الملک کے مطابق جس کتاب میں بنی امیہ کی فضیلت بیان نہ ہوئی ہو، اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے اگرچہ وہ رسول خداﷺ کے فرمودات کا مجموعہ ہی کیوں نہ ہوں۔

اس نکتہ پر غور کرنا ضروری ہے کہ ''اَبان بن عثمان الأحمر'' کے علاوہ ''أبان بن عثمان بن عفّان'' کے نام سے کوئی دوسرا شخص بھی موجود تھا کہ جو عثمان کا بیٹا تھا اور اس کے علاوہ اس کے پاس کئی سال مدینہ کی حکومت بھی تھی اور جس کے بارے میں یہ دعوی بھی کیا گیا ہے کہ سیرۂ نبوی کی روایات لکھنے میں بھی اس کا بڑا ہاتھ تھا۔

نام میں تشابہ کی وجہ سے بعض لوگ غلطی سے عثمان بن عفان کے بیٹے کو ''اَبان'' کی بجائے امامی مذہب قرار دیتے ہیں۔ ان میں سے ''فؤاد سزگین'' نے زمانۂ اوّل کے سیرت نگاروں میں ابان بن عثمان بن عفان کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ ''تاریخ یعقوبی'' میں اس سے کچھ منقولات بھی ذکر ہوئے ہیں۔ (تاریخ التراث العربی، التدوین التاریخی: ۷۰)

حالانکہ تاریخ یعقوبی میں جس شخص سے منقولات ذکر ہوئے ہیں، وہ ابان بن عثمان الأحمر ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ خود یعقوبی نے یہ وضاحت کی ہے کہ یہ (ابان) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی روایات کا راوی ہے۔

نیز یہ بھی ایک فطری امر ہے کہ عثمان کے بیٹے (جس نے جنگ جمل میں عائشہ کے ساتھ مل کر جنگ کی) کی عمر اتنی زیادہ نہیں تھی کہ وہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی روایات کا راوی ہو۔ اس کے علاوہ شیعہ حدیث کے منابع پر مختصر سی نظر ڈالنے اور ابان کی احادیث سے تھوڑی بہت آشنائی رکھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس میں دو ناموں کو آپس میں غلطی سے مخلوط کر دیا گیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ کوفی تھے کیونکہ قبیلۂ بجیلہ کوفہ میں تھا۔

نجاشی ''أصله کوف'' کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''کان یسکنها تارة و البصرة تارة''۔ اسی وجہ سے بہت سے بصری جیسے ابو عبیدہ، معمر بن مثنی اور محمد بن سلام بصرہ میں ان کے شاگردوں میں سے تھے۔ (رجال النجاش: ۱۳ رقم ۸)

قابل ذکر ہے کہ ''کشی'' میں نقل ہونے والی عبارت میں وارد ہوا ہے: ''وکان أبان من اهل البصرة'' (رجال الکشی: ۳۵۲ رقم ۶۶۰)

یہ جان لیں کہ اَبان اصحاب اجماع میں سے تھے؛ ''أجمعت العصابة علی تصحیح ما یصحّ عنهم'' یعنی جن سے انتساب دینا صحیح ہو اس میں کوئی شک نہیں کرنا چاہئے۔ یہ علمی وثاقت کے لحاظ سے ابان بن عثمان کے بلند مرتبہ ہونے کی واضح دلیل ہے۔ وہ فقہ میں بے شمار ابواب کی روایات کے راوی ہیں، جو کتب اربعہ اور دوسرے فقہی آثار میں روایت ہوئی ہیں۔ علامہ تستری نے ''قاموس الرجال'' میں ہمارے لئے ان سے ایک فہرست ذکر کی ہیں۔ کتاب ''الفروع کافی'' میں ابان بن عثمان سے نقل ہونے والے موارد دوسرے محققین نے فراہم کئے ہیں۔ (الشیخ الکلینی و کتابہ الکافی: ۲۶۳-۲۹۹)۔ منابع تاریخ اسلام: ۶۳۔

[1]۔ مقالات تاریخی: ۲۶۳.

کتاب ''امویاں'' میں لکھتے ہیں: طاقت کے زور پر انہوں نے ایسی سیاست اختیار کی تھی کہ بہترین ممکن شکل میں بھی انہوں نے اسلام کے تقاضوں کا ذرّہ برابر خیال نہیں کیا اور بدترین ممکن شکل میں قطعی طور پر اسلام کے خلاف کھڑے ہو گئے۔ان کے سنگین ترین جرائم میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے خلافت کو اپنے خاندان کے لئے موروثی بنالیا۔

انہوں نے اسلام کے بہت سے پیروکاروں پر ظلم و ستم کئے حتی ان میں سے کئی افراد ،خاندان پیغمبر ﷺ اور خاص طور پر آنحضرت کے نواسے حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا۔انہوں نے شہر مکہ و مدینہ پر حملہ کیااور یہاں تک کہ انہوں نے دو بار مکہ کو اپنے تیروں سے نشانہ بنایا۔

روایات ہمارے لئے بنی امیہ کی یہ بھیانک تصویر بخوبی آشکار کرتی ہیں۔یہاں تک کہ امویوں نے دوسروں کو اسلام کی طرف مائل ہونے سے بھی روکا تاکہ وہ تازہ مسلمانوں ہونے والوں کو دیئے جانے والے حقوق پر بھی خود ہی قابض رہیں اور طاقت کے زور پر زبردستی حکومت کرتے رہیں۔

اس دور میں ایسے ادبی آثار لکھے گئے ہیں جن میں بنی امیہ کے جرائم اور ظلم و ستم کو بیان کیا گیا ہے ، ان کے حریفوں اور دشمنوں کی منظوم ستائش کی گئی ہے اور خدا کو گواہ قرار دیا ہے کہ اسلامی معاشرہ کیوں خدا سے بے خبر ان ظالموں کے ہاتھوں گرفتار رہا۔ان آثار میں سب سے آشنا نام جاحظ کی لکھی ہوئی کتاب ہے جو نویں صدی عیسوی میں لکھی گئی اور مقریزی کی کتاب جو پانچویں صدی عیسوی میں لکھی گئی۔[1]

یہودیوں کی قوم پرستی

کتاب ''اسرائیلیات و تأثیر آن بر داستان ھای انبیاء در تفاسیر'' میں لکھتے ہیں:

''بریٹانیکاانسائیکلوپیڈیا'' میں ذکر ہوا ہے: خود کو برگزیدہ امت سمجھنے کے لئے یہودی اپنے عقائد کے اصل عامل کوکتاب تلمود سے نسبت دیتے ہیں اور اس پر شدت سے زور دیتے ہیں ، اور خود کو ہی محترم اور زندہ قوم سمجھتے ہیں۔[2]

---

[1] ۔امویان؛ نخستین ودمان حکومت گر در اسلام: ۲۷.

[2] ۔نقد و نگرشی بر تلمود سے اقتباس: ۱۳۳.

جاہل عربوں میں یہودیت کے نہ پھیلنے کے بارے میں محمد جواد مغنیہ لکھتے ہیں:

یہودی اس بات پر تیار نہیں تھے کہ ان کے آئین دوسری اقوام و ملل میں پھیلیں کیونکہ ان کے عقیدے کے مطابق ایسا کرنے سے وہ دوسرے تمام انسانوں کی سطح پر آ جائیں گے اس لئے وہ ایسا کرنے پر تیار نہ ہوئے۔ کیونکہ وہ معتقد تھے کہ خدا نے انہیں پوری کائنات پر برتری دی ہے اور انہیں برگزیدہ قوم اور دوسری تمام اقوام کو ان کا غلام قرار دیا ہے۔اسی وجہ سے یہودی اپنے علاوہ دوسرے افراد کو "جویم" یعنی انسان کی شکل میں حیوان کہتے ہیں۔[۲،۳]

یہودی قوم پرستی اور بنی اسرائیل کو دنیا کی تمام اقوام سے افضل سمجھنے میں مشہور ہیں۔

انہوں نے اپنے عقیدہ پر اس قدر اصرار کیا کہ ان کا کہنا ہے: بنی اسرائیل کے علاوہ کسی میں یہودی ہونے کی صلاحیت نہیں ہے! اور صرف بنی اسرائیل ہی دین یہود کے معتقد ہو سکتے ہیں۔

اسی بناء پر دوسرے ادیان و مذاہب کے پیروکاروں میں سے کسی ایک نے بھی یہودی مذہب کا رخ نہ کیا لیکن کبھی یہودی دوسرے مذاہب کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔یہودیوں کے اس عقیدے (یعنی بنی اسرائیل سب سے افضل قوم ہیں اور دین یہود صرف انہی سے مخصوص ہے) کی وجہ سے دنیا کے لوگ ان کی مذہبی تبلیغات کے شرّ اور دوسرے مذاہب سے وابستہ افراد ان کے تحریف شدہ مذہب کی طرف مائل ہونے سے محفوظ رہے۔

یہودی یہ سوچتے ہیں کہ وہ پوری دنیا پر حاکم ہو کر اپنے مخالفین کو ختم کر دیں گے کیونکہ ساری زمین انہی کی ہے ،اور صرف اسی وقت اہل دنیا یا تو یہودی مذہب اختیار کر سکیں گے یا پھر تمام کے تمام مار دیئے جائیں گے۔

وہ کہتے ہیں: جب ہماری شہنشاہی حکومت کا آغاز ہو گا تو ہمارے دین کے علاوہ تمام ادیان ختم ہونے چاہئیں،

---

[۱]۔ تلمود کی تصریح کے مطابق: خدا کے نزدیک اسرائیلیوں کا ملائکہ سے زیادہ مقام ہے اور ان کے خلاف جنگ شوکت الٰہی کے خلاف جنگ ہو گی کیونکہ ہر یہودی خدا کا ایک مادی جزء ہے جس طرح بیٹا باپ کا جزء ہوتا ہے۔یہودی اور غیر یہودی میں اتنا ہی فرق ہے جتنا انسان اور حیوان میں فرق ہے۔(تلمود، سنہدرین: ۵۸۲،الکنز المرصود فی قواعد التلمود سے اقتباس: ۶۰، نیز ملاحظہ کریں: الأسفار المقدسۃ قبل الاسلام: ۱۶۵ اور ۱۶۶،الکتاب المقدّس فی المیزان: ۲۳، مقارنۃ الادیان (الیہود): ۲۷۲ تا ۲۷۴،العرب والیہود فی التاریخ: ۱۷۴)

[۲]۔ اسرائیلیات القرآن: ۱۶ اور ۱۷.

[۳]۔ اسرائیلیات وتأثیر آن بر داستان ہای انبیاء در تفاسیر قرآن: ۳۷.

اور ہمارا دین ہی خدائے واحد پر اعتقاد رکھتا ہے۔ بیشک ہماری قوم کی تقدیر بر گزیدہ قوم کے عنوان سے خدا کے وجود سے بندھی ہوئی ہے اور اسی نے دنیا والوں کے مقدر کو ہماری تقدیر سے وابستہ کر رکھا ہے۔ لہٰذا ہر قسم کے عقیدے کی جڑیں اکھاڑ دی جائیں حتی اگر اس کام کا انجام خدا کے وجود کا انکار ہی کیوں نہ ہو کہ جس کے آج ہم شاہد ہیں۔

یہ کام نہ صرف حکومت کے انتقال کے زمانہ میں مفید ہے بلکہ ایسے جوانوں کے لئے بھی مفید ہے جو آئندہ مذہب موسیٰ کی تبلیغات کو سنیں گے۔ ایسا دین جس کے احکامات پائیدار اور ترقی یافتہ ہیں اور جو تمام دنیا والوں کو ہماری اطاعت پر مجبور کرتے ہیں۔

ان کا کہنا ہے کہ ہم اپنی تبلیغات ، تعلیم ، دین کے اسرار آمیز اور اعجاز آمیز پہلوؤں پر زور دیتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر مضامین و مقالات بھی شائع کرتے ہیں، ہم اپنی خدائی حکومت کا گذشتہ حکومتوں سے تقابل کرتے ہیں اور غیر یہودی حکومتوں کی غلطیوں کو بہت واضح طور پر بیان کرتے ہیں اور کچھ حکّام کی سفّاکانہ وظالمانہ حرکات بھی ذکر کرتے ہیں، جنہوں نے انسانوں پر تشدد کیا اور انسانیت کو پامال کیا اور اس سے انسانوں کی نفرت کو بھڑکاتے ہیں جس سے انسان غلامی کے دور کی آسائش و سہولت کو غلامی کے بعد کے زمانے کی سہولیات پر ترجیح دیتا ہے۔

ہمارے ذریعے غیر یہودی حکومتوں میں رونما ہونے والی بے فائدہ تبدیلیوں سے ان کی حکومتوں کا اعتبار کم ہو جاتا ہے اور لوگ اپنی حکومتوں کی غیر یقینی صورت حال سے تھک کر ہمارے دور حکومت میں ہر طرح کی خفّت و ذلت برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور ہمارے تسلط سے نکل کر ماضی کی مصیبتوں کو پھر سے برداشت کرنے کے لئے رضامند نہیں ہوتے۔

اسی دوران ہم غیر یہودی حکمرانوں کی لاعلمی اور مسائل کو صحیح طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے سرزد ہونے والی تاریخی غلطیوں پر بھی بہت زور دیتے ہیں اور ان حکمرانوں کے ہاتھوں انسان کو پیش آنے والی مشکلات اور مصیبتیں یاد دلاتے ہیں۔

ہمارا بریقہ کار اور ہمارے اصول اس حقیقت پر مبنی ہیں کہ ہم جو کچھ پیش کریں اور جو تفسیر کریں؛ وہ سب بہترین اور عیب و نقص سے پاک ہے لیکن جو کچھ ماضی میں موجود تھا وہ سب بیہودہ اور بیکار تھا۔

ہمارے فلاسفہ دوسرے عقائد و مذاہب کے بارے میں بحث کرتے ہیں اور ان کا تجزیہ و تحلیل کرتے ہیں لیکن کسی اور کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ہمارے مذہب کے حقیقی عقائد کا تجزیہ و تحلیل کرے۔ کیونکہ

ہمارے علاوہ کسی اور کو ہمارے دین کے امور نہیں سمجھنے چاہئیں، اور تو اور ہماری اپنی قوم کے افراد کو بھی یہ حق نہیں ہے کہ وہ ہمارے دین کے اسرار کو برملا کریں۔

ترقی و پیشرفت اور روشن فکری کے نام سے مشہور صدیوں میں ہم نے پست، بیہودہ اور ذلت آمیز ادبیات کو رواج دیا اور ہمیں قدرت و طاقت مل جانے کے بعد بھی ہم یہی چاہیں گے کہ ہماری زندگی میں ادبیات کا یہ طریقۂ کار اسی طرح چلتا رہے۔[1]

امویوں کی قوم پرستی

یہودیوں کی طرح بنی امیہ بھی خود کو دنیا کی سب سے افضل قوم سمجھتے تھے؛ حالانکہ ان کی کچھ عورتوں کے گھروں کی چھتوں پر آزادی کے پرچم نصب تھے اور بہت سے مرد ان کی عورتوں کے ساتھ مباشرت کرتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ خود کو دنیا کی سب سے افضل قوم سمجھتے تھے!! وہ خود کو تمام قریش حتی کہ بنی ہاشم سے بھی افضل سمجھتے تھے اور عربوں کے علاوہ دوسری تمام اقوام کو حیوان سمجھتے تھے؛ چاہئے وہ ایرانی ہوں جنہوں نے اسلام قبول کیا ہو یا اسلام قبول نہ کیا ہو۔

بنی امیہ عربوں کو عجمیوں سے برتر سمجھتے تھے اور عرب، غیر عرب کو علوج (یعنی موٹی گائے یا موٹا انسان اور سرخ و سفید) کہتے تھے، بلکہ جریر کہتا ہے:

قالوا نَبیعکه بیعاً فقلت لهم بیعوا الموالی واستغنوا عن العرب

انہوں نے کہا ہے: تمہیں ان کے پاس فروخت کر دیتے ہیں، میں نے کہا: غیر عربوں کو فروخت کرو اور عربوں کو فروخت کرنے سے بے نیاز ہو جاؤ۔

مبرّد کہتا ہے: غیر عربوں کو جس چیز نے زیادہ پریشان کیا ہے وہ یہی شعر ہے کیونکہ اس میں انہیں خوار اور پست قرار دیا گیا ہے۔

ایک غیر عرب نے عربوں میں سے قبیلۂ بنی سلیم کی عورت سے شادی کی۔ ایک محتسب نے عبدالملک مروان کے داماد اور مدینہ کے حاکم ابراہیم بن ہشام سے شکایت کر دی۔ حاکم نے ان دونوں کو ایک دوسرے

---

[1]۔ پروتکل های رہبران یہود برای تسخیر جہان: ۹۷.

سے جدا کر دیا اور شوہر کو سزا دی کیونکہ اس سے بہت بڑا گناہ سرزد ہوا تھا! اس کی سزا یہ تھی کہ اسے دوسو کوڑے مارے گئے اور اس کی ڈاڑھی مونچھ منڈوادی گئی۔

اس حاکم کے بارے میں کہا گیا ہے:

قضیت بسنّة وحکمت عدلاً و لم ترث الحکومة من بعید

تم نے سنت کے مطابق فیصلہ کیا اور عادلانہ حکم جاری کیا اور تم نے حکومت کسی بیگانے سے ارث میں نہیں لی۔

اب اس بہترین اور پڑھنے کے قابل واقعہ کی طرف توجہ کریں:

دوسری صدی ہجری کے آغاز میں ہشام نے اپنے ایک درباری سے ملک کے مختلف شہروں کے فقہاء کے بارے میں پوچھا اور کہا کہ مدینہ کا فقیہ کون ہے؟

اس نے کہا: عمر کا آزاد کردہ غلام مدینہ کا فقیہ ہے۔

پوچھا: مکہ کا فقیہ کون ہے؟ کہا: عطاء بن ابی ریاح۔

پوچھا: کیا وہ عرب ہے یا غیر عرب؟ کہا: غیر عرب۔

پوچھا: یمن کا فقیہ کون ہے؟ کہا: طاووس بن کیسان۔

پوچھا: کیا وہ عرب ہے یا غیر عرب؟ کہا: غیر عرب۔

پوچھا: یمامہ کا فقیہ کون ہے؟ کہا: یحیٰی بن کثیر۔

پوچھا: کیا وہ عرب ہے یا غیر عرب؟ کہا: غیر عرب۔

پوچھا: شام کا فقیہ کون ہے؟ کہا: مکحول۔

پوچھا: کیا وہ عرب ہے یا غیر عرب؟ کہا: غیر عرب۔

پوچھا: جزیرہ کا فقیہ کون ہے؟ کہا: میمون بن مہران۔

پوچھا: کیا وہ عرب ہے یا غیر عرب؟ کہا: غیر عرب۔

پوچھا: جزیرہ کا فقیہ کون ہے؟ کہا: ضحاک بن مزاحم۔

پوچھا: کیا وہ عرب ہے یا غیر عرب؟ کہا: غیر عرب۔

پوچھا: بصرہ کا فقیہ کون ہے؟ کہا: حسن اور ابن سیرین۔

پوچھا: کیا وہ عرب ہیں یا غیر عرب؟ کہا: غیر عرب۔

پوچھا: کوفہ کا فقیہ کون ہے؟ کہا: ابراہیم نخعی۔

پوچھا: کیا وہ عرب ہے یا غیر عرب؟ کہا: عرب۔

ہشام نے کہا: میری جان پہ بنی ہوئی تھی، تم نے ایک بار بھی نہیں کہا کہ عرب ہے۔[1]

اس واقعہ کی بناء پر عرب، غیر عربوں کو "علوج" کے نام سے پکارتے تھے اور یہودی بھی غیر یہود کو "جویم" یعنی انسان کی شکل میں حیوان کہتے تھے۔

کتاب "حکومت امویان" میں لکھتے ہیں: اموی حاکموں کی محفلوں میں عرب پرستی واضح طور پر نظر آتی تھی۔ اموی عربوں کی طرف مائل تھے اور انہیں برتری دیتے تھے جس کے اثرات سیاسی، اقتصای اور سماجی تینوں لحاظ سے رونما ہوتے تھے۔ لیکن سیاسی صورت کے بارے میں یہ کہنا ضروری ہے کہ بہت سے عجم مذہبی، سماجی یا مادّی وجوہات کی وجہ سے اسلام کی طرف مائل ہوئے لیکن ان کے ساتھ اسلامی اصولوں (جیسے عرب اور عجم کا برابر ہونا) کے مطابق سلوک نہ کیا گیا جس کی وجہ سے وہ اہم حکومتی[2] عہدوں اور دوسری سہولیات سے محروم رہے کہ جس کے وہ اہل تھے جیسے فوج میں آنا، اور وہ لوگ مسلمان ہونے کے باوجود وہ لوگ جزیہ دینے پر مجبور تھے۔

یہ واضح سی بات ہے کہ اس سیاسی تفرقہ کی وجہ اموی عربی نسل پرستی میں دلچسپی رکھتے تھے اور ان کے اس رویے نے ان میں تشدد اور جنگ طلبی کا مزاج پیدا کر دیا تھا۔ ایسا لگتا ہے کہ کوئی چیز بھی امویوں کی اس دلچسپی کو نہیں روک سکتی تھی کیونکہ حقیقت میں وہ قریشی اور اس سے بھی وسیع طور پر دیکھیں تو وہ قیسی تھے۔ اسلام کی فتوحات اور بہت سے غیر عربوں کی اسلام کی طرف آنے سے پیدا ہونے والی نئی تبدیلی سے انہوں نے اپنی غیر استعمال شدہ مقامی اور قبائلی نوعیت کو محفوظ رکھا۔

انہوں نے اسلام کے عقائد اور اسلامی علاقوں کی تاریخ میں بنیادی فتوحات سے وجود میں آنے والی تبدیلیوں کو درک نہیں کیا تھا۔ اموی حکومت کے دور میں اس طریقۂ کار سے موالی تحریک کے دلوں میں عربی حکام کے خلاف نفرت و کینہ پایا جاتا تھا جس کے نتیجہ میں جدید تفرقہ وجود میں آیا جن کی بنیاد قومی مسائل تھے۔

---

[1] ۔ پیشوای علم و معرفت: ۴۳۰۔

[2] ۔ حکومت کو ملازمین کی ضرورت تھی لیکن حکمران اپنے کسی بھی من پسند شخص کو کوئی سا بھی عوامی عہدہ بالخصوص خزانہ کے امور کی ذمہ داری سونپ دیتا تھا۔

انہوں نے ایک سیاسی دباؤ کے لئے ایک لشکر بنایا جس کا اموی خلافت کے زوال میں بھی ہاتھ تھا کیونکہ یہ گروہ ایسا تھا جو کام تو بہت زیادہ کرتا تھا لیکن اجرت بہت کم پاتے تھے اور وہ حکومت اور معاشرے میں سخت ذمہ داری کی وجہ سے خود کو عربوں سے برابری کی بناء پر خود کو ان کا ہم نوالہ ہونے کے لائق سمجھتے تھے۔

اموی دور کے آغاز میں (جب مشرق اور بالخصوص ایران میں اسلامی تحریک اپنے قدم آگے بڑھا رہی تھی) سنہ ۴۳ ہجری (سنہ ۶۶۳ء) میں کوفہ میں سب سے پہلی اسلامی تحریک کا آغاز کیا۔ معاویہ نے اس تحریک کا مقابلہ کیا اور ان میں سے کچھ کو کوچ کروا کر شام میں بھیج دیا۔

دور یزید کے بعد یہ موالی تحریک واضح و شفاف ہو گئی کیونکہ فتح کی گئی سرزمینوں میں مسلمانوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا اور نئے مسلمانوں نے دیکھا کہ عربوں اور خاص کر ان کے حکمرانوں کے امتیازات میں اضافہ ہو رہا ہے۔ لہٰذا انہوں نے ایک لشکر بنایا جس کا اس دور کے اسلامی معاشرے میں مقام تھا۔

موالیوں نے اموی حکومت کے خلاف اس تحریک سے الگ پالیسی اپنائی اور یہ اپنے جن حقوق سے محروم تھے، ان کی دستیابی کے لئے انہوں نے اموی حکومت میں ابن زبیر کی تحریک کی حمایت کی۔ ان کی فوج مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کی تحریک کی بدولت آشکار ہوئی اور تحریک شیعوں اور ایرانی عوام میں اتحاد کے آغاز کا باعث بنی۔ ان تحریکوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حقوق میں مساوات پر مبنی قانون چاہتے تھے اگرچہ وہ اپنے تمام اہداف حاصل نہ کر سکے۔

موالیوں کے مقابلہ میں عمر بن عبدالعزیز کے دو دور خلافت میں امویوں کی سیاست بدل گئی۔ اسے قطب اسلامی! اور بنی امیہ کے درمیان مصالحتی سیاست کہا جا سکتا ہے جس سے وہ افراتفری اور بے سکونی کی کیفیت کو ختم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ یہ سیاست عمر بن عبدالعزیز کی موت کے بعد پھر سے تبدیل ہو گئی اور امویوں نے ایک بار پھر عربوں اور موالیوں میں فرق کرنا شروع کر دیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ موالیوں کے ذریعہ وجود میں آنے والا سیاسی گروہ عباسیوں کا آلہ کار بن گیا۔ کیونکہ انہیں اس تحریک سے عربوں کے ساتھ برابری اور مساوات کی امید تھی، اسی لئے عباسی ایرانی عوام اور سرزمین کے مرہون منت تھے، کیونکہ ان کے لئے امویوں کے سامنے خراسان ہی مقابلہ کا پہلا میدان قرار پایا۔ لیکن اقتصادی لحاظ سے یہ کہنا ضروری ہے کہ امویوں نے مشخص اقتصادی سیاست نافذ کی جو موالیوں کو اقتصادی امتیازات سے محروم رکھنے پر مبنی تھی۔ جس نے ان کے لئے بہت سے مسائل پیدا کئے اور آخر کار اس سے بدامنی پیدا ہوئی، جو ان کی حکومت کی نابودی کا باعث بنی۔

موالی ہر جگہ اقتصادی حالات کی شکایت کرتے۔وہ حکومت کے خلاف بغاوت کرنے والے ہر شخص کے ساتھ ملحق ہو جاتے تھے۔خراسان کے موالی دوسروں کی بنسبت زیادہ شکایت کرتے تھے، وہ دوسرے اسلامی شہروں سے پہلے اسلام کی طرف آئے اور انہوں نے عربوں کے ساتھ مل کر ترکوں کے خلاف سرزمین ماوراء النہر میں اور ہندیوں سے سندھ کے علاقہ میں جہاد میں شرکت کی۔ان خدمات کے باوجود حکومت نے انہیں اقتصادی امتیازات سے محروم رکھا۔[1]

یہودیوں کی بے راہ روی اور اسلام دشمنی

یہودیوں کی اسلام سے دشمنی کے اسباب میں سے ایک اہم سبب ان کی اقتصادی شکست تھی۔سب جانتے ہیں کہ یہودی کس حد تک اقتصای امور اور مال و دولت جمع کرنے کو اہمیت دیتے ہیں۔چونکہ وہ خود کو انسانوں میں سب سے افضل قوم سمجھتے ہیں! جس کے لئے ان کی یہ کوشش رہتی ہے کہ وہ مالی اعتبار سے سب لوگوں سے برتر ہوں۔اقتصادی برتری حاصل کرنے کے لئے وہ ہر قسم کا غیر اخلاقی اور غیر انسانی کام انجام دیتے ہیں۔وہ فساد، فحاشی، شراب ،جوّا اور بربادی کے کسی بھی طرح کے ایسے وسیلہ سے دستبردار نہیں ہوتے جس سے ان کے مال و دولت میں اضافہ ہو۔

جوانوں اور پورے انسانی معاشرے میں اسلام کے ظہور اور اسلامی اخلاقیات کے عام ہونے سے بے راہ روی، فحاشی اور شراب نوشی کا خاتمہ ہو گیا اور پیغمبر اکرم ﷺ کے وجود کی وجہ سے لوگ ناپسندیدہ اور خلاف شریعت کام ترک کر دیتے تھے اور انسانی اخلاقیات کی طرف مائل ہوتے تھے اور اسلامی بازار تشکیل دیتے تھے۔اس وجہ سے یہودیوں کے بازاروں کی رونق ختم ہو گئی اور بہت سے حرام کاروبار یا تو ختم ہو گئے یا ان میں پہلے جیسی بات نہ رہی ؛اور خاص طور پر رسول خدا ﷺ نے حکم دیا تھا کہ مدینہ میں اسلامی قوانین کے مطابق ایک بازار بنایا جائے۔اسی لئے پیغمبر اکرم ﷺ کے مدینہ ہجرت کر جانے کی وجہ سے وہاں کے یہودیوں (جو تین قبائل ''بنی قینقاع، بنی قریظہ اور بنی نظیر'' پر مشتمل تھے) کو اقتصادی منافع خطرے میں نظر آ رہا تھا؛ کیونکہ انہوں نے مدینہ میں مشروب سازی کے کارخانے، فحاشی کے اڈے اور خنزیروں کی پرورش کے لئے مراکز قائم

---

[1]۔دولت امویان: ۲۴۰.

کئے ہوئے تھے۔اسی طرح سونے چاندی کی ذخیرہ اندوزی، سودی معاملات اور اسلحہ سازی کا پیشہ بھی انہیں کے ہاتھوں میں تھا۔

المختصر یہ کہ مدینہ کی اقتصای نبض یہودیوں کے ہاتھوں میں تھی۔لیکن مدینہ میں اسلام آنے اور اسلامی حکومت کے قیام سے یہودیوں کے اقتصادی امتیازات اور منافع کو خطرات لاحق تھے اور یہودیوں کے بازار کی رونق بھی ماند پڑ گئی تھی۔اس کی یہ وجہ تھی کہ اب مدینہ کے جوان ان کے میکدوں کا رخ نہیں کرتے تھے، مدینہ کے لوگ سور کا گوشت نہیں کھاتے تھے اور اس سے یہودیوں کے اقتصاد کو ناقابل تلافی نقصان ہو رہا تھا۔[1]

کتاب ''محمد ﷺ رسول الحرّیۃ'' میں وارد ہوا ہے: رسول خدا ﷺ نے مدینہ کے تاجروں کو حکم دیا کہ وہ مدینہ میں ایک مستقل بازار بنائیں۔ مدینہ میں ایسے بازار کے قیام کا مقصد اسلامی قوانین اور تجارتی معاملات میں عدل و انصاف کی رعایت کرنا تھا۔ارد گرد کے بہت سے تاجروں نے اس بازار کا رخ کیا ،جو یہودیوں کے بازار کی رونق میں کمی کا باعث بنا۔[2،3]

یہودیوں کی اقتصادی شکست ،آمدنی اور کاروبار کے بہت سے ذرائع کے ختم ہو جانے کی وجہ سے یہودی مسلمانوں سے بغض رکھنے والے سخت دشمن بن گئے اسی وجہ سے جہاں تک ہو سکا انہوں نے زمانۂ جاہلیت میں اسلام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے اور مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کی۔

اس بناء پر یہودیوں کی اقتصای شکست اور ان کے بازار کی رونق میں کمی یہودیوں کی اسلام اور مسلمانوں سے دشمنی کا باعث ہے۔

---

[1]۔اسرائیلیات القرآن: ۴۲،ملاحظہ کریں: المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام: ج۶ص ۵۴۳.

[2]۔اسرائیلیات القرآن: ۴۳.

[3]۔اسرائیلیات وتأثیر آن بر داستان ہای انبیاء در تفاسیر قرآن: ۵۴.

پیغمبر اکرم ﷺ کو زہر دینا

یہودیوں کی اقتصادی شکست اس بات کاایک اہم سبب ہے، جس کی وجہ سے انہوں نے رسول خدا ﷺ کو شہید کرنے کاارادہ کیا۔

یہودیوں کے ہاتھوں رسول خدا ﷺ کے مسموم ہونے کا موضوع تاریخی منابع میں اس حد تک مشہور ہے کہ جس میں کسی طرح کے شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مؤرخین لکھتے ہیں: زینب بنت حارث، سلّام بن مشکم کی بیوی (جس کے کچھ رشتہ دار جنگ خیبر میں مارے گئے تھے[1]) نے بھیڑ کے ایسے حصہ کو زہر آلود کیا جسے پیغمبر اکرم ﷺ تناول کرنا پسند کرتے تھے اوراس نے وہ گوشت پیغمبر ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آنحضرت نے اپنے اصحاب کے ساتھ کھانا شروع کیا لیکن ابھی ایک لقمہ بھی تناول نہیں کیا تھا کہ آپ نے فرمایا: یہ غذا مجھے بتارہی ہے کہ یہ زہر آلود ہے۔ بشر بن براء نے اس کاایک لقمہ کھالیا تھا جس کی وجہ سے وہ شہید ہو گئے۔ پیغمبر اکرم ﷺ نے اپنی رحلت کے وقت بشر کی ماں سے فرمایا تھا: یہ بیماری اسی لقمہ کا اثر ہے جو تمہارے بیٹے کے ساتھ خیبر میں کھایا تھا۔[2]

جب رسول خدا ﷺ نے زینب بنت حارث سے اس کے اس کام کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا: کیونکہ تم نے میرے رشتہ داروں کو قتل کیا تھا لہٰذا میں نے سوچا کہ اگر تم واقعی پیغمبر ہو تو تم زہر سے آگاہ ہو جاؤگے؛ ورنہ ہمیں تم سے نجات مل جائے گی۔

اس مسئلہ میں مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے کہ کیا رسول اکرم ﷺ نے اس یہودی عورت کو قتل کر دیا تھا یا اسے آزاد کر دیا؟ سہیلی کہتے ہیں: دو طرح کی روایات میں جمع اس طرح سے کیا جاسکتا ہے کہ ہم یہ کہیں کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے پہلے اپنا انتقام نہیں لیا اور اسے آزاد کر دیا اور جب بشر بن براء دنیا سے چلے گئے تو اس

---

[1] ۔ المغازی: ج ۲، ص ۶۷۹.

[2] ۔ پیغمبر اکرم ﷺ کو زہر دینے کے واقعہ کے بارے میں مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں: پیغمبر اکرم ﷺ نے اس غذا کا لقمہ نہیں کھایا تھا۔ لیکن واقدی کہتے ہیں: رسول خدا ﷺ نے وہ غذا تناول فرمائی تھی۔ اسی طرح یہ موضوع بھی واضح نہیں ہے کہ بشر اسی وقت یا ایک سال کے بعد فوت ہوئے۔ لیکن اصل واقعہ کو اور اس کی وجہ سے تین سال کے بعد پیغمبر اکرم ﷺ کی رحلت کو مؤرخین قبول کرتے ہیں۔ اس کی مزید تفصیلات جاننے کے لئے: سیرۂ ہشام: ج ۲ ص ۳۳۷، المغازی: ج ۲ ص ۶۷۷، الطبقات الکبری: ج ۲ ص ۸۲ اور ۱۵۴، تاریخ الیعقوبی: ج ۱ ص ۳۷۵، التنبیہ الاشراف: ۲۲۴، جامع السیرۃ: ۱۶۹، الروض الأنف: ج ۶ ص ۵۷۱ .

یہودی عورت سے قصاص لیا گیا۔[۱،۲]

تاریخ میں کچھ دوسرے واقعات بھی موجود ہیں کہ کچھ دوسرے افراد نے بھی رسول اکرم ﷺ کو زہر دیا اور آنحضرت کو شہید کیا۔

یہودی یا یہودی زادوں کے ہاتھوں اسلام کے کچھ بزرگوں کی شہادت

اموی حکام میں سے عیسائیوں اور یہودیوں کے طرفدار گورنر مسلمانوں کو سخت تکالیف پہنچاتے تھے، جن کی وجہ سے بعض اوقات انہی یہودی اور عیسائی زادوں کے ہاتھوں مسلمان شہید ہو جاتے تھے۔وہ لوگ اموی حکمرانوں کا نام سے استعمال کرتے ہوئے اسلام کے نام پر اسلام کے پیشواؤں اور مسلمانوں کو شہید کرتے اور بے انتہا قتل و غارت کرتے تھے۔تاریخ انسانیت میں نقل ہونے والا ایک نہایت شرمناک اور وحشیانہ قتل محمد بن ابی بکر کی شہادت ہے جو معاویہ بن حدیج کندی کے نام سے ایک یہودی زادہ نے انجام دیا۔

محمد بن ابی بکر اگرچہ ابو بکر کے بیٹے تھے لیکن چونکہ وہ حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے طرفدار، پیروکار اور مصر میں آپ کے گورنر تھے، اسی لئے ان کے ساتھ یہ بدترین سلوک کیا گیا اور ایک یہودی زادہ نے انہیں شہید کرنے کے بعد ان کے بدن کو گدھے کی کھال میں لپیٹ کر آگ لگا دی۔اس واقعہ کو جاننے کے لئے ہم عمرو عاص اور معاویہ بن حدیج سے ان کی جنگ کو ذکر کرتے ہیں۔

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

عمرو عاص نے مصر کا قصد کیا۔محمد بن ابی بکر لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے اور خدا کی حمد و ثناء کے بعد یوں کہا:

امّا بعد؛اے مسلمانو اور مومنو! بیشک جو لوگ بے حرمتی کرتے ہیں اور گمراہی میں پڑے ہیں اور ظلم و

---

[۱]۔الروض الأنف: ج۶، ص۵۷۱.

[۲]۔پیامبر ﷺ و یہود حجاز: ۵۹.

وجور کے ساتھ سر کشی کرتے ہیں،اب وہ تمہارے خلاف کھڑے ہوئے ہیں اور لشکروں کے ساتھ تمہاری طرف روانہ ہو چکے ہیں۔جو بھی جنت اور بخشش کا طلبگار ہے وہ ان سے جنگ کے لئے تیار ہو جائے اور خدا کی راہ میں جہاد کرے،خدا تم پر رحمت کرے؛کنانہ بن بشر کے ساتھ فوراً روانہ ہو جاؤ۔

تقریباً دوہزار افراد کنانہ کے ساتھ روانہ ہو گئے اور محمد بن ابی بکر دوہزار افراد کے ساتھ ان کے پیچھے روانہ ہوئے اور انہوں نے کچھ دیر اپنے لشکر گاہ میں قیام کیا۔عمرو بن عاص، محمد بن ابی بکر کے پہلے لشکر کے سپہ سالار کنانہ کے مقابلہ میں لڑنے کے لئے آیا اور عمرو جونہی کنانہ کے قریب پہنچا تو اس نے کنانہ سے مقابلہ کے لئے ایک کے بعد ایک گروہ بھیجا لیکن شامیوں کا جو بھی گروہ آتا کنانہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس پر حملہ کرتے اور ان پر ایسے وار کرتے کہ وہ انہیں عمرو عاص کی طرف الٹے پاؤں بھگا دیتے تھے اور انہوں نے متعدد بار یہ کام انجام دیا۔

عمرو عاص نے جب یہ دیکھا تو معاویہ بن حدیج کو پیغام بھیجا اور وہ بہت بڑے لشکر کے ساتھ اس کی مدد کے لئے آگیا۔کنانہ نے جب وہ لشکر دیکھا تو وہ اور ان کے ساتھی اپنے گھوڑوں سے اتر آئے اور انہوں نے ان پر تلوار سے وار کرنا شروع کئے جب کہ وہ اس آیت کی تلاوت کر رہے تھے:''کوئی نفس بھی اذنِ پروردگار کے بغیر نہیں مر سکتا ہے سب کی ایک اجل اور مدت معین ہے''[1] اور تلوار سے ان پر اسی طرح وار کر رہے تھے،یہاں تک کہ وہ شہید ہو گئے۔خدا ان پر رحمت کرے۔

ابراہیم ثقفی کہتے ہیں: محمد بن عبداللہ نے مدائنی سے اور محمد بن یوسف سے نقل کیا ہے کہ جب کنانہ قتل ہو گئے تو عمرو عاص نے محمد بن ابی بکر کو اپنا ہدف بنایا اور چونکہ محمد کے ساتھی منتشر ہو گئے تھے،وہ آرام سے باہر آئے اور اپنی راہ کو جاری رکھا،یہاں تک کہ ایک ویرانہ میں پہنچے اور وہاں پناہ لے لی۔عمرو عاص آیا اور شہر فسطاط[2] میں داخل ہوا اور معاویہ بن حدیج، محمد بن ابی بکر کا تعاقب کرتے ہوئے ان کی تلاش میں باہر آیا۔راستے میں اسے کچھ غیر مسلمان ملے اس نے ان سے پوچھا: کیا تم نے یہاں سے کسی اجنبی شخص کو گزرتے ہوئے دیکھا ہے؟

پہلے انہوں نے کہا: نہیں۔پھر ان میں سے ایک نے کہا: میں اس ویرانے میں گیا تو میں نے دیکھا کہ وہاں

---

[1] ۔ سورۂ آل عمران، آیت: ۱۴۵.

[2] ۔ فسطاط وہ پہلا شہر تھا جو مصر میں عربوں نے دریائے نیل کے مشرق میں بنایا اور یہ شہر عمرو عاص کے توسط سے بنایا گیا اور اس میں ایک مسجد بھی بنائی گئی! (المنجد الأعلام).

ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔

معاویہ بن حدیج نے کہا: ربّ کعبہ کی قسم! یہ وہی ہے۔اور سب دوڑتے ہوئے وہاں گئے اور محمد تک پہنچ گئے،وہ لوگ انہیں باہر لائے اور نزدیک تھا کہ وہ پیاس سے جان بحق ہو جاتے،وہ انہیں فسطاط لے کر آئے ۔اسی وقت محمد بن ابی بکر کا بھائی عبدالرحمٰن-جو عمرو عاص کے لشکر میں تھا- کھڑا ہوااور اس نے عمرو سے کہا: خدا کی قسم! میرے بھائی کو پھانسی نہ دی جائے،معاویہ بن حدیج کو پیغام دو اور اسے اس کام سے منع کرو۔عمرو بن عاص نے معاویہ بن حدیج کو پیغام بھیجا کہ محمد بن ابی بکر کو میرے پاس بھیج دو۔

معاویہ بن حدیج نے کہا: تم نے میرے چچازاد بھائی کنانہ بن بشر کو قتل کیا ہے اور اب میں محمد بن ابی بکر کو چھوڑ دوں؟ کبھی نہیں! ''اور کیا تمہارے کفار ان سب سے بہتر ہیں یا ان کے لئے کتابوں میں کوئی معافی نامہ لکھ دیا گیا ہے''[1]

محمد نے کہا: مجھے ایک بوند پانی پلادو۔

معاویہ بن حدیج نے کہا: اگر تمہیں پانی کی ایک بوند بھی دوں تو خدا مجھے سیراب نہ کرے،تم عثمان کو پانی پلانے کی راہ میں حائل ہوئے تھے اور اسے روزے کی حالت میں اس کے گھر میں قتل کیا تھا،خدا نے اسے جنت کا ٹھنڈا شربت پلایا! خدا کی قسم؛اے ابوبکر کے بیٹے! میں تمہیں پیاسا ہی قتل کروں گا اور خدا تمہیں گرم پانی اور جہنم کے کھولتے ہوئے اور ناپاک پانی سے سیراب کرے گا۔!

محمد بن ابی بکر نے اس سے کہا: اے کاتنے والی یہودی عورت کے بیٹے! یہ خدا کے ہاتھ میں ہے کہ وہ اپنے دوستوں کو سیراب کرتا ہے اور اپنے دشمنوں کو پیاسا رکھتا ہے،تم اور تمہاری طرح کے افراد وہ لوگ ہیں؛جنہیں تم پسند کرتے ہو اور وہ تمہیں پسند کرتے ہیں اور خدا کی قسم! اگر میرے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو تم مجھے اس طرح نہیں پکڑ سکتے تھے۔

معاویہ بن حدیج نے ان سے کہا: کیا تمہیں پتہ ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا کروں گا؟ تمہیں اس مردہ گدھے کے پیٹ میں رکھ کے جلادوں گا۔

محمد نے کہا: فرض کرو کہ تم میرے ساتھ ایسا کروگے تو کیا ہوا؟ کیونکہ بہت سے اولیاء خدا کے ساتھ بھی ایسا کیا گیا۔خدا کی قسم! مجھے امید ہے کہ تم مجھے جس آگ سے ڈرا رہے ہو،خدا میرے لئے وہ آگ ٹھنڈی

---

[1] ۔سورۂ قمر،آیت: ۴۳۔

کردے گا اور مجھے سلامت رکھے گا جس طرح خدا نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ کو گلزار بنادیا تھا، اور مجھے امید ہے کہ خدا یہ آگ تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے لئے قرار دے جس طرح نمرود اور اس کے ساتھیوں کے لئے قرار دی اور مجھے امید ہے کہ خدا تجھے، تیرے پیشوا اور اس شخص (عمرو عاص کی طرف اشارہ کیا) کو جلنے والی آگ میں جلائے گا۔ ''کہہ دیجئے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان گواہ بننے کے لئے خدا کافی ہے کہ وہی اپنے بندوں کے حالات سے باخبر ہے اور ان کی کیفیات کا دیکھنے والا ہے''۔[1]

معاویہ بن حدیج نے ان سے کہا: میں تمہیں ظلم و ستم سے قتل نہیں کر رہا بلکہ تمہیں عثمان بن عفان کے خون کے بدلے قتل کر رہا ہوں۔

محمد نے کہا: تمہیں عثمان سے کیا سروکار؟ جس شخص نے ظلم کیا، خدا اور قرآن کے حکم کو تبدیل کر دیا اور خداوند متعال نے فرمایا ہے: ''اور جو ہمارے نازل کئے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرے گا وہ سب کافر شمار ہوں گے''۔ ''وہ ظالموں میں شمار ہوگا''۔ ''وہ فاسقوں میں شمار ہوگا''۔[2]

اس کے کئے گئے ناروا کاموں کی وجہ سے ہم غضبناک ہوگئے اور ہم اسے واضح طور پر خلافت سے الگ کرنا چاہتے تھے لیکن اس نے قبول نہ کیا اور لوگوں کے ایک گروہ نے اسے قتل کر دیا۔

معاویہ بن حدیج غصہ میں آگیا اور انہیں اپنے سامنے لا کر ان کی گردن اڑادی اور پھر ان کے بدن کو مردہ گدھے کے پیٹ میں رکھ کر جلادیا۔

جب عائشہ تک یہ خبر پہنچی تو وہ اس بات پر بہت روئی۔ وہ ہر نماز کے بعد قنوت پڑھتی تھی جس میں معاویہ بن ابی سفیان، عمرو عاص اور معاویہ بن حدیج پر لعنت کرتی تھی۔ اس نے اپنے بھائی کے اہل و عیال اور بیٹوں کی کفالت کا ذمہ لے لیا جن میں قاسم بن محمد بھی شامل تھے۔

کہتے ہیں: معاویہ بن حدیج ایک پلید اور لعنتی شخص تھا جو حضرت علی بن ابی طالب علیہما السلام سبّ و شتم کیا کرتا تھا۔

ابراہیم ثقفی کہتے ہیں: عمرو بن حماد بن طلحہ قناد نے علی بن ہاشم سے، انہوں نے اپنے والد سے، اور انہوں نے داؤد بن ابی عوف سے ہمارے لئے روایت نقل کی ہے کہ معاویہ بن حدیج مسجد نبوی میں امام حسن

---

[1]۔ سورۂ بنی اسرائیل، آیت: ۹۶.

[2]۔ سورۂ مائدہ، آیات: ۴۵، ۴۴ اور ۴۷.

بن علی علیہاالسلام کی خدمت میں آیا۔

امام حسن علیہ السلام نے اس سے فرمایا: اے معاویہ! لعنت ہو تم پر؛ تم وہی ہو جو امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہاالسلام کو دشنام دیتا تھا؟! خدا کی قسم! اگر تم انہیں قیامت کے دن دیکھو۔اور میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ تم انہیں دیکھو گے۔تو تم انہیں اس حال میں دیکھو گے کہ وہ اپنے برہنہ پاؤں سے تم جیسے لوگوں کے چہروں کو کچلیں گے اور انہیں حوض کوثر کے پاس سے بھگادیں گے جس طرح بیگانے اونٹوں کو بھگادیا جاتا ہے۔[1]

یہودیوں کی سازش سے بنی امیہ کے ہاتھوں اسکندریہ کے مینار کی بربادی

یہودی اسلام اور مسلمانوں کے اس حد تک دشمن تھے اور ان کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف اتنا بغض بھرا ہوا تھا کہ وہ اسلام اور اسلام کے نام پر قائم کسی بھی حکومت سے راضی نہیں تھے۔لیکن اسلام کا نام استعمال کئے بغیر وہ اسلام کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔اس لئے انہوں نے بنی امیہ کی مدد کرنا شروع کی جن کے پاس اسلام اور مسلمانوں کا نام تھا تاکہ ان کے ذریعہ اصل اسلام کو کچل سکیں۔

اس بارے میں بنی امیہ بھی یہودیوں کے ہمدرد تھے چونکہ وہ جانتے تھے کہ اسلام کو نقصان پہنچانے کے لئے اسلام کے نام اور مسلمانوں سے استفادہ کرنا چاہئے لہٰذا انہوں نے ظاہری طور پر اسلام قبول کیا اور ظاہراً مسلمان ہو گئے اور خلافت کا لبادہ اوڑھ کر خدا، پیغمبر، کعبہ اور دین کے تمام مقدسات کے خلاف برسرپیکار ہو گئے۔

اموی خلیفہ اپنے باطنی خواہشات کو بخوبی جانتے تھے بلکہ وہ یہودیوں کی شیطانی مکاریوں اور ان کی سازشوں سے بھی باخبر تھے اور جانتے تھے کہ ان کی اسلام اور مسلمانوں سے دیرینہ دشمنی ہے، لیکن ان سب کے باوجود کچھ موارد میں انہوں نے یہودیوں سے اس طرح دھوکا کھایا کہ جس کی شرمندگی ہمیشہ کے لئے تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہو گئی اور جس سے ان کی بے شرمی میں مزید اضافہ ہوا۔

---

[1]۔ جلوۂ تاریخ در شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ۲۲۵۳.

ان کا ایک منصوبہ اسکندریہ کے مینار کو برباد کرنا تھا جو دنیا کے سات عجوبوں میں سے ایک تھا۔

بہت سے مفکر دنیا کے سات عجوبوں سے کم و بیش آشنا ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ ایک روایت کے مطابق اسکندریہ کا مینار اسکندر مقدونی نے بنایا تھا جو دنیا کی حیرت انگیز تعمیرات میں سے ایک ہے۔اس عجیب اور حیرت انگیز عمارت اور اسے تباہ کرنے کے لئے یہودیوں کی ساز ششوں کو جاننے کے لئے ان مطالب پر غور کریں:

حیرت انگیز عمارتوں میں سے ایک اسکندریہ کا مینار ہے جو تراشے ہوئے پتھروں اور سیسہ سے بنایا گیا ہے ۔اس کے تین سو کمرے ہیں جن میں سے ہر ایک کمرے میں سے مینار کے اوپر جانے کا راستہ ہے اور ان کمروں میں سے دریا کو بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اسے سکندر مقدونی نے بنوایا ہے اور کچھ لوگ کہتے ہیں:اسے مصر کی ملکہ ''دلوکا'' نے بنوایا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس مینار کے مشرقی کنارے میں لکھا ہوا ہے کہ طوفان نوح کے ایک ہزار دوسو سال بعد ستاروں کے معائنہ کے لئے مربیوش یونانی کی بیٹی کے حکم پر یہ مینار بنا گیا۔

کہتے ہیں:اس مینار کی لمبائی ہزار ذراع ہے اور اب اس کے اوپر کچھ مجسمے ہیں جن میں سے ایک مجسمہ ایک مرد کا ہے جو اپنے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے سورج کی طرف اشارہ کر رہا ہے، چاہے وہ آسمان میں جس جگہ بھی ہو اور جس طرف سورج پلٹتا ہے وہ بھی اسی طرف پلٹ جاتا ہے۔

ایک دوسرا مجسمہ ہے جو سمندر کی طرف دیکھ رہا ہے اور جب دشمن اس شہر سے ایک میل کی دوری پر ہو وہ خوفناک آواز نکالتا ہے تاکہ شہر کے لوگوں کو دشمن کے آنے کی خبر ہو جائے۔

ایک اور مجسمہ بھی ہے جو رات میں ہر گھنٹے کے بعد دلنشین آواز نکالتا ہے۔کہتے ہیں کہ اس مینار کے اوپر ایک آئینہ ہے جس کا رخ سمندر کی طرف ہے اور جس طرف سے بھی کشتیاں آئیں وہ رستے میں تین دن تک اس آئینہ میں دکھائی دیتی ہیں تاکہ یہ سمجھا جاسکے کہ وہ تاجر ہیں یا دشمن۔یہ مینار ولید بن عبدالملک کے زمانے تک عروج پر تھا۔[1]

کتاب ''تحفۃالدہر'' میں اسکندر کو اس مینار کے بنانے والا قرار دیا گیا ہے اور لکھتے ہیں:اس مینار کو بنانے سے پہلے اس نے مختلف پتھروں کو پانچ سال تک پانی میں رکھا تاکہ اس سے یہ پتہ چل سکے کہ ان میں سے کون

---

[1] ۔ترجمہ نخبۃالدھر فی عجائب البرّ والبحر: ۵۳.

سا پتھر پانی کے مقابلہ میں زیادہ مقاومت کر سکتا ہے۔ پانچ سال کے بعد پتہ چلا کہ آبگینہ (شیشہ) میں زیادہ استحکام و مقاومت ہے۔اس لئے اس نے حکم دیا کہ پانی میں مینار کی بنیادوں کو آبگینہ سے بنایا جائے۔

مشہور تاریخ نویس مسعودی نے یوں لکھا ہے:

ولید بن عبدالملک کے زمانۂ خلافت میں روم کے بادشاہ نے اپنے ایک خاص ذہین اور فہیم شخص کو مہاجر کی شکل میں کچھ اشیاء کے ساتھ ایک اسلامی ملک کی حدود میں بھیجا۔وہ شخص ولید کے پاس آیا اور اس سے کہا: میں روم کے بادشاہ کے قریبی افراد میں سے تھا وہ مجھ سے ناراض ہوگیا ہے اور اس نے مجھے قتل کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ میں ڈر کے مارے وہاں سے بھاگ آیا اور اب میں اسلام کی طرف مائل ہو چکا ہوں۔وہ ولید کے ہاتھوں مسلمان ہو گیا اور اس کے نزدیکی افراد میں سے ہو گیا۔ اس نے روم سے نکالے جانے والے ذخائر اور خزانوں کی بات کی۔اس نے ان کی تفصیل اپنے پاس لکھی ہوئی تھی اور اس نے ان میں سے کچھ چیزیں ولید کو پیش کیں جس سے ولید لالچ میں پڑ گیا۔

اس شخص نے ولید سے کہا: آپ کے ملک میں اموال، جواہر اور خزانے بہت زیادہ ہیں۔

ولید نے کہا: کہاں ہیں؟

اس نے کہا: اسکندریہ کے مینار کے نیچے خزانہ چھپایا گیا ہے، کیونکہ جب اسکندر نے دنیا کے جواہرات اکٹھے کئے تو انہیں زمین کے نیچے رکھ دیا اور اس کے اوپر مینار بنا دیا۔

ولید نے لالچ میں آکر اس شخص کے ساتھ اسکندریہ کے مسمار کو برباد کرنے کے لئے ایک لشکر بھیجا۔جب آدھے مینار کو مسمار کر دیا تو وہ مینار زمین پر گر گیا تو اسکندریہ کے لوگوں کا نالا بلند ہوا اور تب جا کر وہ لوگ سمجھے کہ دشمن نے کس مکر و حیلہ سے کام لیا ہے۔جب وہ شخص بھی جان گیا کہ اس کی مکاری کو لوگ بھانپ گئے ہیں تو وہ رات کی تاریکی میں فرار ہو گیا اور ہمارے زمانے یعنی سنہ ۱۴۳۲ھ میں بھی وہ مینار اسی حالت میں باقی ہے۔[1]

دو وجوہات کی بناء پر ہم نے یہ واقعہ بیان کیا ہے:

ایک یہ کہ اسکندریہ کے مینار کی وضاحت اور یہ کہ گذشتہ زمانے میں دنیا میں کیسے کیسے عجوبے پائے جاتے تھے۔اور اس سے بھی اہم دوسرا نکتہ مسلمانوں کے دشمنوں کی بیداری، ہوشیاری اور ان کے مکر و فریب کو بیان

---

[1]۔ مروج الذہب: ۱/۴۱۷۔

کرنا تھا۔ یہودی دشمن، جاہل عیسائی اور تمام مسالک و عقائد نے پوری تاریخ میں اسلام کی شان و شوکت، جاہ و جلال اور مسلمانوں کی معنوی و باطنی رفعت کو ختم کرنے کی کوشش کی جس کے مقابلہ میں مسلمان ہمیشہ بے حس رہے اور انہوں نے کبھی اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ لہٰذا آپ عزیز جوانوں کو میری یہی تاکید اور سفارش ہے کہ دشمن کی طرف سے جو کچھ آئے اسے ہمیشہ اچھا نہ سمجھو بلکہ اس کے ظاہر کو دیکھ کر اس کے باطن کو سمجھنے کی کوشش کرو۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ خدمت کے نام پر کیسی کیسی خیانتیں کی جاتی ہیں، ترقی و تمدن کے نام پر کیسا کیسا نقصان پہنچاتے ہیں، نئی ایجادات کے نام پر کیسے کیسے اصل گوہر ہم سے لے لئے جاتے ہیں اور کیسے ہمارا ظاہری و باطنی اور مادی و معنوی سرمایہ لوٹ لیا جاتا ہے؟

میرے عزیزو! جان لو کہ دشمن دوست نہیں بن سکتا، کفر کبھی اسلام کے ساتھ یکجا نہیں ہو سکتا۔ یہودی، عیسائی، کفار اور منافقین ہماری مدد کے لئے کبھی بھی حاضر نہیں ہوں گے۔ وہ تمہیں جتنا دینا چاہتے ہیں وہ اس سے کہیں زیادہ تم سے لے چکے ہیں۔ ہمیں ہوشیار رہنا چاہئے اور اتنا بھی دھوکا نہ کھائیں اور سادہ لوح نہ بنے رہیں۔ ہم ان کے دیئے گئے نقصانات اور ان کی خیانتوں سے واقف تھے اور واقف ہیں لیکن پھر بھی وہ جو کچھ لاتے ہیں ہم باہیں پھیلا کر ان کے افکار و رفتار کا استقبال کرتے ہیں۔

خدا کو اس کی عزت و جلال کا واسطہ دیتے ہیں کہ پروردگارا! جلد از جلد اسلام اور مسلمانوں کی عزت کو پہنچا دے: ''**این معزّ الأولیاء و مذّل الأعداء؟**''۔[1]

مسلمانوں میں اختلافات پیدا کرنے کے لئے یہودیوں کی سازش

پیغمبر اکرم ﷺ کے خلاف یہودیوں کی سازشیں صرف غیر مسلمانوں کو اسلام کی طرف مائل ہونے سے روکنے کی حد تک نہیں تھیں بلکہ جہاں تک ہو سکتا تھا وہ مسلمانوں میں مختلف انداز سے تخریب کاری اور سازشیں کرتے تھے تاکہ فتنہ و فساد اور افراتفری پیدا کرکے مسلمانوں کو کمزور کر سکیں۔

یہودیوں نے مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرنے کے لئے ہر ممکن طریقہ اختیار کیا اور وہ اب بھی اپنی راہ و

---

[1] ۔ جامعہ در حرم: ۳۶۴

روش کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ان میں سے ایک راہ قومی تعصب سے استفادہ کرکے قبائلی جنگ کی آگ بھڑکانا ہے۔

اوس اور خزرج عرب کے دو بہت ہی مشہور قبیلے ہیں جو اسلام قبول کرنے سے پہلے یہودیوں کی سازش کی وجہ سے کئی سالوں تک ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار رہے۔

کتاب ''تحلیلی بر عملکرد یہود در عصر نبوی''میں لکھتے ہیں: مدینہ میں داخل ہوتے وقت پیغمبر اکرم ﷺ کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ان میں سے ایک عربوں کے دو مشہور قبائل یعنی اوس اور خزرج کے درمیان اختلاف تھا۔اسلامی حکومت کی بنیادوں کو مضبوط و مستحکم کرنے کے لئے آنحضرت کے لئے ایسی دشمنی اور تفرقہ اندازی کو ختم کرنا ضروری تھا۔ لہٰذا آپ نے پہلی فرصت میں ان دونوں قبیلوں کے درمیان اتحاد اور بھائی چارہ قائم کیا اور آپ کے اسی اقدام کی وجہ سے ان دو قبائل کے درمیان دیرینہ دشمنی ختم ہو گئی۔

اوس و خزرج میں اتفاق و اتحاد ہو جانے کی وجہ سے یہودی اقتصادی منافع اور اپنے دوسرے مقاصد حاصل نہیں کر سکتے تھے،اس لئے انہوں نے اسلام کی ترقی کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانوں کے درمیان تفرقہ اور جدائی ڈالنے کی کوشش کی۔

یہودیوں نے اپنے اس مشہور قاعدہ''تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو''(Divide and rule)پر عمل کرتے ہوئے دو قبائل اوس اور خزرج میں اختلافات پیدا کئے تھے اور ان سے قدرت کو یکجا کرنے کا وسیلہ سلب کر لیا تھا۔اقتصادی،سیاسی اور دوسرے مختلف شعبوں میں یہودیوں کی ترقی کا یہی راز تھا۔چونکہ اسلام کے آنے سے انہیں اپنے یہ منحوس منصوبے اور مذموم مقاصد خاک میں ملتے دکھائی دے رہے تھے اس لئے انہوں نے مختلف کاروائیاں کرنا شروع کیں تاکہ ان کے درمیان روابط ختم کرکے انہیں دوبارہ زمانۂ جاہلیت کی طرف پلٹا دیں اور یوں تیزی سے ترقی کرتے ہوئے اسلام کا راستہ روکا جاسکے۔اس مقصد کی تحت یہودی کوئی ایسا موقع تلاش کر رہے تھے کہ جس سے اپنے مقصد کو حاصل کر سکیں اور اس اہم امر کے لئے اپنی سازش پر عمل کریں۔

ایک دن شاس بن قیس (جو ایک دولتمند یہودی تھا)ایک جگہ سے گزر رہا تھا،جب اس نے دیکھا کہ وہاں اوس اور خزرج قبیلوں کے افراد بڑے پیار و محبت سے اکٹھے ہوئے ہیں تو وہ اپنے حسد پر قابو نہ رکھ سکا اور اس نے اپنے منحوس منصوبے کو پورا کرنے کے لئے اس موقع کو غنیمت جانا۔وہ کسی یہودی جوان کو اس مجمع میں بھیجنا چاہتا تھا جو ان کے درمیان زمانۂ جاہلیت کے دیرینہ بغض کو پھر سے تازہ کر دے اور اس اتحاد اور دوستی کی فضا کو

تفرقہ و دشمنی سے آلودہ کر دے۔[۱]

اس جوان نے ان کے درمیان ماضی کے اختلافات اور لڑائی جھگڑے کو یاد کیا اور ایک دوسرے کے بارے میں توہین آمیز اشعار پڑھ کر ان کی محبت و الفت کی محفل کو لڑائی جھگڑے میں تبدیل کر دیا، یہاں تک کہ دونوں قبیلوں نے ایک دوسرے پر تلواریں تان لیں اور پھر دوسرے افراد بھی ان کی مدد کو پہنچ آئے۔

جب یہ خبر رسول اکرم ﷺ تک پہنچی تو آپ فوراً اس مجمع میں پہنچے اور فرمایا: خدا کی پناہ میں آ جاؤ، کیا تم پھر سے جاہلیت کی طرف پلٹ گئے ہو اور جب کہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں؟! خدا نے اسلام کی طرف تمہاری ہدایت کی، تمہیں عزیز بنایا، جاہلیت کے رشتہ کو ختم کر دیا، تمہیں کفر سے نجات دی اور تمہارے دلوں کو متحد کیا۔[۲]

پیغمبر اکرم ﷺ کی باتیں بے ہوش افراد کے منہ پر پڑنے والے ایک ایسے طمانچہ کی طرح تھیں، جس کے پڑتے ہی سب ہوش میں آ گئے اور سب کو یہ معلوم ہو گیا کہ اس یہودی جوان نے اس شیطانی کام کا منصوبہ پہلے ہی سے بنایا گیا تھا اور یہ دشمن کی مکارانہ سازش تھی۔ اس بناء پر انہوں نے ندامت و شرمندگی سے روتے ہوئے اپنا اسلحہ زمین پر رکھ دیا اور استغفار کی اور پھر سے ایک دوسرے کی گردن میں باہیں ڈال کر اور ایک دوسرے کو سینے سے لگا کر الفت و محبت اور بھائی چارے کی تجدید کی۔[۳]

خداوند کریم نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یوں فرمایا ہے: ''يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوَا إِن تُطِيْعُوا فَرِيْقاً مِّنَ الَّذِيْنَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ كَافِرِيْنَ''۔[۴]

''اے ایمان والو! اگر تم نے اہل کتاب کے اس گروہ کی اطاعت کر لی تو یہ تم کو ایمان کے بعد کفر کی طرف پلٹا دیں گے''۔[۵]

اس دنیا میں یہودیوں کا بنیادی ہدف دنیاوی آرائش و خوبصورتی ہے اور وہ اسی میں دلچسپی رکھتے ہے۔ اور

---

[۱]۔ السیرۃ النبویۃ: ج ۲ ص ۲۰۴، فروغ ابدیت: ۹۱-۴۶۸۔

[۲]۔ ''یا معشر المسلمین؛ اللّٰہ اللّٰہ أبدعوی الجاهلية و أنا بين أظهركم بعد أن هداكم للاسلام، و أكرمكم به و قطع به عنكم أمر الجاهليّة و استنقذكم من الكفر و ألّف بين قلوبكم''۔ منشور جاوید: ۳۰۶-۲۹۹، السیرۃ النبویۃ: ج ۲ ص ۲۰۵۔

[۳]۔ منشور جاوید: ۳۰۰، الصافی فی تفسیر القرآن: ج ۱ ص ۳۳۶

[۴]۔ سورۂ آل عمران، آیت: ۱۰۰۔

[۵]۔ تحلیلی بر عملکرد یہود در عصر نبوی: ۴۹۔

چونکہ ان کا آخری مقصد ہی دنیا ہے اس لئے وہ اس تک پہنچنے کے لئے تمام تر انسانی اقدار کو پامال کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے اور انسانوں کے درمیان تفرقہ و نفاق پیدا کرتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں ،اور اس طرح سے یہودی اپنی مکاریوں اور سازشوں کا سلسلہ کو جاری رکھتے ہیں۔

اسی لئے خداوند متعال نے بھی قرآن مجید میں دنیا کی طرف توجہ کرنے کی وجہ سے ان کی سرزنش اور مذمت کی ہے اور فرمایا ہے: ''أُولَئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُاْ الْحَیَاۃَ الدُّنْیَا بِالآخِرَۃِ فَلاَ یُخَفَّفُ عَنْھُمُ الْعَذَابُ وَلاَ ہُمْ یُنصَرُونَ''۔[1]

''یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کو دے کر دنیا خرید لی ہے اب نہ ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی''۔

پس جب ہم ابتدائے اسلام سے لے کر اب تک کی برائیوں اور تخریب کاریوں کی بنیاد کا تجزیہ کریں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہودی ہی ان تمام تر برائیوں کا اصل سبب تھے، یا پھر وہ اس میں حصہ دار تھے؛ جیسا کہ ایک روسی دانشور نے لکھا ہے:

''انسانیت کو برباد اور نیست و نابود کرنے کے لئے یہودیوں کے بچھائے ہوئے جالوں سے دنیا کو شدید جنگی خطرات لاحق ہیں''۔[2]

ابتداء سے ہی یہودیوں کی سیاست ایسی ہی رہی ہے کہ جو چیز بھی دنیاوی امور تک رسائی کی راہ میں حائل ہو، اسے کسی بھی طرح راستے سے ہٹا دیا جائے، چاہے اس کے لئے وحشیانہ ترین اور غیر انسانی کام ہی کیوں نہ کرنے پڑیں ؛ جیسے انسانوں کو برائیوں اور فحاشی کی طرف دھکیلنا، ان کے درمیان تفرقہ اور نفاق پیدا کرنا یا ضرورت پڑنے پر انہیں اجتماعی صورت میں قتل کر دینا۔ اس رو سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ روئے زمین پر اکثر برائیوں کی بنیاد صرف یہودی ہی ہیں۔

یہودی علماء اس حد تک دنیا میں گھرے ہوئے تھے کہ تورات میں تحریف کرنے کے لئے رضاکارنہ طور پر سامنے آئے، اور وہ اس کام کے لئے یہودی حکمرانوں اور سلطانوں سے رشوت لیتے تھے، ان کی خوشامد کرتے

---

[1] ۔ سورۂ بقرہ، آیت: ٨٦ .

[2] ۔ اسرار سازمان مخفی ہود: ٨.

تھے اور اپنی دنیا کے حصول کے لئے دین یہود کے اصل چہرے کو بگاڑتے تھے، لوگوں کو صحیح راہ سے منحرف کرتے تھے اور رسول اکرم ﷺ کی صفات کو الگ انداز سے نقل کرتے تھے۔[1]

خداوند کریم قرآن مجید میں فرماتا ہے: ''أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيباً مِّنَ الْكِتَابِ يَشْتَرُونَ الضَّلَالَةَ وَيُرِيدُونَ أَن تَضِلُّوا السَّبِيلَ''۔[2]

''کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا ہے جنہیں کتاب کا تھوڑا سا حصہ دے دیا گیا ہے اور وہ (اس سے اپنی اور دوسروں کی ہدایت کے لئے استفادہ کرنے کی بجائے اپنے لئے) گمراہی کا سودا کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راستہ سے بہک جاؤ''؟!

مرحوم طبرسی ذکر کرتے ہیں: یہودی علماء خود بھی بہت زیادہ مال خرچ کرتے تھے تاکہ توریت میں یہودیوں کے لئے مادّی نقصانات کا باعث بننے والے مطالب میں تحریف کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہودی علماء دنیاوی مال و دولت کی خاطر توریت کے یہ تحریف شدہ مطالب بیچتے تھے۔[3]

جب یہودیوں نے پیغمبر اکرم ﷺ کو اپنے ناجائز اقتصادی مقاصد کے حصول کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہوئے دیکھا، اور مختلف حربوں سے بھی اسلام کو پھیلنے سے نہ روک سکے تو انہوں نے رسول خدا ﷺ کو قتل کرنے کا بھی منصوبہ بنایا لیکن پیغمبر ﷺ وحی کے ذریعہ ان کے منصوبے سے آگاہ ہو گئے اور اس جگہ کو چھوڑ کر مدینہ واپس آ گئے جہاں وہ آپ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ پس انہیں اس ناپسندیدہ کام کی وجہ سے تنبیہ کی گئی اور انہیں شہر بدر کر دیا گیا۔[4]

یہودیوں میں آج بھی دنیا کی محبت اور مال پرستی پائی جاتی ہے اور آج بھی ہم اس کے شاہد ہیں کہ وہ دنیاوی مقاصد کے حصول کے لئے ہر قسم کے غیر انسانی اور ناجائز فعل انجام دینے سے بھی گریز نہیں کرتے، چاہے یہ ان کے اپنے دین کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر اس دن وہ معاشرے میں فساد برپا کرتے تھے اور زیادہ سے زیادہ بے گناہ لوگوں کو قتل کرتے تھے تو آج بھی استعماری ممالک (جن میں یہودیوں کا اثر و رسوخ ہے) اہم کیمیائی و معدنی مواد لوٹ رہے ہیں اور اس کے مقابلہ میں منشیات اور بوسیدہ اسلحہ فروخت کرتے ہیں جو

---

[1] ۔ ابوالفتوح رازی: ج ۴ ص ۳۹۶۔

[2] ۔ سورۂ نساء، آیت: ۴۴۔

[3] ۔ مجمع البیان فی تفسیر القرآن: ج ۳ ص ۹۶۔

[4] ۔ السیرۃ النبویۃ ج: ۳ ص ۱۹۹۔۲۰۰۔

سالوں سے اسٹور میں بے کار پڑا ہوتا ہے۔[۱]

...اگر اس دن یہودی دولت حاصل کرنے کے لئے اوس و خزرج میں تفرقہ ڈالتے تھے تاکہ طرفین میں سے غالب آنے والے کی حمایت کرکے مغلوب کے مال پر قبضہ کیا جاسکے تو آج اس راہ و روش کا نیا نمونہ سامنے آیا ہے اور وہ مختلف اقوام کے معدنی ذخائر اور وسائل تک رسائی کے لئے ہر قسم کی مکاری اور ہر طرح کا ظلم کرتے ہیں کیونکہ یہودیوں کی نظر میں حق صرف طاقت کا نام ہے اور آزادی خام خیالی سے زیادہ کچھ نہیں ہے اور صرف طاقت کے ذریعہ ہی سیاست میں کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔[۲]

یہودی؛ پروٹوکول اور اپنی کمیٹی کی گزارشات میں یوں اعتراف کرتے ہیں: ہم داخلی جنگوں کے ذریعہ اقوام کو کمزور کرتے ہیں، جو بعد میں سماجی جنگوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ جو ملک بھی ہماری مخالفت میں کھڑا ہو ہم اس ملک اور اس کے پڑوسی ملک کے درمیان جنگ چھیڑ دیتے ہیں تاکہ وہ ہم سے اسلحہ خریدیں، اسلحہ کی افزائش اور جنگیں ہمارے فائدے میں ہیں۔ کیونکہ ایک طرف سے ہم اقوام و ملل کے درمیان اپنے لئے احترام پیدا کرتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ ہم نظم اور بے نظمی کا سبب ہیں اور دوسری طرح سے ہم ان پر اقتصادی قراردادوں اور مالی عہد و پیمان کا بوجھ ڈال دیتے ہیں۔[۳، ۴]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے بعد کے زمانے میں یہودیوں کی تخریب کاری کا ایک اور سبب ان کے مقام و منصب کو درپیش خطرہ تھا۔ اس بناء پر یہودیوں نے مختلف زمانوں میں حکومتوں کو اپنے قابو میں کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان موارد میں سے ایک ان کے ثقافتی اور مطبوعاتی تہوار ہیں جن کے ذریعہ وہ لوگوں کے ذہنوں میں راسخ ہوتے ہیں اور اپنے مقام کو مستحکم کرتے ہیں۔ اس بارے میں "آدولف ہٹلر" لکھتا ہے:

"...یہودیوں کے علاوہ زہریلے افکار کو پھیلانے والا کوئی اور نہیں ہے، گفتگو کرنے کے لئے ان کا مخصوص لہجہ ہوتا ہے، جو ذہنی و فکری مغالطہ پیدا کرنے میں بہت ماہر ہوتے ہیں، سیاسی بحث کے دوران وہ کئی دھوکا دینے والے کلمات جیسے ملت، آزادی، امن و امان کا قیام وغیرہ سے اپنے مقابل کو زیر کر دیتے ہیں، لیکن چونکہ یہ جنگ میں شکست کھانے والے ان افراد کی طرح عاجز و بے بس ہو جاتے ہیں کہ جن کے پاس بھاگنے کا

---

[۱]۔ چہرۂ یہود در قرآن: ۶.

[۲]۔ چہرہ یہود در قرآن: ۹-۸.

[۳]۔ اسرار سازمان مخفی یہود: ۶۸-۶۷.

[۴]۔ تحلیلی بر عملکرد یہود در عصر نبوی: ۱۱۰.

بھی کوئی راستہ نہیں ہوتا ۔اس لئے یہ خود ہی کوئی حماقت اور بے وقوفی کرتے ہیں ،اگر ان کا کوئی منصوبہ ناکام ہو جاتا ہے تو وہ فوراً نئی منصوبہ بندی میں لگ جاتے ہیں۔ان کے دلائل اتنے بے بنیاد ہیں کہ وہ خود بھی اس سے واقف ہوتے ہیں لیکن پھر بھی اس کا خیال نہیں کرتے"۔

"...یہودی ایک خود غرض،لاپرواہ،اپنے ملک اور خاندان کی غدار مخلوق ہے۔اگر کسی روز کسی ملک کی زمام ان کے ہاتھوں میں آجائے اور وہ اسے اپنا مال سمجھنے لگیں تو وہ اس ملک کو دوسرے ملک میں تخریب کاری پھیلانے کا مرکز بنا دیتے ہیں"۔[۱،۲]

---

[۱]۔نبرد من: ۴۵.

[۲]۔تحلیلی بر عملکرد یہود در عصر نبوی: ۱۱۸.

دوسرا باب

بنی امیہ کے کارکن اور ایجنٹ

(یہودیوں کے رنگ میں رنگنے والے)

۱۔ سلّام بن مشکم اور...

کتاب ''پیامبر ﷺ و یہود حجاز'' میں لکھتے ہیں:

تاریخ اسلام کے منابع میں یہودی سربراہوں میں سے کچھ نام دوسروں سے نمایاں نظر آتے ہیں۔ جیسے کعب بن اشرف، ابو رافع (سلّام ابن ابی حقیق) اور ابو حقیق کا خاندان کہ جن میں کعب بن اسد، حیی بن اخطب اور اس کا خاندان، مخیّریق، سلّام[1] بن مشکم، عبداللہ بن سلّام، محمد بن کعب قرظی اور کعب الأحبار۔

کعب بن اشرف بنی نضیر کے شاعروں میں سے تھا جو اسلام، مسلمانوں اور پیغمبر اکرم ﷺ کے خلاف اپنے پروپیگنڈوں اور سازشوں کی وجہ سے آنحضرت کے اصحاب کے ہاتھوں مارا گیا۔ حکومت مدینہ کے خلاف اٹھنے والی تحریکوں میں ابو رافع کا بھی بہت اہم کردار تھا اور آخر میں اسے اسی کی سزا ملی تھی۔

کنانہ بن ربعی بن حُقیق ؛ جسے کبھی کنانہ بن ابی حقیق کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے اور جو خیبر کے بزرگوں میں سے تھا اور وہ ان کا صاحب کنز تھا۔[2] وہ خیبر کی جنگ میں مارا گیا۔ اس سے پہلے مدینہ کے خلاف جماعتوں کی تحریکوں میں بھی اس کا نام نظر آتا ہے۔

حیی بن اخطب، جو پیغمبر اکرم ﷺ سے معاہدے پر دستخط لینے کے لئے بنی نضیر کا نمائندہ تھا اور اسلام کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھا۔ وہ اس قبیلہ کا بزرگ شمار کیا جاتا تھا، عہد و پیمان توڑنے کی وجہ سے اسے مدینہ سے نکال دیا گیا اور وہ خیبر چلا گیا۔ جنگ احزاب میں اس نے کعب بن اسد (جو بنی قریظہ کا بزرگ اور رسول اکرم ﷺ سے معاہدہ میں مدّ مقابل تھا) سے بہت اصرار کیا اور اسے پیغمبر ﷺ سے کئے گئے معاہدے کو توڑنے اور پیغمبر ﷺ کے دشمنوں سے مل جانے پر مجبور کیا۔ ان دونوں افراد کا انجام یہ ہوا کہ یہ دونوں بنی

---

[1] ۔ منابع میں ان یہودیوں کا نام تشدید کے نقل ہوا ہے اور اگر مؤرخین نے اس کی طرف توجہ نہ بھی کی ہو تو پھر بھی محققین نے اس کی تاکید کی ہے۔ سہیلی ''عبداللہ بن سلّام'' کے نام کے ذیل میں کہتے ہیں: چونکہ سلام (تشدید کے بغیر) خدا کے اسماء میں سے ہے اس لئے مسلمانوں میں یہ نام نہیں ہے بلکہ یہودی اس طرح (سلام، تشدید کے بغیر) نام رکھتے تھے۔ لیکن سہیلی کے قول پر بہت سے اعتراضات ہوئے کہ جن میں سے ایک یہی مورد ہے۔

[2] ۔ آل ابی حقیق کا کنز یہودیوں کے مال کا خزانہ تھا۔ اونٹ کی کھال میں اس کی حفاظت کی جاتی تھی، جو اس خاندان کے بزرگ کے پاس ہوتا تھا۔ مکہ کی شادیوں کے لئے یہ خزانہ کرائے پر دیا جاتا تھا اور کبھی ایک مہینہ کے لئے یہ مکہ والوں کے پاس ہوتا۔ ''المغازی: ج ۲ ص ۶۷۱''۔

قریظہ کے واقعہ میں مارے گئے۔

مخیّریق ؛ یہ وہ تنہا یہودی تھا جس نے اسلام قبول کیا اور اس پر ثابت قدم رہا۔ان کا شمار بنی قینقاع کے بزرگوں اور عالموں میں ہوتا تھاجو پیغمبر ﷺ سے کئے گئے معاہدے میں یہودیوں کے تیسرے گروہ کے نمائندہ تھے۔جب رسول اکرم ﷺ جنگ احد کے لئے مدینہ سے باہر گئے تو مخیّریق نے اپنی قوم سے کہا: تمہیں پتہ ہے کہ وہ خدا کا پیغمبر ہے اس لئے ان کی مدد کرنی چاہئے۔یہودیوں نے کہا:آج ہفتہ کا دن ہے اور وہ ان کے ساتھ نہ گئے۔مخیّریق نے اسلحہ اٹھایا اور احد پہنچ گئے اور مسلمانوں سے مل کر جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔پیغمبر ﷺ نے فرمایا ہے: یہودیوں میں سے مخیّریق بہترین تھے۔[1]

سلّام بن مشکم اگرچہ اسلام کے دشمنوں میں سے تھا لیکن اس کے باوجود اپنے یہودی کیش اور علماء کو رسول خدا ﷺ سے جنگ کرنے اور عہد و پیمان توڑنے سے خبردار کیا کرتا تھا اور آنحضرت کی رسالت کا معترف تھا۔[2] غزوۂ سویق میں بھی اس یہودی کا نام ملتا ہے۔بدر کی شکست کے بعد ابو سفیان نے رسول اکرم ﷺ سے جنگ کرنے کی نذر کی تھی جس کے لئے وہ مشرکین کے ایک گروہ کے ساتھ چھپ کر مدینہ آیا تھا اور بنی نضیر کے پاس گیا تھا۔سلّام بن مشکم نے (جو اس وقت بنی نضیر کا بزرگ اور ان کا صاحب کنز تھا) ابو سفیان کی بات مان کر اسے مسلمانوں کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔مشرکوں نے مدینہ کے اطراف میں انتشار پھیلایا اور وہ ستّوؤں کو وہیں چھوڑ کر اس جگہ سے چلے گئے۔جب مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا تو انہیں وہی ستّو ملے جو ابو سفیان اور اس کے ساتھیوں کا زاد راہ تھا،اس وجہ سے اسے غزوۂ سویق کہا جاتا ہے۔[3] سلّام بن مشکم مدینہ سے نکل جانے کے بعد خیبر میں زندگی گزارتا تھا۔بنی قریظہ کے واقعہ اور حیی بن اخطب کے مارے جانے کے بعد اس نے ایک بار پھر یہودیوں کی قیادت سنبھالی اور جنگ خیبر میں قتل ہو گیا جب کہ وہ بستر مرگ پر تھا۔[4] جنگ خیبر کے بعد جس عورت نے رسول اکرم ﷺ کو زہر دیا تھا وہ اسی سلّام کی بیوی تھی کہ جس کا باپ اور چچا بھی جنگ میں مارے گئے تھے۔[5]

---

[1] ۔ سیرۂ ابن ہشام: ۵۱۸۱،المغازی: ج ا ص ۲۶۲.

[2] ۔ المغازی: ج ا ص ۳۶۸،۳۶۵ اور ۳۷۳.

[3] ۔ سیرۂ ابن ہشام: ج ۲ ص ۴۴،المغازی: ج ا ص ۱۸۱.

[4] ۔ المغازی: ج ا ص ۵۳۰ اور ج ۲ ص ۶۷۹.

[5] ۔ سیرۂ ابن ہشام: ج ۲ ص ۳۳۷ اور ۶۷۹.

عبداللہ بن سلّام وہ دوسرا یہودی تھا جس نے اسلام قبول کیا لیکن مخیّریق کے برعکس آخر میں یہ امویوں کا آلۂ کار اور اہلبیت اطہار علیہم السلام کا مخالف بن گیا۔ یہی موضوع اور اس کا اسرائیلیات سے آگاہ ہونا باعث بنا کہ اس سے نقل ہونے والی روایات یا اس کے بارے میں نقل ہونے والی گزارشات کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ مثلاً اس کے اسلام قبول کرنے کے زمانے کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ اس نے ہجرت کے پہلے سال اسلام قبول کیا۔[1]

ابن اسحاق نے خود عبداللہ سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کے مدینہ میں داخل ہوتے وقت اس نے اسلام قبول کیا کہ جب آنحضرت قبا میں رہتے تھے۔[2] لیکن اس کے اسلام لانے کے بارے میں ایک دوسری خبر یہ ہے کہ اس نے سن آٹھ ہجری میں اسلام قبول کیا۔[3] معاصر مؤرخ جعفر مرتضی عاملی دوسرے قول کو قبول کرتے ہیں اور کہتے ہیں: اس روایت کی طرف توجہ نہ کرنے کی وجہ اس کے راویوں میں سے ایک کا شیعہ ہونا ہے۔[4]

دوسرا مورد اختلاف موضوع اس کے بارے میں نازل ہونے والی کچھ آیات کا شان نزول ہے۔ انہیں آیات میں سے ایک سورۂ احقاف کی آیت ہے، جس میں ارشاد ہوتا ہے: ''کہہ دیجئے کہ تمہارا کیا خیال ہے اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہے اور تم نے اس کا انکار کر دیا جب کہ بنی اسرائیل کا ایک گواہ ایسی ہی بات کی گواہی دے چکا ہے اور وہ ایمان بھی لایا ہے اور پھر بھی تم نے غرور سے کام لیا ہے، بیشک اللہ ظالمین کی ہدایت کرنے والا نہیں ہے''۔[5]

بہت سی کتابوں میں ذکر ہوا ہے کہ یہ آیت عبداللہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[6] لیکن بعض کہتے ہیں چونکہ سورۂ احقاف مکی ہے اور عبداللہ نے مدینہ میں اسلام قبول کیا تھا، اس لئے اس آیت سے عبداللہ مراد

---

[1]۔ تاریخ خلیفہ: ۱۹، دلائل النبوۃ: ج۲ ص۵۲۶۔ بیہقی نے اس کتاب میں ایک مخصوص باب تشکیل دیا ہے، جس میں عبداللہ کے اسلام قبول کرنے کی روایت کو ذکر کیا ہے۔

[2]۔ سیرۂ ابن ہشام: ج۱ ص۵۱۶۔

[3]۔ الاصابہ: ج۴ ص۱۱۸۔

[4]۔ الصحیح: ج۴ ص۱۴۵۔

[5]۔ سورۂ احقاف، آیت: ۱۰۔

[6]۔ صحیح البخاری: ج۴ ص۲۲۹، الطبقات الکبری: ج۲ ص۲۶۹، مجمع البیان: ج۵ ص۱۲۶۔

نہیں ہو سکتا۔[۱]

علامہ طباطبائی سورہ کے مکی اور آیت کے مدنی ہونے کے اشکال کو ردّ کرتے ہوئے متعدد روایات کی بنیاد پر عبداللہ کو ہی اس آیت کا مصداق سمجھتے ہیں۔ نیز وہ ان روایات کو بھی اشکال سے خالی نہیں سمجھتے۔[۲]

عبد اللہ کو جن دوسری آیات کا مصداق شمار کیا جاتا ہے، وہ یہ ہیں: سورۂ آل عمران آیت ۱۹۹، سورۂ رعد آیت ۴۳ اور سورۂ شعراء کی آیت ۱۹۷۔[۳]

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اہل کتاب میں سے اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد بہت کم تھی[۴]، اس لئے راویوں اور مفسروں نے اہل کتاب کے ایمان لانے کی طرف اشارہ کرنے والی آیات عبداللہ بن سلّام پر منطبق کی ہیں۔ البتہ ان تین آیتوں کے بارے میں دوسروں کے نام بھی ذکر کئے گئے ہیں۔

ان سب کے باوجود شعبی نے کہا ہے: ''کوئی آیت بھی عبد اللہ کی شأن میں نازل نہیں ہوئی ہے۔(۵) دلچسپ تو یہ ہے کہ ایک رپورٹ میں ان شأن نزول کا راوی بھی خود عبداللہ ہے!

عسقلانی کہتے ہیں: جب ابن سلّام عثمان کا دفاع کرنے کے لئے لوگوں سے بات کر رہا تھا تو اس نے اشارہ کیا کہ میرے بارے میں آیہ ''شَهِدَ شَاهِدٌ'' اور ''مَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ'' نازل ہوئی ہے۔[۶] ابن سلّام کے بارے میں دوسرا قابل توجہ موضوع کچھ روایات ہیں جن میں اسے ''عشرۂ مبشرہ''[۷] میں سے قرار دیا گیا ہے۔[۸]

---

[۱]۔ الدر المنثور: ج۷ ص۳۸۰.

[۲]۔ المیزان: ج۱۸ ص۱۹۹ اور ۲۰۳.

[۳]۔ ان تین آیتوں کے بارے میں بالترتیب: المغازی: ۳۲۹، مجمع البیان: ۴۶۲۳، الطبقات الکبری: ۲۶۹۲.

[۴]۔ ابن اسحاق نے صرف مخیّریق اور عبداللہ بن سلّام کا نام ذکر کیا ہے کہ جنہوں نے اسلام قبول کیا تھا (سیرۂ ابن ہشام: ج۱ ص۵۱۶) البتہ کہا جاتا ہے کہ یہودیوں میں سے کچھ دوسرے افراد نے بھی اسلام قبول کیا تھا، (سبل الہدی: ج۳ ص۳۷۸) لیکن بہ ہر حال ان کی تعداد کم ہے۔

[۵]۔ الدر المنثور: ج۷ ص۳۸۰۔ جعفر مرتضی عاملی بھی ان قرآنی آیتوں کو عبداللہ پر منطبق کرنے کی مخالفت کرتے ہیں اور اس روایت کو تقویت دیتے ہوئے لکھتے ہیں: بعید نہیں کہ معاویہ نے ابن سلّام کے لئے فضیلت گھڑی ہو، بالخصوص آیۂ رعد کے مصداق امیر المؤمنین علی علیہ السلام ہیں۔ وہ کتاب سلیم کی ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں جس میں قیس بن سعد آیت کو حضرت علی علیہ السلام اور معاویہ اسے عبداللہ سے تفسیر کرتا ہے۔ (الصحیح: ج۴ ص۱۴۸ اور ۱۵۰).

[۶]۔ الاصابۃ: ج۴ ص۱۲۰.

[۷]۔ وہ دس افراد جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے انہیں جنت کی بشارت دی ہے!

[۸]۔ صحیح البخاری: ج۴ ص۲۲۹، الطبقات الکبری: ج۲ ص۲۶۹.

ان متعدد روایتوں (جنہیں نقل کرنے کے سلسلہ میں عبداللہ بن سلّام کا نام بھی ہے) کے علاوہ جس مورد میں اس کا نام منابع میں نقل ہوا ہے وہ عثمان کے محاصرہ کا واقعہ ہے۔ اس بارے میں مؤرخین کا بیان ہے کہ عبداللہ بن سلّام نے عثمان کا محاصرہ کرنے والوں کو دور کرنے اور انہیں خلیفہ کا خون بہانے سے روکنے کی کوشش کی۔

عبداللہ کے جواب میں مخاطبین نے کہا:

''اے یہودی زادہ! ان امور سے تمہارا کیا سروکار؟''[1]

ابن شبّہ نے اپنی کتاب میں عبداللہ کی جانب سے عثمان کا دفاع کرنے کے بارے میں ایک باب لکھا ہے[2] اور ابن سعد نے عثمان کی حمایت میں اس سے روایات نقل کی ہیں اور لکھا ہے:

عبداللہ بن سلّام نے عثمان کے قتل کے دن کہا: ''آج عرب نابود ہو گئے''۔[3]

یہ تازہ مسلمان یہودی ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی بیعت نہیں کی تھی![4] اور جو سنہ ۴۳ھ میں اس دنیا سے چلا گیا۔[5]

۲۔ ایک دوسرا گروہ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک دوسرے گروہ کا بھی سامنا تھا؛ جنہوں نے مسلمانوں کے لئے بہت زیادہ مشکلات کھڑی کیں، اور یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ظاہری طور پر تو اسلام قبول کیا تھا لیکن ان کے دلوں میں اسلام راسخ نہیں ہوا تھا حتی کہ وہ اسے نیست و نابود کرنے کے لئے کوشاں تھے۔ خداوند کریم نے قرآن کی بہت سی آیتوں میں ان کی سخت سرزنش کی ہے اور ان کی صفات کو بیان فرمایا ہے۔

اگر تاریخی شواہد سے استفادہ کیا جائے تو ظاہری طور پر اسلام قبول کرنے والوں میں اکثریت یہودیوں کی

---

[1] ۔ انساب الأشراف: ج ۶ ص ۱۹۲ اور ۲۲۱، تاریخ الطبری: ج ۳ ص ۴۵۲۔

[2] ۔ تاریخ المدینہ: ج ۲ ص ۱۱۷۵۔

[3] ۔ الطبقات الکبری: ج ۳ ص ۵۹۔

[4] ۔ مروج الذہب: ج ۲ ص ۳۶۱، شرح نہج البلاغہ: ۹۴، تاریخ الطبری: ج ۳ ص ۴۵۲۔

[5] ۔ تاریخ خلیفہ: ۱۲۶۔

تھی۔ابن اسحاق نے اپنی کتاب کے ایک باب میں یہودیوں کے کچھ علماء کا نام ذکر کیا ہے جنہوں نے ظاہراً تو اسلام کیا لیکن وہ منافقین کا حصہ تھے۔ان افراد میں رفاعۃ بن زید بن تابوت، زید بن لصیت، عثمان اور نعمان جو اوفی کے بیٹے شامل تھے، رافع بن حریملہ، سعید بن حنیف، سلسلۃ بن براہام اور کنانۃ بن صوریا۔[1]

بلاذری نے سوید، داعس، مالک بن ابی نوفل (نوقل) اور لبید بن اعصم کا نام بھی ذکر کیا ہے۔[2]

ان ناموں میں سے زید بن لصیت (لصیب) کا نام تاریخ اور سیرت کی اکثر و بیشتر کتابوں میں نظر آتا ہے۔مؤرخین نے کہا ہے: جنگ تبوک میں جب پیغمبر اکرم ﷺ کا اونٹ گم ہو گیا تھا تو زید نے کہا: محمد (ﷺ) کا خیال ہے کہ وہ پیغمبر ہے اور آسمان کی خبر دیتا ہے لیکن انہیں یہ نہیں پتہ کہ ان کی سواری کہاں ہے۔

رسول خدا ﷺ کو اس کی ان باتوں کی خبر ہوئی تو آپ نے فرمایا: خدا نے جو کچھ مجھے تعلیم دیا میں اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتا۔اب خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ اونٹ فلاں جگہ ہے۔مسلمان اسی جگہ گئے جس کے بارے میں پیغمبر ﷺ نے بتایا تھا اور وہاں سے اونٹ لے آئے۔[3]

واقدی نے یہ واقعہ دو جگہ غزوۂ بنی مصطلق اور جنگ تبوک میں ذکر کیا ہے۔[4] جس سے ایسے لگتا ہے کہ یہ ملتا جلتا واقعہ دو بار پیش آیا ہو۔لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ اصل واقعہ ایک ہی بار پیش آیا تھا لیکن جب مختلف راویوں نے اسے نقل کیا تو غزوہ کو معین کرنے میں (جس میں یہ واقعہ پیش آیا) ان میں اختلاف اور اشتباہ ہوا۔

رفاعۃ بن زید بن تابوت (واقدی نے جس کا نام "زید بن رفاعۃ بن تابوت" لکھا ہے) کے بارے میں ذکر ہوا ہے: غزوۂ مریسیع (بنی مصطلق) سے واپسی پر تند و تیز ہوا چلی جس سے مسلمان خوفزدہ ہو گئے۔رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ڈرو نہیں۔یہ ہوا مدینہ میں منافقوں کے ایک بزرگ کی موت کی وجہ سے چلی ہے۔جابر بن عبداللہ نے کہا: جب ہم مدینہ پہنچے تو میں نے گھر جانے سے پہلے پوچھا کہ آج کس کی موت واقع

---

[1] ۔سیرۂ ابن ہشام: ج۱ص۵۲۷.

[2] ۔انساب الاشراف: ج۱ص۳۳۹اور ۳۴۰.

[3] ۔تاریخ الطبری: ج۳ص۳۷۰.

[4] ۔المغازی: ج۱ص۴۲۴اور ج۲ص۱۰۱۰.

ہوئی ہے؟ کہا: زید بن رفاعہ۔[۱]

طبری نے بھی یہ واقعہ غزوۂ مریسیع میں ذکر کیا ہے[۲]، لیکن جنگ تبوک کا واقعہ بیان کرتے وقت بھی اس کے نام کو دوہرایا ہے۔[۳]

ابن اسحاق نے رسول اکرم ﷺ سے اسی سے ملتا جلتا جملہ رافع بن حریملہ کے بارے میں بیان کیا ہے کہ جب تند و تیز ہوا چلنا شروع ہوئی تو فرمایا: آج منافقوں کا ایک بڑا مر گیا ہے۔ لیکن سیرت کے ایک دوسرے مقام پر اس کا نام ذکر کرکے اسے یہودیوں میں سے شمار کیا ہے جس میں اس کے اسلام قبول کرنے اور نفاق کے بارے میں کوئی بات نہیں کی گئی۔[۴]

بلاذی نے یہودیوں کے کنیسہ میں منافقین کی رفت و آمد کی خبر دی ہے اور ایک ددوسری جگہ کہا ہے: مالک بن نوفل (جو یہودی عالم تھا) نے اسلام تو قبول کیا لیکن وہ یہودیوں کو رسول خدا ﷺ کی خبریں پہنچاتا تھا۔[۵]

گزشتہ ابحاث سے یہ استفادہ کیا جاتا ہے کہ ابتدائے اسلام میں یہودی ہونے کی وجہ سے کچھ منافقین کے ان دو گروہوں کے ساتھ اچھے تعلقات تھے۔ بنی قینقاع اور بنی نضیر کے دو حادثوں میں عبداللہ بن ابی (منافقین کا سرکردہ) کی جانب سے یہودی دوستوں کو چھڑانے کی کوششوں کو اس مطلب کی دلیل قرار دیا جا سکتا ہے۔ ابن ابی کے ساتھی اور ہم فکر یہودیوں میں سے تھے جن کے نام مؤرخین نے اسی کے ساتھ ذکر کئے ہیں اور جن کے نام پہلے ذکر کئے گئے ہیں۔[۶]

---

[۱]۔ المغازی: ج۱ص ۴۲۳، سیرۂ ابن ہشام: ج۲ص ۲۹۲ (کچھ فرق کے ساتھ).

[۲]۔ تاریخ الطبری: ج۲ص ۲۶۲.

[۳]۔ تاریخ الطبری: ج۲ص ۳۶۷.

[۴]۔ سیرۂ ابن ہشام: ج۱ص ۵۲۷، انساب الأشراف: ج۱ص ۳۴۰.

[۵]۔ انساب الأشراف: ج۱ص ۳۲۹ اور ۳۳۹.

[۶]۔ پیغمبر ﷺ و یہود حجاز: ۵۲.

۳۔ابوہریرہ

صحیح بخاری میں ایک طولانی حدیث کے ضمن میں ذکر ہوا ہے: ابوہریرہ نے اپنا پیٹ بھرنے کے لئے رسول خداﷺ کی ملازمت کی۔[۱]

اسی جگہ ابن مسیّب اور ابو مسلمہ کے سلسلہ سے ابوہریرہ سے نقل ہوا ہے کہ اس نے کہا: میں اپنا پیٹ بھرنے کے لئے رسول خداﷺ کے ہمراہ تھا!"[۲]

اسی طرح بخاری نے ابوہریرہ تک اپنی سند سے خود اسی سے نقل کیا ہے: لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ رسول خداﷺ کی طرف بہت زیادہ حدیثوں کی نسبت دیتا ہے حالانکہ میں ہمیشہ آنحضرت کے ساتھ ہوتا تھا کہ شاید میرا پیٹ بھر جائے۔[۳]

یا خود ابوہریرہ سے نقل ہوا ہے: میں نے خود کو دیکھا کہ میں بھوک کے مارے رسول خداﷺ کے منبر اور عائشہ کے حجرے کے درمیان نڈھال گرا پڑا تھا، جو کوئی بھی آتا میری گردن پہ پاؤں رکھتا اور سوچتا کہ میں پاگل ہوں جب کہ میں پاگل نہیں تھا بلکہ سخت بھوک کی وجہ سے میری ایسی حالت تھی۔[۴]

گویا اس نے پیغمبرﷺ کے ساتھ اپنی ساری زندگی راستہ میں بیٹھ کر اپنی بھوک کا اظہار کرتے ہوئے اور تھوڑے سے کھانے کی درخواست کرتے ہوئے گزار دی جب کہ اس کا کوئی اور کام نہیں تھا۔اس کا نام نہ تو کسی جنگ میں ملتا ہے اور نہ ہی صلح میں۔البتہ کہتے ہیں کہ وہ جنگ موتہ میں دشمن کے لشکر سے ڈر کر بھاگ گیا تھا[۵]،اس کے علاوہ اس کی بہادی کا کوئی اور واقعہ ذکر نہیں ہوا ہے!

جب معاویہ تخت خلافت پر بیٹھا اور ناجائز اموی حکومت نے اسلامی معاشرے کی ذمہ داری سنبھالی تو ابوہریرہ کو دوبارہ نئی زندگی ملی اور اس کی معمولی زندگی ایک شاہانہ زندگی میں بدل گئی۔

ابوریّہ لکھتے ہیں: جب حضرت علی علیہ السلام اور معاویہ کے درمیان یا دوسرے لفظوں میں بنی امیہ اور

۱۔ صحیح بخاری: ج۱ص ۲۴، کتاب العلم، باب حفظ علم.
۲۔ صحیح بخاری: ج۳ص۱، کتاب البیوع.
۳۔ صحیح بخاری: ج۲ص۱۹۷، باب مناقب جعفر بن ابی طالب.
۴۔ صحیح بخاری: ج۴ص۱۷۵، کتاب اعتصام بہ کتاب وسنت، نیز ملاحظہ کریں: تذکرۃ الحفاظ: ج۱ص۳۵ اور الاصابۃ: ج۴ص۲۰۲.
۵۔ المستدرک: ۴۲۳.

بنی ہاشم کے درمیان جنگ کی آگ بھڑکی اور مسلمان مختلف فرقوں میں بٹ گئے تو ابوہریرہ بھی اپنے نفس اور اپنی ہواو ہوس کے پیروی کرتے ہوئے معاویہ کے ساتھ مل گیا؛ کیونکہ معاویہ کی طرف اسے طاقت، دنیا کا مال، عیش و عشرت اور دنیاوی زندگی کی تمام تر سہولتیں مہیا تھیں ، لیکن حضرت علی علیہ السلام کی طرف تقوی وپرہیزگاری کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔

یہ واضح سی بات ہے کہ ابوہریرہ ایسے امور سے بیزار تھا۔اس بناء پر ابوہریرہ نے معاویہ کے دربار کی طرف جانے والا راستہ اختیار کیا تا کہ وہ اس کے رنگ برنگے دسترخوان، تحائف اور قیمتی انعامات سے مستفید ہوسکے اور اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرسکے۔

وہ ابوہریرہ جو کبھی بھوک کی وجہ سے غش کھا کر دروازے پہ گر جاتا تھا- جیسا کہ اس نے خود کہا ہے-وہ کس طرح بنی امیہ کی دولت، طاقت اور خوش ذائقہ و لذیذ کھانوں کو ہاتھ سے جانے دیتا اور کس طرح حضرت علی علیہ السلام کے ساتھ جو کی روٹی پر گزارا کرسکتا تھا؟ یہ ایک ایسی چیز ہے جو انسانی طبیعت اور نفسانی غرائز کے ساتھ سازگار نہیں ہے، مگر چند گنے چنے افراد کہ جنہیں خدا نے لغزشوں سے محفوظ رکھا ہو۔[1]

بنی امیہ کے برسرکار آنے سے ابوہریرہ بھی ان کے دوستوں اور مبلّغوں کے دائرے میں آگیا، جس نے اپنی زبان اور روایات سے ان کی مدد کی اور اس طرح اسے ان کا لطف، عنایات، تحائف اور لذیذ غذائیں میسر آئیں۔[2] بالخصوص ''مضیرۃ''[3] جو معاویہ کی بہترین غذا شمار کی جاتی تھی اور ابوہریرہ کو وہ غذا اتنی پسند تھی کہ اسے اسی کے نام کا لقب دے دیا گیا اور یہ لقب اس کا لازمہ بن گیا اور وہ ہر زمانے میں اسے ''شیخ المضیرۃ'' کے نام سے پہچانا جانے لگا۔

محمد عبدہ کہتے ہیں: جب لوگوں نے حضرت علی بن ابی طالب علیہما السلام کی بیعت کی تو اس کے بعد معاویہ نے خلافت کا دعوی کیا لیکن حضرت علی علیہ السلام کی حیات میں لذت و شہوت کے پیروکاروں اور مضیرۃ (جو

---

[1] ۔ شیخ المضیرۃ: ۲۰۷اور ۲۰۸، وأضواء علی السنّۃ المحمدیّۃ: ۲۱۳.

[2] ۔ سید شرف الدین عاملی لکھتے ہیں: امویوں کے خلافت پر آنے کے بعد انہوں نے ابوہریرہ کو زمین سے اٹھا کر اس سے غربت وتنگدستی اور بیچارگی کی خاک جھاڑ دی اور اسے ریشم کا بہترین لباس پہنا دیا۔ انہوں نے اسے ریشم اور لیلن کے کپڑے پہنائے اور محلّہ عقیق میں اس کے لئے محل بنوایا اور اس طرح انہوں نے اس کے گلے میں نوکری کا طوق ڈال دیا اور اس کے نام کو بلند کیا اور اسے مدینہ کی حکومت دے دی۔ (ابوہریرہ اور جعلی حدیثیں: ۵۰).

[3] ۔ مضیرۃ گوشت کی ایک قسم ہے جسے کبھی لسّی اور کبھی تازہ دودھ کے ساتھ ملا کر پکاتے ہیں اور پھر اس میں مصالحہ اور دوسری چیزیں ڈالتے ہیں جس سے وہ مزید لذیذ ہو جاتی ہے۔ (شیخ المضیرۃ: ۵۵).

معاویہ کے کھانوں میں سے ایک تھا) میں دلچسپی رکھنے والوں کے علاوہ کسی نے معاویہ کی طرفداری نہیں کی۔اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہاسی وجہ سے مضیرۃ کھانے والے معاویہ کی خلافت کی گواہی دی تھی۔[1]

کہتے ہیں: ابوہریرہ مضیرۃ کو بہت پسند کرتا تھااور وہ معاویہ کے دستر خوان پر یہ غذا کھاتا تھااور جب نماز کا وقت ہوتا تھاتو حضرت علی علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھتا تھااور جب بھی اس سے اس بارے میں بات کی جاتی تو اس کے جواب میں کہتا:

''معاویہ کامضیرۃ زیادہ لذیذ ہےاور حضرت علی علیہ السلام کے پیچھے نماز افضل ہے''۔[2]

۴۔ عبداللہ بن عمرو عاص

اسے مصر میں اپنے باپ عمروعاص سے ارث میں سونے کے خزانے ملے تھے اسی لئے اسے پیغمبر ﷺ کے اصحاب میں سے بادشاہوں میں شمار کیا جاتا ہے۔[3]

بعض آثار اور تاریخی روایات اس کی حکایت کرتی ہیں کہ وہ رسول خداﷺ کی احادیث بھی لکھتا تھا حتی کہ ''صادقہ'' کے نام سے ایک صحیفہ کو بھی اس سے نسبت دی جاتی ہے کہ جس میں اس نے پیغمبر اکرم ﷺ کی حدیثوں کو جمع کیا گیا ہے۔[4]

بخاری نے بھی کتاب علم میں ابوہریرہ سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتا تھا: عبداللہ بن عمرو کے علاوہ کسی نے بھی مجھ سے زیادہ پیغمبر اکرم ﷺ سے حدیثیں نقل نہیں کی ہیں ، وہ جو کچھ بھی سنتا اسے لکھ لیتا لیکن میں لکھتا نہیں تھا۔

اسی طرح کہتے ہیں: اس نے سریانی زبان بھی سیکھی تھی جو تورات کی اصل زبان ہے

طبقات ابن سعد میں شریک بن خلیفہ سے نقل ہوا ہے کہ وہ کہتا ہے: میں نے عبداللہ کو سریانی زبان

---

[1] ۔ شیخ المضیرۃ: ۵۷.

[2] ۔ اسرائیلیات وتأثیر آن بر داستان ہای انبیاء در تفاسیر قرآن: ۱۲۷.

[3] ۔ تذکرۃ الحفاظ: ج۱ ص ۴۲.

[4] ۔ طبقات ابن سعد: ج۴ ص۲۶۱ اور ج۵ ص۱۸۹، ''اسرائیلیات و أثرھا فی کتب التفسیر'' سے اقتباس: ۱۴۵.

کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہوئے دیکھا۔[۱]

عبداللہ اور اسرائیلی ثقافت

مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ سن تیرہ ہجری میں ابوبکر نے شام کو فتح کرنے کے لئے ایک لشکر کو اس کی طرف بھیجا اور فوج کے ایک گروہ کی کمانڈ عمرو بن عاص کو دی۔

کہتے ہیں: عمرو کا بیٹا یعنی عبداللہ بھی اس جنگ میں شامل تھا اور "یرموک" کی سرزمین پر مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان جو شدید جنگ ہوئی اس میں عبداللہ اسی لشکر کا علمدار تھا جس کی کمانڈ اس کے باپ کے پاس تھی۔[۲]

عبداللہ کے لئے جنگ "یرموک" کے دوران پیش آنے والے واقعات میں ایک اسے دو بار اہل کتاب کی کتابوں سے لدے اونٹوں کا ملنا تھا۔ (جو اہل کتاب کے معارف سے اس کی آشنائی پر بہت اہم اثر رکھتا ہے) وہ ان غنائم کا بہت خیال رکھتا تھا اور مسلمان کے لئے اہل کتاب کے انہی معارف سے بہت زیادہ مطالب نقل کرتا تھا، جس کی وجہ سے تابعین سے پہلے کے افراد عبداللہ سے احادیث نقل کرنے سے پرہیز کرتے تھے۔[۳]

وہ مسلمانوں کے لئے ان کتابوں کے مطالب بیان کرنے میں اتنا افراط کرتا تھا کہ بعض اسے واضح الفاظ میں کہتے تھے کہ ان دو کتابوں کے مطالب بیان کرنے سے پرہیز کرے۔

احمد بن حنبل کا اپنا قول اس کی اپنی مسند میں اس مدّعا پر بہترین شاہد ہے: اس نے نقل کیا ہے کہ ایک دن کوئی شخص عبداللہ کے پاس آیا اور اس سے کہا: تم نے رسول خداﷺ سے جو کچھ سنا ہے، اس میں سے کچھ میرے لئے بھی نقل کرو، نہ کہ اونٹوں کے اس وزن سے کہ جو فتح "یرموک" میں تمہارے ہاتھ لگا۔[۴]

ابی سعد سے ایک دوسری روایت میں نقل ہوا ہے کہ میں عبداللہ عمرو کے پاس گیا اور اس سے کہا: تم نے رسول خداﷺ کی احادیث سے جو کچھ سنا ہے، اس میں سے نقل کرو نہ کہ تورورات وانجیل سے۔[۵،۶]

---

[۱] ۔ طبقات ابن سعد: ج۴ص۲۶۱، "اسرائیلیات و أثرها فی کتب التفسیر" سے اقتباس: ۱۴۶.

[۲] ۔ اسد الغابۃ: ج۳ص۲۴۳.

[۳] ۔ فتح الباری: ج۱ص۱۶۷ "أضواء علی السنّۃ المحمدیّۃ" سے اقتباس: ۱۶۴، نیز مملاحظہ فرمائیں: تذکرۃ الحفاظ: ج۱ص۴۲.

[۴] ۔ مسند احمد بن حنبل: ج۲ص۲۰۹، ۲۰۳، ۲۰۲، ۱۹۵. نیز ملاحظہ کریں: تفسیر ابن کثیر: ج۳ص۱۰۲.

[۵] ۔ مسند احمد بن حنبل: ج۱۱ص۱۷۳، ۷۹، ۷۸.

[۶] ۔ اسرائیلیات وتأثیر آن بر داستان ہای انبیاء در تفاسیر قرآن: ۱۳۸.

۵۔ مسروق بن اجدع ہمدانی کوفی

کتاب ''بازتاب تفکر عثمانی در واقعۂ کربلا'' میں لکھتے ہیں:

اموی قاضیوں میں سے ایک مسروق بن اجدع کوفی ہے۔ وہ امیر المؤمنین حضرت امام علی علیہ السلام کے دشمنوں میں سے تھا اور آپ پر سبّ و شتم کرنے میں افراط اور زیادہ روی کرتا تھا۔

جب کبھی بھی شریح کوفہ میں نہ ہوتا تو وہ کوفہ میں قضاوت کا منصب سنبھالتا تھا۔ کتاب ''بازتاب تفکر عثمانی'' میں اس کے بارے میں بہت اہم مطالب نقل کئے گئے ہیں:

مسروق بن اجدع ہمدانی کوفی (متوفی سنہ ۶۳ ہجری):[۱]

''اجدع یعنی کٹی ناک والا اور یہ شیطان کا نام بھی ہے۔ عمر نے اسے عبدالرحمٰن سے بدل دیا تھا۔[۲] یہ عبداللہ بن مسعود کے پانچ خاص صحابیوں میں سے ہے اور بعض کے مطابق ان پانچ افراد میں سے یہ پہلا ہے۔[۳] اس کا شمار تابعی فقہاء و مفسّرین، زہاد ثمانیہ اور کوفہ کے عابدوں میں ہوتا ہے۔[۴] وہ اپنے گھر والوں کے کھانے کا انتظام نہیں کرتا تھا اور کہتا تھا: خدا رزق و روزی دینے والا ہے۔[۵]

اس کا شاگرد شعبی کہتا ہے: مسروق فتویٰ دینے کے لحاظ سے شریح قاضی سے اعلم تھا اور شریح، مسروق کے ساتھ مشورہ کیا کرتا تھا لیکن مسروق، شریح سے بے نیاز تھا۔ وہ علقمہ کے بعد کوفہ میں امام المفسّرین تھا۔[۶] ذہبی نے بھی اسے تفسیر میں امام اور قرآن کے مفاہیم کا علم رکھنے والا عالم قرار دیا ہے!۔[۷]

---

[۱]۔ اس کے تفصیلی حالات زندگی الطبقات الکبری: ج۶ ص۷۶، تہذیب التہذیب: ج۱۰ ص۱۰۰ اور ارموی کی کتاب الغارات: ج۲ ص۷۰۲ ح۹۰۹ میں ذکر ہوئے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ وہ بچپن میں گم ہو گیا تھا اور جب ملا تو اس کا نام مسروق رکھ دیا گیا۔ (قاموس الرجال: ج۱۰ ص۵۳).

[۲]۔ الطبقات الکبری: ج۶ ص۷۶.

[۳]۔ الطبقات الکبری: ج۶ ص۷۶، تاریخ بغداد: ج۱۳ ص۲۳۳-۲۳۴، تہذیب التہذیب: ج۱۰ ص۱۰۰-۱۰۱.

[۴]۔ کتاب الثقات: ج۵ ص۴۵۶، اختیار معرفۃ الرجال: ج۱ ص۳۱۵۔ البتہ ابو مسلم خولانی شامی کی طرح اس کے زہد و تقوی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ ریا اور لوگوں میں مقام حاصل کرنے لئے تھا۔ (ر.ک: رجال ابن داود: ۲۷۸)

[۵]۔ الطبقات الکبری: ج۶ ص۷۹.

[۶]۔ الطبقات الکبری: ۸۲.

[۷]۔ التفسیر و المفسرون (ذہبی): ج۱ ص۱۲۰.

قادسیہ میں وہ ابطال میں سے تھا[۱] اور عثمانی تھا،[۲] جو کوفہ کے لوگوں کو عثمان کی مدد کرنے کی دعوت دیتا تھا۔[۳] ان کے علاوہ مسروق نے اپنی تبلیغ اور باتوں سے ابووائل کو بھی عثمانی مذہب کی طرف مائل کیا، جس کا تعلق پہلے علوی مذہب سے تھا۔[۴] وہ اور اسود نخعی عائشہ کے پاس جایا کرتے تھے اور آنحضرت کو برا بھلا کہنے میں مصروف ہو جاتے تھے۔[۵] مرّۂ ہمدانی اور وہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے اپنی عطا دریافت کرنے کے بعد قزوین کی طرف بھاگ گئے۔[۶]

مسروق، امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے دشمنی رکھتا تھا اور آپ کے مدّ مقابل آجاتا حتی اس کی بیوی کہتی تھی کہ مسروق، امیر المؤمنین علی علیہ السلام پر سبّ و شتم کرنے میں زیادہ روی کرتا ہے۔ اس کا شمار ان تین افراد (مسروق، مرّہ اور شریح) میں ہوتا ہے جو امیر المؤمنین حضرت امام علی علیہ السلام پر اعتقاد نہیں رکھتے تھے۔[۷] اس بناء پر اس نے امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی کسی بھی جنگ میں شرکت نہیں کی اور جب اس سے پوچھا گیا: اے مسروق! تم نے علی علیہ السلام کی جنگوں میں کیوں شرکت نہیں کی؟

اس نے کہا: اگر دو صفوں کو ایک دوسرے کے برابر میں دیکھو تو اس وقت فرشتہ نازل ہو گا اور کہے گا: ''وَلاتَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيماً''۔[۸] کیا یہ تمہارے لئے مانع نہیں ہو گا؟!

کہا: کیوں؟

مسروق نے جواب دیا: خدا کی قسم ایسا فرشتہ (جبرئیل) نازل ہوا اور ایسی آیت پیغمبر پر نازل ہوئی اور یہ آیت محکمات میں سے بھی ہے کہ جو نسخ بھی نہیں ہوئی!۔[۹]

---

[۱]۔ الطبقات الکبری: ج۶ ص۷۶۔

[۲]۔ تاریخ الثقات: ج۱ ص۴۶۰۔

[۳]۔ تاریخ الطبری: ج۳ ص۳۸۸۔

[۴]۔ تاریخ الثقات: ج۱ ص۴۶۱۔

[۵]۔ الغارات: ج۲ ص۵۶۳۔

[۶]۔ المسترشد: ۱۵۷۔

[۷]۔ شرح نہج البلاغہ: ج۴ ص۹۸۔ شعبی کو چوتھا شخص شمار کیا گیا ہے۔

[۸]۔ سورۂ نساء، آیت: ۲۹

[۹]۔ الطبقات الکبری: ج۶ ص۷۸۔ اس بناء پر مسروق کا امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی جنگوں میں شریک ہونے والی روایت صحیح نہیں ہو سکتی کہ جس کی طرف ابن حجر نے (تہذیب التہذیب: ج۱۰ ص۱۰۱ میں) اشارہ کیا ہے۔

ایک روایت میں یہ بیان ہوا ہے کہ اس نے یہ بات صفین میں دو لشکروں کے درمیان میں کہی اور وہ یہ بات کہہ کر بھاگ گیا۔[1] اس رو سے علامہ شوستری نے اس روایت کو ردّ کیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ مسروق نے نہروان میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کا ساتھ دیا اور فرض کریں کہ اگر اسے مان بھی لیا جائے تو اس میں کہا گیا ہے کہ حتی اموی بھی خوارج سے جنگ کرنے کو صحیح سمجھتے تھے۔ اور مسروق کے ماضی اور اس کے مقام کو دیکھتے ہوئے اس موضوع میں اس کے لئے کوئی مثبت نکتہ نہیں ہے۔ اس روایت میں مزید کہا گیا ہے کہ عائشہ اسے اپنا منہ بولا بیٹا کہتی تھی، یہ اس کی خباثت کی دلیل ہے۔[2]

امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی نسبت اس کا ایسا مقام تھا اور وہ کچھ مدت تک معاویہ کے لئے ٹیکس وصول کرنے کا کام کرتا رہا اور کچھ عرصے تک قاضی رہا اور اسی منصب پر اس دنیا سے چلا گیا۔[3]

وہ کہتا تھا: زیاد، شریح اور شیطان نے مجھے اس طرف آنے پر مجبور کیا ہے([4]) اور اگر کبھی زیاد، شریح قاضی کو اپنے ساتھ بصرہ لے جاتا تھا تو مسروق کوفہ میں قضاوت کی ذمہ داری سنبھالتا تھا۔[5]

یہ واضح سی بات ہے کہ ایسی سیاسی سوچ کے ہوتے ہوئے ایسے شخص کی قیام کربلا کے بارے میں کیا رائے ہو سکتی ہے۔ اپنے انہی افکار کی وجہ سے وہ عبداللہ بن زیاد کا کارندہ تھا۔[6] مسروق سنہ ۶۳ھ میں کوفہ میں واصل جہنم ہو گیا،[7] اس نے وصیت کی تھی کہ اسے یہودیوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے!۔[8،9]

حقیقت کی جستجو کرنے والوں اور تاریخ کے صفحات میں سے حقائق جاننے کی کوشش کرنے والوں کو اس بارے میں ضرور سوچنا چاہئے۔

---

[1]۔ الطبقات الکبری: ج۶ ص۷۸

[2]۔ قاموس الرجال: ج۱۰ ص۱۵۲ البتہ علامہ شوستری نے یہ روایت مسروق بن اجدع ابو عائشہ کوفی کے ذیل میں بیان کی ہے اور یہ وضاحت کی ہے کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ افراد کا نام ہے تو انہوں نے مکمل طور پر غلطی کی ہے۔

[3]۔ الطبقات الکبری: ج۶ ص۸۳-۸۴۔ اختیار معرفۃ الرجال: ج۱ ص۳۱۵ اس کی قبر دریائے دجلہ کے کنارے رصافہ کے مقام پر ہے۔

[4]۔ الطبقات الکبری: ۸۳۶، تاریخ الاسلام: ج۵ ص۲۴۰

[5]۔ تاریخ خلیفۃ بن خیاط: ۱۷۳

[6]۔ المسترشد: ۱۵۷

[7]۔ الطبقات الکبری: ج۶ ص۸۴، تاریخ الثقات: ج۱ ص۴۶۱، تاریخ یحیٰی بن معین: ۲۳۳، کتاب الثقات: ج۵ ص۴۵۶، تہذیب التہذیب: ج۱۰ ص۱۰۱

[8]۔ المسترشد: ۱۵۷

[9]۔ بازتاب تفکر عثمانی در واقعۂ کربلا: ۲۱۸

جو شخص پورے ملک میں قضاوت کے پہلے یا دوسرے درجہ پر فائز ہو اور قضاوت کے فرائض انجام دے رہا ہو، وہ کس طرح یہ وصیت کر سکتا ہے کہ اسے یہودیوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے؟!

کیا اس سے اعلیٰ منصب کے لوگوں کے یہودیوں سے تعلقات نہیں تھے؟! کیا کسی ایسے شخص نے تو یہودیوں کے قبرستان میں دفن ہونے کی وصیت نہیں کی تھی کہ جس کا قضاوت کے لئے ظاہراً تو مذہبی چہرہ تھا لیکن اس منصب کی آڑ میں وہ یہودیوں کی تبلیغ وترویج کر رہا تھا؟!

بنی امیہ کی حکومت کے بزرگوں اور اعلیٰ عہدیداروں سے ایسے شرمناک کام کیوں سرزد ہوا کرتے تھے؟

کیا اب بھی وہ وقت نہیں آیا کہ جب لوگوں کو ان کی کالی کرتوتوں کا علم ہونا چاہئے اور کیا انہیں یہ نہیں جاننا چاہئے کہ وہ دیانت دار رہنما نہیں تھے بلکہ انہوں نے خلافت کو غصب کیا تھا؟!

مسروق نے اپنی اس وصیت کے علاوہ (کہ اسے یہودیوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے) اپنی وصیت کی توجیہ میں ایسی بات کہی جو اس کی وصیت سے بھی زیادہ شرمناک ہے۔ اس نے کہا: وہ اس حال میں اپنی قبر سے نکلے گا کہ وہاں اس کے علاوہ خدا اور رسول پر ایمان رکھنے والا کوئی شخص نہیں ہوگا!!

مسروق ابن زیاد کے لشکر کا سربراہ تھا۔[1]

مسروق ان کوفیوں میں سے تھا جو امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو طعنہ دیا کرتے تھے۔[2]

جب کہ مسروق نے عائشہ سے نقل کیا ہے:

یا رسول اللّٰہ؛ من الخلیفة من بعدک؟

قال: خاصف النعل۔

قالت: من خاصف النعل؟

قال: انظر. فنظرت فاذا علی بن ابی طالب علیهما السلام

قالت: یا رسول اللّٰہ؛ ذاک علی بن ابی طالب۔

قال: هو ذاک۔

عائشہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: آپ کے بعد آپ کا جانشین کون ہوگا؟

---

[1] ۔ المسترشد: ۱۵۷.

[2] ۔ المسترشد: ۲۰۷.

آپ نے فرمایا: جو اپنے جوتے گانٹھ رہا ہے۔

عائشہ نے پوچھا: کون اپنے جوتے گانٹھ رہا ہے؟

فرمایا: دیکھو! جب میں نے دیکھا تو علی بن ابی طالب علیہما السلام ہیں۔

میں نے کہا: یا رسول اللہ! وہ علی بن ابی طالب ہیں!

فرمایا: وہ میرا خلیفہ ہے۔[1]

ابن مغازی نے کتاب "المناقب"[2] میں نقل کیا ہے کہ عائشہ مسروق کو اپنے بیٹوں جیسا سمجھتی تھی اور اسے کہتی تھی: تم میرے بیٹے ہو اور ان میں سب سے زیادہ عزیز ہو.....۔

مسروق نے عائشہ سے کہا: ماں! میرا تم سے ایک سوال ہے تمہیں خدا، رسول خداﷺ اور میرے حق (کیونکہ میں تمہارے بیٹوں جیسا ہوں) کی قسم! تم نے رسول خداﷺ سے مخدج کے بارے میں کیا سنا تھا کہ جو جنگ نہروان میں مارا گیا تھا؟

عائشہ نے کہا: میں نے رسول خداﷺ سے سنا تھا کہ آپ نے فرمایا:

هم شرّ الخلق والخليقة، يقتلهم خير الخلق والخليقة، وأقربهم عند الله وسيلة۔[3]

وہ بدترین انسان اور دنیائے خلقت کی بدترین مخلوق ہے، اسے بہترین انسان اور دنیائے خلقت کی بہترین مخلوق قتل کرے گی۔

۶۔ کعب الأحبار

یہودیوں نے دین اسلام کو نیست و نابود کرنے اور اہلبیت پیغمبر علیہم السلام سے مقام خلافت کو غصب کے لئے صرف معاویہ کے دور حکومت میں ہی اس کا ساتھ نہیں دیا بلکہ وہ اس سے پہلے بھی معاویہ کی حمایت میں کھڑے تھے اور انہوں نے معاویہ کو عثمان کے بعد خلیفہ کے طور پر متعارف کروایا۔ معاویہ کو برسر اقتدار

---

[1] ۔ المسترشد: ۶۲۲۔

[2] ۔ المناقب: ۵۵۔

[3] ۔ المسترشد: ۲۸۱۔

لانے کے لئے اس وقت سے یہ منصوبہ بندی اور حمایت کی جارہی تھی۔

اگر لوگوں میں عثمان کے بعد خلافت کے بارے میں بات ہوتی تو لوگ حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی ولایت وحکومت کی حمایت کرتے اور اسی لئے عثمان کے قتل ہونے کے بعد لوگوں نے آپ کی خلافت کا انتخاب کیا۔

لیکن کچھ عوامل اور یہودی کٹھپتلیاں اسی وقت سے ہی معاویہ کی حکومت کا دم بھرتے تھے اور اس کام سے وہ لوگوں کے افکار بنی امیہ (جو دین اسلام کے دیرینہ دشمن تھے) اور معاویہ کی طرف موڑنا چاہتے تھے تاکہ خاندان پیغمبر علیہم السلام کو حکومت نہ ملے اور حکومت کی باگ ڈور کسی کسی ایسے کے ہاتھ میں ہو جس کی اسلام سے دیرینہ دشمنی ہو۔

جن افراد نے ایسے افکار کو پھیلانے کی بہت زیادہ کوشش کی ان میں سے ایک کعب الأحبار تھا۔

محمود ابوریّہ نے کعب اور اس کی سازشوں کے بارے میں لکھا ہے: عثمان کے زمانے میں فتنہ کی آگ بھڑکنے کے بعد عثمان بھی آگ کے ان شعلوں کی لپیٹ میں آگیا اور اسے اسی کے گھر میں قتل کر دیا گیا،اس چالاک کاہن نے اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور پوری طاقت سے فتنہ کی آگ بھڑکائی اور جس قدر ہو سکا اس نے اپنی مختلف سازشوں سے استفادہ کیا۔ اس واقعہ پر اس نے جس مکروفریب سے استفادہ کیا اور کھل کر یہودی مزاج کا اظہار کیا وہ یہ تھا کہ اس نے یہ دعوی کیا کہ عثمان کے بعد معاویہ ہی خلافت کے لائق ہے۔[1]

وکیع نے اعمش اور اس نے ابو صالح سے روایت کی ہے[2] کہ کچھ لوگوں کے درمیان عثمان کے بعد خلافت کی بات چلی تو "الحادی" نامی شخص نے اپنے شعر کے ضمن میں اس بارے میں یوں کہا:

انّ الأمیر بعدہ علّی و فی الزّبیر خلق رضّی

بیشک اس کے بعد علی (علیہ السلام) امیر ہیں اور زبیر بھی اچھے اخلاق کا مالک ہے۔

کعب الأحبار (جو اس جلسہ میں موجود تھا) نے کہا: "بل ھو صاحب البغلة الشھباء" یعنی اس کے بعد خلیفہ وہ ہے جو خاکی رنگ کی سواری کا مالک ہے (یعنی معاویہ)۔ کیونکہ معاویہ کو بعض اوقات اس طرح کی سواری پر

---

[1]۔ أضواء علی السنة المحمدیّة: ۱۸۰.

[2]۔ رسالة النّزاع والتّخاصم فیما بین بن امیّة و بنی ھاشم (مقریزی): ۵۱، أضواء علی السنة المحمدیّة سے اقتباس: ۱۸۰، نیز ملاحظہ فرمائیں: تاریخ طبری: ج۴ ص ۳۴۲ اور الکامل: ج۳ ص ۱۲۳.

سوار دیکھا جاتا تھا۔

یہ خبر معاویہ تک پہنچی تو اس نے اسے بلایا اور کہا: اے ابو اسحاق! علی علیہ السلام، زبیر اور اصحاب محمد ﷺ کے ہوتے ہوئے تم یہ کیسی بات کر رہے ہو؟

کعب نے کہا: بلکہ تم خلافت کے مالک ہو! اور شاید اس نے مزید یہ کہا ہو کہ میں نے یہ پہلی کتاب (تورات) میں پڑھا ہے۔![1]

کعب الأحبار اور عمر

کتاب "پیغمبر ﷺ و یہود حجاز" میں لکھتے ہیں:

کعب الأحبار کا نام کعب بن ماتع تھا اور جس کا تعلق یمن اور قبیلۂ حمیر سے تھا۔ وہ عمر کے زمانے میں اسلام قبول کرنے کے بعد مدینہ آ گیا۔ عمر کے نزدیک اسے صحابہ بلکہ صحابہ سے بھی بڑھ کر مقام حاصل تھا۔[2] عمر کو اہل کتاب سے علم حاصل کرنے میں کافی دلچسپی تھی جس کی وجہ سے پیغمبر ﷺ اس پر غضبناک ہوئے تھے۔[3] لیکن اپنی خلافت کے زمانے میں اس نے اپنی یہ خواہش پوری کی اور اس نے اپنی یہ خواہش پوری کرنے کے لئے اہل کتاب میں سے تازہ مسلمانوں سے زیادہ استفادہ کیا۔ اسی وجہ سے وہ کعب کو اپنے پاس لے گیا اور وہ مختلف موضوعات کے بارے میں اس سے سوال پوچھا کرتا تھا۔

ابن ابی الحدید نے کعب کو امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے منحرفین میں سے شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کعب کو جھوٹا کہتے تھے۔[4] کعب الأحبار (جو سنہ ۳۲ھ میں شہر حمص میں ہلاک ہو ا[5]) صدیوں سے مورد وثوق اور قابل اطمینان تھا اور تفسیری و تاریخی کتابیں اس کی روایات سے بھری پڑی ہیں، لیکن دور حاضر میں جدید تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ ابہامات و اشکالات کے ضخیم پردے کے پیچھے کعب الأحبار

---

[1]۔ اسرائیلیات وتأثیر آن بر داستان ہای انبیاء در تفاسیر قرآن: ۹۲.

[2]۔ کعب الأحبار اور دوسرے خلیفہ کے قریبی تعلقات کے بارے میں تاریخ سیاسی اسلام: ج۲ ص۸۹ کے مابعد کا حصہ ملاحظہ کریں۔

[3]۔ المصنف: ج۶ ص۱۱۲.

[4]۔ شرح نہج البلاغہ: ج۴ ص۷۷، کعب پر ابوذر کے اعتراض کے بارے میں بھی وہی منبع: ج۳ ص۵۴.

[5]۔ الطبقات الکبری: ج۷ ص۳۰۹.

کا (مکروہ) چہرہ پوشیدہ ہے جس نے اہلسنت کی دین شناس اور علماء رجال کو مشکل میں ڈال دیا ہے۔[1] چاند اور سورج کی خلقت کے موضوع کے بارے میں طبری نے کعب سے منقول اسرائیلیات کے کچھ نمونے بیان کئے ہیں۔اس تاریخی دستاویز میں ابن عباس، کعب کی باتوں پر ناراض ہوئے اور تین مرتبہ کہا: کعب نے جھوٹ بولا ہے،اور اس کے بعد مزید یہ کہا: یہ بات یہودیوں کی ہے جسے کعب اسلام میں داخل کرنا چاہتا ہے۔[2،3]

عمر کا کعب سے مشورہ لینا صرف دینی واعتقادی امور میں ہی منحصر نہیں تھا بلکہ کچھ شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ عمر کے سیاسی وحکومتی نقطۂ نظر کے پیچھے بھی جناب کعب کے مشورے شامل تھے۔!

امالی میں ابو جعفر محمد بن حبیب نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا:

اپنی خلافت کے آخری زمانے میں جب عمر پر ناتوانی حاکم ہو گئی اور وہ لوگوں کے امور چلانے سے عاجز ہو گیا تو وہ خدا سے موت کی دعا کیا کرتا تھا۔ ایک دن جب میں اس کے پاس موجود تھا، اس نے کعب الأحبار سے کہا: مجھے میری موت نزدیک دکھائی دے رہی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اپنے بعد خلافت کسی ایسے شخص کو سونپ کر جاؤں جو اس مقام کے لائق ہو۔ علی علیہ السلام کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟اس بارے میں تمہیں اپنی کتابوں میں کیا کچھ ملا ہے کیونکہ تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ ہمارے تمام واقعات تمہاری کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں!

کعب نے کہا: میرے خیال میں علی علیہ السلام اس کام کے لائق نہیں ہیں! کیونکہ وہ شخص دین پر استوار ہے اور کسی بھی غلطی سے چشم پوشی نہیں کرتا اور اپنے اجتہاد پر بھی عمل نہیں کرتا،اس طریقۂ کار سے وہ لوگوں پر حکومت نہیں کر سکتا۔ لیکن مجھے اپنی کتابوں میں جو کچھ ملا وہ یہ ہے کہ اسے اور اس کے بیٹوں کو حکومت نہیں ملے گی اور اگر انہیں حکومت مل بھی گئی تو شدید افراتفری پھیلے گی!

عمر نے پوچھا: کیوں؟

کعب نے کہا: چونکہ اس نے خون بہایا ہے! اور خدا نے ایسے افراد پر حکومت کو حرام قرار دیا ہے! جس طرح داؤد نے جب بیت المقدس کو بنانے کا ارادہ کیا تو خدا نے اس سے فرمایا: تم اس کام کے لائق نہیں ہو کیونکہ تم نے خون بہایا ہے؛بلکہ یہ کام سلیمان کے ذریعہ انجام پائے گا!

---

[1]۔ تاریخ سیاسی اسلام: ج۲ص۸۹.

[2]۔ تاریخ الطبری: ج۱ص۴۴اور۵۱.

[3]۔ پیغمبر ﷺ و یہود حجاز: ۴۹.

عمر نے کہا: لیکن کیا علی علیہ السلام نے یہ خون حق پر نہیں بہایا؟

کعب نے جواب دیا: اے امیر المؤمنین! لیکن کیا داؤد نے بھی وہ خون حق پر نہیں بہایا تھا؟!

عمر نے کہا: پس مجھے یہ بتاؤ کہ حکومت کسے ملے گی؟

کعب نے کہا: ہمیں یہ ملتا ہے کہ صاحب شریعت اور ان کے دو صحابیوں کے بعد حکومت انہیں ملے گی جن کے ساتھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصل دین پر جنگ کی ہے (یعنی بنی امیہ)۔

یہ سننے کے بعد عمر نے کئی بار آیت استرجاع پڑھی اور ابن عباس کی طرف دیکھ کر کہا: میں نے اسی سے ملتے جلتے مطالب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

بنی امیہ میرے منبر پر چڑھیں گے، میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے منبر پر بندر بیٹھے ہیں اور ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے:

"وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلاَّ فِتْنَةً لِلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ"۔[۱،۲]

یہ واقعہ کئی اعتبار سے قابل غور ہے: اس واقعہ سے کعب کی امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے شدید دشمنی اور بغض کا پتہ چلتا ہے اور اس کی دلیل بھی بہت ہی واضح ہے کیونکہ جزیرۃ العرب میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام ہی کے طاقتوار ہاتھوں سے یہود کی شان و شوکت خاک میں ملی اور کعب یہ جانتا تھا کہ اگر امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو خلافت و رہبری ملی تو ہمیشہ کے لئے یہودیوں کا نام ونشان مٹ جائے گا۔ اسی وجہ سے کعب کی یہ دیرینہ خواہش تھی کہ خلافت امویوں کو ملے کیونکہ ان کے لئے اسلام کی تکریم کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور ان کا ہدف و مقصد صرف دنیا ہے۔[۳،۴]

---

[۱]۔ سورۂ اسراء، آیت: ۶۰۔

[۲]۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج ۱۲ ص ۸۱۔

[۳]۔ شیعہ و تہمت ہای ناروا: ۶۷۔

[۴]۔ اسرائیلیات و تأثیر آن بر داستان ہای انبیاء در تفاسیر قرآن: ۹۰۔

کعب الأحبار کے توسط سے معاویہ کے یہودیوں سے تعلقات

کتاب ''نہایۃ الأرب'' میں لکھتے ہیں:

ایک روایت ہے کہ معاویہ بن ابی سفیان نے کعب سے کہا: مجھے توریت کے سب سے بڑے علماء کے بارے میں بتاؤ تاکہ میں تمہارے مطالب کے ساتھ ان کے مطالب بھی سنوں۔

کعب نے یمن کے ایک شخص کا نام لیا۔ معاویہ نے اسے بلایا اور پھر دونوں کو حاضر کیا۔ کعب نے اس شخص سے کہا: تمہیں اس کی قسم دیتا ہوں جس نے موسی کے لئے دریا میں شگاف کر دیا! کیا تم نے آسمانی کتاب میں یہ نہیں دیکھا کہ موسی نے توریت کی طرف دیکھ کر کہا:

پروردگارا! میں محبت کرنے والی امت کو دیکھ رہا ہوں، جو بہترین امت ہے اور جو لوگوں میں سے لوگوں کے لئے ہی آئی ہے، وہ ملت نیک کاموں کی دعوت دے گی اور برے کاموں سے منع کرے گی، اس کا پہلی کتاب (توریت) اور آخری کتاب (قرآن) پر ایمان ہے[1]، اور وہ گمراہوں سے جنگ کرے گی اور اعور کذاب کے ساتھ بھی اس کا تنازع ہوگا۔ خدایا! انہیں میری امت قرار دے اور خدا نے فرمایا: وہ محمد کی امت ہے۔

اس دانشور نے کہا: کیوں نہیں؛ میں نے یہ موضوع دیکھا ہے۔

کعب نے اس سے کہا: میں تمہیں اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے موسی کے لئے دریا میں شگاف کر دیا! کیا تم نے موسی کی آسمانی کتاب میں یہ نہیں دیکھا کہ موسی نے توریت کی طرف دیکھا اور کہا:

پروردگارا! میں ایسی امت کو دیکھ رہا ہوں کہ جب وہ بلند جگہ پہنچے تو تکبیر کہے گی اور جب صحرا میں پہنچے تو خدا کی عبادت کرے گی، زمین کو اس کے لئے مطہر قرار دیا کہ اگر پانی نہ ملے تو جنابت کی حالت میں تیمّم کے ذریعہ پاک ہو سکتے ہیں، وہ جہاں بھی ہوں ان کی مسجد وہیں ہوگی، وضو سے ان کے چہرے منور ہوں گے، خدایا! انہیں میری امت قرار دے، اور خدا نے فرمایا: وہ محمد کی امت ہے۔

اس نے کہا: جی ہاں! میں نے یہ دیکھا ہے۔

کعب نے کہا: تمہیں اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے موسی کے لئے دریا میں شگاف کر دیا! کیا تم نے موسی پر نازل ہونے والی کتاب میں یہ نہیں دیکھا کہ موسی نے توریت کی طرف دیکھا اور کہا:

---

[1]۔ سیرۃ الحلبیہ کی پہلی جلد کے صفحہ ۲۱۷ کی طرف رجوع فرمائیں۔

پروردگارا! میں ایسی امت کو دیکھ رہا ہوں، جب ان میں سے کوئی شخص کوئی نیک کام کرنے کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ بھی کرے تو اسے دس سے سات سو تک اجر دیا جائے گا اور اگر کوئی برا کام کرنے کا ارادہ کرے تو جب تک اس پر عمل نہ کرے تو اس کے لئے کوئی گناہ نہیں لکھا جائے گا اور اگر اسے انجام دے تو اس کے لئے صرف ایک گناہ لکھا جائے گا۔ خدایا! اسے میری امت قرار دے اور خدا نے فرمایا: وہ محمد کی امت ہے۔

مذکورہ دانشور نے کہا: ہاں؛ میں نے یہ دیکھا ہے۔

کعب نے کہا: تمہیں اس خدا کی قسم دیتا ہوں، جس نے موسی کے لئے دریا میں شگاف کر دیا! کیا تم نے موسی پر نازل ہونے والی کتاب میں یہ نہیں دیکھا کہ موسی نے توریت کی طرف دیکھا اور کہا:

پروردگارا! میں ایسی امت کو دیکھ رہا ہوں جو اپنے صدقات اور کفّارہ کھاتی ہے اور انہیں اپنے فقراء کو دیتی ہے، اور جیسا کہ دوسری امتیں انہیں جلا دیتی تھیں وہ ایسا نہیں کرتے؟

دوسری حدیث کے اس حصہ میں یوں ذکر ہوا ہے: جو اپنی قربانی کو کھا سکتے ہیں اور قربانی کے گوشت سے مراد عید قربان وغیرہ ہیں۔[1]

یہودی، تغییر قبلہ اور کعب الأحبار کا کردار

قبلہ کا بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تبدیل ہونا یہودیوں کے غضبناک ہونے کا بہت اہم سبب تھا۔ یہودی بیت المقدس کا بڑا احترام کرتے تھے اور وہ کسی بھی سرزمین کو اس کے مقابلہ میں لانے کے لئے تیار نہیں تھے۔ قبلہ کا تبدیل ہونا ان کے لئے بہت ہی اہم اور انہیں غضبناک کرنے والا امر تھا۔

اس واقعہ سے انہیں اتنی شدید نفرت تھی کہ وہ بعد کی صدیوں میں بھی اس واقعہ کے بارے میں اپنے غصہ کا اظہار کرتے رہے۔

اسی وجہ سے بعض غاصب اموی خلفاء یہودیوں کا دل خوش کرنے اور اسلام و مسلمین کو شکست دینے کے لئے کوشاں رہے کہ بیت المقدس کو اس کی کھوئی ہوئی عظمت واپس دے دی جائے اور وہ معنوی اعتبار سے مسجد الحرام کے برابر یا اس سے بھی افضل و برتر ہو جائے۔

---

[1]۔ نہایۃ الأرب: ج ۱ ص ۱۲۶۔

اس بارے میں غاصب اموی خلفاء میں سے عبدالملک نے سب سے زیادہ کوشش کی تھی۔ عبدالملک نے اس راہ میں جن عوامل کی وجہ سے اس حد تک کوشاں رہا؛ ان میں سے ایک یہ ہے کہ عبداللہ بن زبیر نے اس کے دور حکومت میں قیام کیا تھا اور اموی خلیفہ سے مکہ کو چھین لیا تھا۔ عبدالملک لوگوں کو خانۂ خدا کی طرف جانے سے روکنے کے لئے یہ کوششیں کر رہا تھا کہ ان کے لئے بیت المقدس کی عظمت کو زندہ کرے تاکہ لوگ مکہ کی طرف جانے اور وہاں خانۂ خدا کی زیارت کرنے سے گریز کریں اور یوں انہیں بیت المقدس کی طرف کھینچا جاسکے۔

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بنی امیہ کے خلفاء سیاست کی وجہ سے مذہبی حقائق کو تبدیل کرنے کے لئے بھی تیار تھے۔اس بناء پر اگر وہ اسلام اور دین کے نام پر حکومت کا دم بھرتے تھے تو اس کی وجہ دینی اعتقادات نہیں بلکہ سیاست اور طاقت کا حصول تھا۔

کتاب ''پیغمبر ﷺ و یہود حجاز'' میں لکھتے ہیں:

تغییر قبلہ سے یہودیوں کے مقابلے میں مسلمانوں کو استقلال ملنے کے علاوہ عربوں کے اسلام کی طرف آنے میں بھی مدد ملی۔چونکہ وہ کعبہ کی بہت زیادہ اہمیت کے قائل تھے۔اگرچہ مسلمان تغییر قبلہ سے پہلے بھی کعبہ کو اہمیت دیتے تھے اور اس بارے میں قرآن کی کچھ آیات بھی موجود ہیں۔یہ واقعہ یہودیوں اور مسلمانوں میں جدائی کا پہلا مرحلہ شمار کیا جاتا ہے جس سے اس قوم (جو اسلام اور پیغمبر ﷺ کی برتری کا اعتراف کرتی تھی) کے بغض میں مزید اضافہ ہوا۔

تاریخ اسلام میں یہودیت سے اسلام قبول کرنے والے مسلمان بیت المقدس کو کعبہ پر برتری دینے کی کوشش کرتے رہے کہ جن کی کتابیں اسرائیلیات سے بھری پڑی ہیں۔کعب الأحبار نے ایک حدیث گھڑی کہ جس میں وارد ہوا ہے: کعبہ ہر صبح بیت المقدس پر سجدہ کرتا ہے۔

حضرت امام باقر علیہ السلام نے اس بات کو جھوٹ قرار دیا ہے اور فرمایا ہے: خدا کے نزدیک روئے زمین پر کعبہ سے زیادہ محبوب اور کوئی جگہ نہیں ہے۔[1]

غاصب اموی حکمران اپنے سیاسی اہداف حاصل کرنے کے لئے ایسی ہی روایات سے استفادہ کرتے تھے۔چنانچہ جب مکہ پر عبداللہ بن زبیر کی حکومت تھی، عبدالملک نے لوگوں کو حج پر جانے سے روکنے کے لئے

---

[1]۔الکافی: ج۴ص۲۴۰.

زہری سے منقول ایک حدیث کی ترویج کی، جس میں پیغمبر ﷺ کی طرف یہ بات منسوب کی گئی:
تین مساجد کے علاوہ کسی کی طرف سفر نہیں کیا جا سکتا: مسجد الحرام، مسجد النبی اور مسجد بیت المقدس کہ جس کا مقام و مرتبہ کعبہ کی طرح ہے۔[1،2]

کعب الأحبار اور اسرائیلیات کے خلاف امیر المؤمنین علی علیہ السلام کا موقف

کتاب "اسرائیلیات و تأثیر آن..." میں لکھتے ہیں:
امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنی زندگی میں مختلف قسم کے واقعات اور انحرافی تحریکوں کا سامنا کیا جن میں آپ کو مسلمان نما اہل کتاب اور ان کے قصہ کہانیوں کا سامنا کرنا تھا کہ جن میں سے ہر ایک نے اپنے حصہ کے مطابق دین کے چہرے کو غبار آلود کیا۔
آنحضرت بھی مختلف راستوں سے ان کے ہاتھ قلم کرتے اور ان کا مقابلہ کرتے۔
ہم یہاں اسرائیلیات اور انہیں پھیلانے والوں کے خلاف حضرت علی علیہ السلام کے موقف کی کچھ مثالیں بیان کرتے ہیں:
۱۔ نقل کیا گیا ہے: عمر بن خطاب کے دور خلافت میں ایک دن خلیفہ کے سامنے ایک مجلس تشکیل دی گئی جس میں حضرت علی علیہ السلام بھی تشریف فرما تھے، اور حاضرین میں سے ایک کعب بھی تھا۔ خلیفہ نے اس سے پوچھا: اے کعب! کیا تمہیں پوری تورات حفظ ہے؟
کعب نے جواب دیا: نہیں؛ لیکن مجھے اس کا کافی حصہ حفظ ہے!
کسی شخص نے خلیفہ سے کہا: یا امیر المؤمنین! اس سے پوچھیں کہ خدا اپنے عرش کو خلق کرنے سے پہلے

---

[1] ۔حدیث "لا تشدّ الرجال" کے بارے میں: صحیح مسلم: ج۱ص۶۳۶، صحیح البخاری: ج۲ص۵۶۔البتہ اس کتاب میں یہ جملہ "وھو یقوم مقام الکعبۃ" نہیں ہے۔اس حدیث سے عبد الملک کے استفادہ کرنے کے بارے میں تاریخ سیاسی اسلام: ج۲ص۴۶۷ (سیرۂ خلفاء) اور تاریخ طبری کی طرف رجوع فرمائیں۔
[2] ۔پیغمبر ﷺ و یہود حجاز: ۵۶۔

کہاں تھا؟اور پانی کو کس سے خلق کیا کہ جس پر بعد میں اپنا عرش بنایا؟

عمر نے کہا: اے کعب ! کیا تمہیں ان کا جواب معلوم ہے؟

کعب نے جواب دیا: جی ہاں ! یا امیر المؤمنین ! حقیقت میں مجھے حکیم (توریت) ملا کہ خداوند کریم عرش کی خلقت سے پہلے قدیم وازلی تھا اور بیت المقدس کی چٹان پر تھا اور یہ چٹان ہوا پر بنی ہوئی تھی اور جب خدا نے عرش کو بنانے کا ارادہ کیا تو اس پر اپنا لعاب دہن پھینکا ، جس سے گہرے سمندر اور ان کی موجیں خلق ہو گئیں۔اس موقع پر خدا نے بیت المقدس کی چٹان کے کچھ حصہ پر اپنا عرش خلق کر لیا اور اس پر بیٹھ گیا اور چٹان کے بقیہ حصہ پر بیت المقدس کو خلق کیا۔

امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام اس وقت اپنے لباس کو ہلا رہے تھے اور آپ کی زبان پر خدا کی عظمت وبزرگی پر دلالت کرنے والے کلمات جاری تھے ، جیسے : ''جل الخالق یا جلّ اللّٰہ یا اللّٰہ اکبر''۔آپ اسی حال میں آپ کھڑے ہوئے اور اعتراض کے طور پر مجلس سے چلے گئے ![1]

جب خلیفہ نے یہ صورت حال دیکھی تو امام کو قسم دی کہ اپنی جگہ واپس آ جائیں اور مورد بحث مسئلہ میں اپنا نظریہ بیان کریں۔

امام اپنی جگہ واپس آ گئے اور کعب کی طرف دیکھ کر فرمایا:

تمہارے اصحاب غلط ہیں اور انہوں نے خدا کی کتابوں میں تحریف کی ہے اور خدا کی طرف جھوٹی نسبت دی ہے۔

اے کعب ! وای ہو تم پر ! اگر ایسا ہو کہ چٹان اور ہوا بھی خدا کے ساتھ ہوں تو اس صورت میں وہ بھی خدا کی طرح قدیم وازلی ہو جائیں گے ، پس اس صورت میں پھر تین قدیم موجودات ہوں گی۔

اس کے علاوہ خداوند متعال اس سے بے نیاز ہے کہ اس کا کوئی مکان ہو کہ جس کی طرف اشارہ کیا جا سکے اور خدا ویسا نہیں ہے ، جیسے ملحد کہتے ہیں اور جاہل خیال کرتے ہیں۔

وای ہو تم پر اے کعب ! تمہارے قول کے مطابق جس لعاب دہن سے یہ عظیم دریا و سمند وجود میں آئیں

---

[1]۔یہ ایک عربی رسم ہے کہ جب کسی چیز سے اپنی بیزاری کا اظہار کرنا چاہتے ہوں تو اپنا لباس ہلاتے ہیں گویا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں ان باتوں کو قبول نہیں کرتا۔

وہ بیت المقدس کی چٹان پر بیٹھنے سے بے نیاز ہے اور ....۔[۱]

۲۔امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے نقل ہوا ہے کہ آپ نے کعب الأحبار کے بارے میں فرمایا:

وہ جھوٹا و کذّاب شخص ہے۔[۲]

یہی وجہ تھی کہ کعب، حضرت علی علیہ السلام سے روگرداں ہو گیا تھا۔[۳]

۳۔امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے کعب کے شاگرد یعنی ابوہریرہ کو بھی جھوٹا اور حدیث گھڑنے والا شخص کہا ہے اور فرمایا ہے:

انّ أکذب النّاس علی رسول اللّٰہ (ص) لأبی ھریرۃ الدُّوس۔[۴]

بیشک جس نے رسول خدا (ﷺ) کی طرف سب سے زیادہ جھوٹی باتیں منسوب کی دی، وہ ابوہریرہ دوسی ہے۔[۵]

اس واقعہ سے چند اہم نکات اخذ کئے جا سکتے ہیں:

۱۔اسرائیلیات کو پھیلانے میں خلفاء کا بہت اہم کردار تھا، اس کے علاوہ اسرائیلیات کی جھوٹی ثقافت کو پھیلانے میں ان کی دینی اور تاریخی واقعات سے جہالت و نادانی کا بھی بہت اہم کردار ہے۔

اس واقعہ میں کعب الأحبار نے جھوٹ بولا اور اس نے دین میں خرافات پیدا کرنے کے لئے اور بیت المقدس کی عظمت اور اس کے نتیجہ میں یہودیت کو عظیم مذہب دکھانے کے لئے کچھ جھوٹے مطالب بیان کئے۔

۲۔اس واقعہ میں نہ صرف عمر نے ہی نہیں بلکہ اس کے کسی بھی طرفدار اور پیروکار نے کعب پر اعتراض نہیں کیا۔اس کی وجہ یا تو یہ ہو سکتی ہے کہ عمر اور اس کے پیروکار کعب الأحبار کی کہی ہوئی باتوں سے جاہل تھے، یا یہ کہ وہ اس طرح کی خرافات اور اسرائیلیات کو پھیلانے کی حمایت اور پشت پناہی کر رہے تھے۔ان میں سے دونوں صورتوں میں ایسا شخص کس طرح رسول ﷺ کا خلیفہ و جانشین ہو سکتا ہے؟!

---

[۱] ۔نزھۃ الناظر و تنبیہ الخاطر (المعروف بہ مجموعۂ ورّام): ج ۲ ص ۱۵ اور ۶، نقش ائمہ در احیاء دین (چھٹا شمارہ): ۱۱۴ اور ۱۱۵۔

[۲] ۔شرح نہج البلاغہ (ابن ابی الحدید): ۷۷۴، أضواء علی السنّۃ المحمدیۃ: ۱۶۵۔

[۳] ۔شرح نہج البلاغہ (ابن ابی الحدید): ۷۷۴، أضواء علی السنّۃ المحمدیۃ: ۱۶۵۔

[۴] ۔شیخ المضیرۃ: ۱۳۵۔

[۵] ۔اسرائیلیات و تأثیر آن بر داستان ہای انبیاء در تفاسیر قرآن: ۱۵۳۔

۳۔کعب الأحبار کے قول کے مطابق خدا بیت المقدس کی چٹان پر بیٹھا تھا اور اس نے اپنا لعاب دہن پھینکا اور...۔یہ عاقل اور متفکر افراد کو منحرف کے لئے بہت ہی مؤثر چال تھی کیونکہ کوئی بھی عقل مند اور متفکر انسان یہ بات تسلیم نہیں کر سکتا کہ خدا بیت المقدس کے پتھر پر بیٹھا تھا۔گویا اس صورت میں وہ پتھر پہلے سے موجود تھا،اور یہ کہ خدا نے اپنے لعاب دہن سے گہرے دریا خلق کئے!

جس دین میں ایسی اسرائیلیات اور خرافات موجود ہوں کیا اس دین کی پیروی کی جا سکتی ہے اور کیا اس دین پر اعتقاد رکھا جا سکتا ہے؟! یہ واضح سی بات ہے کہ دانشور اور متفکر اس طرح کی من گھڑت باتوں کی پیروی نہیں کریں گے۔بلکہ وہ حقائق جاننے کے لئے کعب الأحبار کی بجائے خاندان وحی اور اہلبیت اطہار علیہم السلام کی طرف رجوع کریں گے۔

۷۔وہب بن منبّہ

کتاب ''اسرائیلیات و تأثیر آن ...'' میں لکھتے ہیں:

ابو عبداللہ وہب بن منبّہ یمن کے ایک شہر صنعاء کا رہنے والا تھا۔اس کا باپ ایرانی اور ہرات کے لوگوں میں سے تھا اور وہ اس فوج کا ایک سپاہی تھا جسے انوشیروان نے یمن کو فتح کرنے کے لئے بھیجا تھا اور اس کا بیٹا وہب بھی اسی جگہ (یمن) پیدا ہوا۔کہا جاتا ہے کہ وہب کے باپ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اسلام قبول کیا تھا۔

ذہبی ''تذکرۃ الحفّاظ'' میں وہب بن منبّہ کے حالات زندگی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وہ یمن کا ایک دانشور تھا جو سنہ ۳۴ ہجری۔یعنی عثمان کی خلافت کے زمانے میں پیدا ہوا۔جسے اہل کتاب کے علوم کے بارے میں بہت زیادہ معلومات تھیں اور اس کی ساری توجہ انہی کی کتابوں کا مطالعہ کرنے پر مرکوز تھی۔

صحیح بخاری اور اور مسلم میں اس کے بھائی ''ہمام'' کے سلسلہ سے اس سے حدیث نقل ہوئی ہے۔[1]

ڈاکٹر جواد علی نے بھی اس کے بارے میں کہتے ہیں: وہب بن منبّہ کا شمار تابعین میں سے ہوتا ہے اور اسرائیلی کہانیوں کو نقل کرنے میں اس کا بہت اہم کردار ہے۔اس کے اکثر اقوال گذشتہ آسمانی کتابوں سے ہی

---

[1]۔تذکرۃ الحفّاظ: ج۱ص۱۰۰اور ۱۰۱،الأعلام: ج۹ص۱۵۰۔

مأخوذ ہوتے تھے۔اس کے بھائی نے شام کے اپنے تجارتی سفر میں اس کے لئے یہ کتابیں خریدیں اور وہ ان کا مطالعہ کیا کرتا تھا۔کہتے ہیں کہ اسے متقدمین کی تاریخ پر تسلّط تھااور اس کے علاوہ اسے مختلف زبانوں پر بھی عبور حاصل تھا۔[۱]

وہب کا خاندان یمن میں رہتا تھاجو یہودیوں کے آداب و رسومات اور ان کی روایات سے متأثر تھااور دوسری طرف سے وہ حبشہ کے ذریعہ عیسائیوں کے عقائد اور ثقافت سے بھی آشنا تھے۔وہب خود یونانی زبانی سے بھی آشنا تھاجس کی وجہ سے اسے ان دوثقافتوں یعنی یہود و نصاریٰ کی کافی معلومات تھیں۔[۲]

وہ گذشتہ آسمانی کتابوں کے مطالب اور گذشتہ اقوام وملل کی روایات اور قصے کہانیاں بیان کرنے میں اتنی توجہ دیتا تھاکہ اس وجہ سے اسے ''کعب الأحبار'' سے تشبیہ دی جاتی ہے۔[۳]

وہ بنی امیہ اور ان کے حکمرانوں سے بھی غافل نہیں تھا یہاں تک کہ وہ بعض اوقات ان کی تائید میں من گھڑت مطالب بیان کرتا تھا جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ عمر بن عبدالعزیز کو مہدی موعود سمجھتا تھا![۴] اور اسی کی خلافت کے دوران یہ قضاوت کے عہدے پر فائز تھا،[۵] وہ سنہ ۱۱۰ھ میں شہر صنعاء میں ہلاک ہوا۔[۶،۷]

وہب بن منبّہ کے عقائد

کتاب '' اسرائیلیات و تأثیر آن ... '' میں لکھتے ہیں:

قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ اس تازہ مسلمان یہودی کے ذریعہ اسلامی معاشرے میں پھیلنے والے عقائد میں سے کچھ یہ ہیں کہ اس نے جبر اور مشیت و اختیار کی نفی جیسے عقائد کو فروغ دیا۔

۱۔المفصّل فی تاریخ العرب قبل الاسلام: ج۶ص۵۶۵.

۲۔الأدب العربی: ج۱ص۳۸۱.

۳۔تذکرۃ الحفّاظ: ج۱ص۱۰۱.

۴۔تاریخ الخلفاء: ۲۶۳.

۵۔الأعلام: ج۹ص۱۵۰.

۶۔فجر الاسلام: ۱۶۱.

۷۔اسرائیلیات وتأثیر آن بر داستان ہای انبیاء در تفاسیر قرآن: ۱۱۶.

حماد بن سلمہ نے ابو سنان سے نقل کیا ہے کہ میں نے وہب بن منبّہ سے سنا ہے کہ وہ کہتا تھا: میں ایک مدت تک انسان کی قدرت و مشیت کا قائل تھا یہاں تک کہ میں نے پیغمبروں کی ستّر سے زائد کتابوں کا مطالعہ کیا اور میں نے ان سب میں یہی پایا کہ جو بھی اپنے لئے اختیار کا قائل ہو؛ وہ کافر ہو جائے گا۔ اس لئے میں نے اپنے سابقہ عقیدہ کو چھوڑ دیا۔[1]

جبر اور مشیت و اختیار کی نفی جیسے عقائد کی حمایت کرنا اور ہر طرح کی قدرت و مشیت کا انکار کرنا انسان کے لئے ایک ایسی آگ تھی جو پہلی صدی ہجری کے آخر میں مسلمانوں میں بھڑکائی گئی، جس نے انہیں دو دھڑوں میں تقسیم کر دیا۔ جب کہ جبر کا عقیدہ بنی امیہ کی حکومت کی بنیادوں سے سازگار تھا۔ اسی وجہ سے وہب ایسے نظریات کو فروغ دینے کی بہت زیادہ کوشش کیا کرتا تھا۔[2، 3]

---

[1]۔ میزان الاعتدال: ج۴ ص ۳۵۳.

[2]۔ ملاحظہ کریں: بحوث فی ملل والنحل: ۹۱۱، فرہنگ عقائد و مزاہب اسلامی: ج۱ ص ۱۰۲ اور ۱۰۳.

[3]۔ اسرائیلیات و تأثیر آن بر داستان ہای انبیاء در تفاسیر قرآن: ۱۲۱.

تیسرا باب

بنی امیہ کے عیسائیوں سے تعلقات

بنی امیہ کے عیسائیوں سے تعلقات

بنی امیہ کے عیسائیوں سے بھی تعلقات تھے اور وہ اپنے امور میں ان سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ بنی امیہ کے عیسائیوں سے تعلقات کی بہترین مثال معاویہ کے ان سے تعلقات ہیں۔

معاویہ کے عیسائیوں سے تعلقات اتنے گہرے تھے کہ نہ صرف اس کے دربار میں ان کی آمد و رفت تھی بلکہ معاویہ عیسائیوں سے مشورہ بھی کیا کرتا تھا اور انہیں حکومتی ذمہ داریاں سونپنے کے علاوہ عیسائیوں کے ساتھ بیٹھ کر مختلف امور کے بارے میں ان سے مشورہ لیتا تھا اور ان کے افکار و نظریات سے استفادہ کرتا تھا۔

آپ یہ نکتہ یعنی معاویہ کے عیسائیوں سے تعلقات اور معاویہ کا عیسائیوں سے مشورہ کرنا، تاریخ کے صفحات میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

یہ واضح سی بات ہے کہ ایسے افکار و نظریات رسول اکرم ﷺ کے حکومتی طریقہ کار اور آپ کے افکار و نظریات سے متضاد ہیں۔

پیغمبر اکرم ﷺ کا عیسائیوں اور کسی بھی اہل کتاب سے مشورہ کرنا اور ان کے دین مخالف افکار و نظریات کو لوگوں پر مسلّط کرنا تو دور کی بات بلکہ آپ نے کبھی انہیں اپنا ہمنشین بھی قرار نہیں دیا۔ لیکن معاویہ نے چونکہ زبردستی اور طاقت کے بل بوتے پر حکومت حاصل کی تھی اور وہ رسول خدا ﷺ کے منصب خلافت کا غاصب تھا، اس لئے اس کے اعمال رسول اکرم ﷺ کے اعمال کی طرح نہیں تھے بلکہ دین پر کاری ضرب لگانے اور دین کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کے لئے وہ دین کے مخالفوں سے مشورہ کرتا تھا اور ان کے نظریات کو اہمیت دیتا تھا۔

کتاب ''امویان؛ نخستین دودمان حکومت گر در اسلام'' میں لکھتے ہیں:

روایات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ معاویہ عیسائیوں کی سنت کے لئے احترام کا قائل تھا کہ جو اب تک شام کے شہروں میں مقیم تھے اور وہاں کی اکثر آبادی انہیں پر مشتمل تھی۔

اس کے مشیروں میں سے ایک سرجون (سرگیوس) تھا جو یونانی آرتھوڈاکس (Orthodox) خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور جو شام میں رومن انتظامیہ کے لئے کام کرتا تھا۔ اس کا باپ ''سنت جون'' (متوفی سنہ

۷۴۸ء) شام میں آرتھوڈاکس (Orthodox) کے متکلمین میں سے تھا۔[۱]

اموی دور میں اسلامی سماج کے افسوسناک حالات

کتاب ''اسرائیلیات و تأثیر آن...'' میں لکھتے ہیں: اموی دور میں اسلامی معاشرے کے افسوسناک حالات کے بارے میں یہی کافی ہے کہ ہم ''جارجی زیدان'' کے اس قول پر غور کریں، وہ کہتے ہیں:

بنی امیہ کے زمانے میں عیسائی مسجد میں آتے تھے اور کوئی بھی ان پر اعتراض نہیں کرتا تھا۔ عرب کا عیسائی شاعر'' اخطل'' بغیر اجازت کے نشے کی حالت میں گردن میں صلیب ڈال کر عبدالملک بن مروان کے پاس آیا اور کسی نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا؛ کیونکہ وہ پیغمبر ﷺ کے اصحاب و انصار کی مذمت میں اچھے انداز سے شعر کہتا تھا![۲]

تاریخ میں وارد ہوا ہے کہ: ''بطریق یوحناد مشقی'' نامی شخص اپنے باپ کے ساتھ عبدالملک بن مروان کے دربار میں رہتا تھا۔ جسے اسلامی ثقافت سے مبارزہ کرنے والوں میں نمایاں شمار کیا جاتا تھا اور وہ مسلمانوں کے درمیان شبہات اور جھوٹ شامل کرنے میں دریغ نہیں کرتا تھا۔ اس نے عیسائیوں کے لئے ایک کتاب تألیف کی جس نے انہیں مسلمانوں کی تبلیغات کے مقابلہ میں مسلح کیا۔[۳]

اسی شخص نے پیغمبر اکرم ﷺ کی اپنی پھوپھی زاد زینب بن جحش سے عشق و محبت کی جعلی داستان کو رواج دیا تھا!

کچھ اموی خلفاء کی کوشش تھی کہ اہل کتاب جو کچھ کہتے ہیں یا پیش آنے والی مصالحت کی بنیاد پر یہ بات ان کے ذہن میں ڈال دیں کہ ان کا نام گذشتہ آسمانی کتابوں میں ذکر ہوا ہے۔ کیونکہ ان کی حکومت کی مشروعیت ظاہر کرنے کے لئے اس بات کے بہت اہم اثرات تھے اور یہ فلاں خلیفہ کے لئے ایک طرح سے قضاء الٰہی کو بیان کرنا چاہتے تھے۔[۴]

---

[۱]۔ امویان؛ نخستین ودمان حکومت گر در اسلام: ۵۷۔

[۲]۔ تاریخ تمدن اسلامی: ۴۵۷۔

[۳]۔ تراث الاسلام: ج۱ص۲۷۵، ''الاسرائیلیات وأثرھافی کتب التفسیر'' سے اقتباس: ۴۲۹۔

[۴]۔ تاریخ سیاسی اسلام: ج۲ص۷۳۵اور ۷۳۶۔

یہودیوں میں سے مسلمان ہونے والے یوسف نامی سے نقل ہوا ہے کہ اس نے عبدالملک کی خلافت کی پیشنگوئی کی تھی۔[۱] وہب بن منبّہ نے بھی عمر بن عبدالعزیز کو امت کا مہدی شمار کیا تھا۔[۲،۳]

اشعار کی ترویج اور عیسائیت کی تبلیغ

اہلسنت علماء نے اپنی کتابوں میں جو مطالب ذکر کئے ہیں، ان کی بناء پر یہ قابل غور نکتہ سمجھ میں آتا ہے: شعر و شاعری نے صرف مسلمانوں کو قرآن اور پیغمبر اکرم ﷺ کی احادیث سے ہی دور نہیں کیا، بلکہ وہ شراب نوشی، فساد، فحاشی اور لوگوں کو دین سے دور کرنے کا بھی باعث بنی۔ نیز ان کی یہ شعر و شاعری لوگوں کو عیسائیت کی طرف راغب کرنے اور مسلمانوں کو عیسائی بنانے کا بھی سبب بنی۔[۴]

اس بات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ معاویہ اور بنی امیہ کے دوسرے حکمرانوں کے دربار میں عیسائی شاعروں کا اتنا احترام کیوں تھا اور انہیں کیوں اتنی اہمیت دی جاتی تھی؟! مسلمانوں کے خلیفہ کے دربار میں کیوں ان کا اتنا بلند مرتبہ تھا؟! یہاں تک کہ کبھی مسلمانوں کی ملکی سیاست میں بھی ان کا بہت عمل دخل ہوتا تھا!

سب سے پہلے عمر نے عیسائیوں کو حکومتی ذمہ داریاں سونپیں تھیں۔

ابوزبید (جو ایک شراب خور اور ولید کا ہم پیالہ تھا) عمر کی طرف سے اپنے قبیلہ کی زکاۃ جمع کرنے پر مأمور تھا۔ حالانکہ ابوزبید عیسائی تھا اور "الاستیعاب" کے مطابق یہ عمر کی طرف سے اپنے قبیلہ کی زکاۃ جمع کرنے کے لئے مأمور تھا۔

اس کام سے عمر نے آنے والے افراد کے لئے راستہ کھول دیا تا کہ وہ عیسائیوں اور دین سے خارج افراد کو حکومتی امور کی ذمہ داریاں سونپیں، یہاں تک کہ عثمان کے زمانے میں عیسائیوں کے کئی افراد حکومتی منصب پر فائز تھے۔ جب عیسائیوں کو حکومتی باگ ڈور اور حکومت میں اعلیٰ عہدے ملے تو وہ اشعار کی ترویج میں لگ گئے تا کہ اس کے ذریعہ قرآن پر سے لوگوں کی توجہ کو کم کیا جاسکے اور یہ وہی چیز تھی کہ جس کے بارے میں

---

[۱]۔ تاریخ الخلفاء: ۲۴۳.

[۲]۔ تاریخ الخلفاء: ۲۶۳.

[۳]۔ اسرائیلیات و تأثیر آن بر داستان ھای انبیاء در تفاسیر قرآن: ۸۱.

[۴]۔ اسرائیلیات و تأثیر آن بر داستان ہای انبیاء در تفاسیر قرآن: ۸۱.

رسول اکرم ﷺ نے پہلے سے پیشگوئی کی تھی۔

انہوں نے شعر کی ترویج کو دستاویز قرار دیا جس کے ذریعہ وہ لوگوں کو شراب نوشی اور دین سے روگردانی کی طرف راغب کرتے تھے اور یہ چیز نہ صرف لوگوں کے عقائد کمزور کرنے کا باعث بن رہی تھی، بلکہ دوسروں کے اسلام کی طرف مائل ہونے کی راہ میں رکاوٹ تھی۔

جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے کہ ابن شہاب کی روایت کے مطابق عمر نے ابو موسی کو خط لکھا اور جس میں لکھا تھا: انہیں شعر روایت کرنے کا حکم دو؛ کیونکہ یہ اعلیٰ اخلاقیات کے لئے راہنما ہیں![1]

پس اس بنا پر عمر نے اپنی زبان سے شعر کی طرف رغبت دلانا شروع کی اور معاویہ کے زمانے میں یہ رائج ہوا اور اس کے بعد بنی امیہ نے شعر کی ترویج میں مبالغہ سے کام لیا۔

سعید ایوب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''الاستیعاب'' کے مصنف ولید کے بارے میں لکھتے ہیں: اہل عمل کے درمیان کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ یہ آیۂ شریفہ ''اگر کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کرو''[2] ولید کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[3]

اسی طرح ابن عباس سے منقول ہے کہ یہ آیۂ شریفہ ''کیا وہ شخص جو صاحب ایمان ہے اس کی مثل ہو جائے گا جو فاسق ہے، ہر گز نہیں دونوں برابر نہیں ہو سکتے''[4] حضرت علی بن ابی طالب علیہما السلام کے ایمان اور ولید کے فسق کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور پھر وہ اس بارے میں ایک واقعہ بھی نقل کرتے ہیں۔[5]

''الاصابۃ'' کے مصنف ابوزبید کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ زمانۂ جاہلیت میں اپنے ماموں کے پاس بنی تغلب میں زندگی بسر کرتا تھا اور اسلام کے دوران جب ولید کو جزیرہ اور پھر کوفہ کی حکمرانی ملی تو یہ اسی کے ساتھ رہتا تھا۔[6]

ابن قتیبہ اس بارے میں لکھتے ہیں: ابوزبید ہر گز مسلمان نہیں ہوا تھا اور وہ اسی طرح عیسائیت پر باقی رہا

---

[1] ۔ کنزالعمال: ج۱۰ص۳۳۰.

[2] ۔ سورۂ حجرات، آیت: ۶.

[3] ۔ الاستیعاب: ج۳ص۶۳۲.

[4] ۔ سورۂ سجدہ، آیت: ۱۸.

[5] ۔ الاستیعاب: ج۳ص۶۳۳.

[6] ۔ الاصابہ: ج۴ص۸۰.

اور دنیا سے چلا گیا۔ مرزبانی کہتے ہیں کہ اسے طویل عمر ملی اور وہ ایک سو پچاس سال زندہ رہا۔ اس نے اسلام کو تو درک کیا لیکن مسلمان نہیں ہوا اور وہ معاویہ کی حکومت کے زمانے تک زندہ تھا۔[۱]

اگرچہ قرآن وحدیث کی رو سے ولید فاسق اور اکثر مؤرخین کے مطابق ابوزبید عیسائی تھا۔ لیکن عمر نے اس میں عوامی مفاد (!) کو دیکھا اور ولید کو جزیرہ کا حاکم بنا دیا اور ابن حجر کے مطابق عمر نے ابوزبید کو اسی کے قبیلہ کی زکاۃ جمع کرنے پر مأمور کر دیا اور اس کے علاوہ کسی اور عیسائی کوئی ذمہ داری نہیں دی۔[۲] اسی دوران عمر نے حکم جاری کیا اور ابن شہاب کی روایت کی رو سے اس نے ابو موسی اشعری کو خط لکھا، جس میں اس نے یہ فرمان جاری کیا: ''اپنے اطرافیوں کو حکم دو کہ وہ عربی قواعد سیکھیں جو صحیح گفتگو کے لئے راہنما ہیں اور انہیں حکم دو کہ وہ شعر روایت کریں جو اعلیٰ اخلاقیات کے لئے راہنما ہیں''۔[۳]

شعر؛ روایت کرنا ایک عربی سنت تھی جس کی طرف اسلام نے کوئی خاص توجہ نہیں دی اور نہ ہی خدا کی کتاب میں شعر اور شاعروں کی کوئی تعریف کی ہے اور نہ ہی سنت میں انہیں کوئی خاص اہمیت دی گئی ہے۔

منقول ہے کہ رسول خداﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی! جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا، میرے بعد میری امت پر ایک ایسا وقت آئے گا جب مال ناجائز طریقہ سے لیا جائے گا اور خون بہایا جائے گا اور اشعار؛ قرآن کی جگہ لے لیں گے۔[۴]

یہ کہ شعر روایت کرنے کی طرف دعوت دینا، غیب کی خبر دینا اور حجت قائم کرنا، اس وقت کی طرف اشارہ ہے کہ جب شعر؛ قرآن کی جگہ لے لیں گے۔ قبیلۂ بنی تغلب (جن کی رسول خداﷺ نے سرزنش کی تھی)، حیرہ کے عیسائیوں (جو عباسیوں کی خلافت کے زمانے تک عیسائیت پر باقی تھے) اور قیساریہ کے اسیروں کے قافلوں (جنہیں معاویہ نے اپنی خلافت میں دالخلافہ کی طرف بھیجا) نے راہ خدا کو بند کرنے کے لئے لوگوں کو اشعار روایت کرنے کی دعوت دی۔

عثمان کے دور میں کچھ رکاوٹوں کے برطرف ہو جانے اور کوفہ پر ولید کی حکمرانی سے عیسائیت کو پھیلانے کا دائرہ وسیع ہو گیا اور اسی دور میں حیرہ کے عیسائیوں سے تعلقات قائم کئے گئے اور اس علاقہ کے قافلوں کو کچلا

---

[۱]۔ الاصابہ: ج۴ص۸۰.

[۲]۔ الاصابہ: ج۴ص۸۰.

[۳]۔ کنزالعمال: ج۱۰ص۳۰۰ابن الأنباری کی روایت کے مطابق۔

[۴]۔ کنزالعمال: ج۱۱ص۱۸۷ دیلی کی روایت کے مطابق۔۔

گیا اور دَیر کے شعروں کو رائج کیا گیا جو مخفیانہ طور پر عقلی ثقافت پر بہت اثر انداز ہوئی۔ اس کے بعد شراب کے بارے میں اشعار کی باری آئی جو واضح طور پر اسلام کا خیال دل سے نکالنے اور اسے ترک کرنے کے خواہاں تھے۔

ہم نے ان میں سے کچھ موارد اپنی دوسری کتاب ''الانحرافات الکبری'' میں ذکر کئے ہیں، لہٰذا اس کی اصل بنیادوں کو جاننے کے لئے اس کتاب کی طرف رجوع کریں۔

دیر اور شراب کے اشعار کی فضا میں کوفہ کا حاکم ولید بن عقبہ اور اس کا درباری ابوزبید مل کر اخلاقی اقدار کو پامال کر رہے تھے۔

''الاستیعاب'' کے مصنف اس بارے میں لکھتے ہیں کہ ولید اور اس کے ہم پیالہ ابوزبید کی شراب نوشی کی خبریں بہت مشہور ہیں۔[1]

بہت سے مؤرخین اور محدثین نے نقل کیا ہے کہ ولید نے نشہ کی حالت میں صبح کی نماز جماعت کے ساتھ مسجد میں پڑھی اور چار رکعت پڑھنے کے بعد مأمومین سے پوچھا کہ کیا وہ چاہتے ہیں کہ ان کے لئے دوبارہ سے نماز پڑھوں؟[2]

عثمان بن عفان کے خلاف قیام کا پہلا سبب یہی مسئلہ تھا کہ خلیفہ نے ولید کو معزول کرکے اور اسے قربانی کا بکرا بنا کر اپنی جان چھڑائی۔ لیکن شعر اسی طرح باقی رہے بلکہ ان میں وسعت آتی گئی، شراب کے بارے میں اشعار، عاشقانہ شعروں میں اور پھر عیاشی کے اشعار میں تبدیل ہو گئے۔ معاویہ کے دور میں ادبیات عرب اپنے عروج پر تھی اور حزب حاکم کی سیاست کے دامن میں پلنے والے فحاش اشعار کہے گئے جو قبائلی اختلافات اور عربی تعصب کو ترویج دے رہے تھے۔

بنی امیہ نے اشعار کی ترویج میں مبالغہ کی حد تک کام کیا اور وہ کبھی شعر کے ایک مصرع یا ایک ادبی نکتہ پر ہزاروں دینار سے نوازتے تھے۔ اس لئے لوگ بھی اشعار کہنے اور عرب کی جنگوں کے احوال بیان کرنے میں لگ گئے اور انہوں نے اس کے ذریعے بہت سا مال حاصل کیا۔

شعر اور ادبیات اس حد تک نفوذ کر چکے تھے کہ حتی بہت سے علماء علمی محافل میں عقلی مسائل سے بحث کرتے وقت اپنا نظریہ ثابت کرنے کے لئے کسی شعر یا ضرب المثل کو بطور نمونہ پیش کرتے تھے۔

---

[1] ۔ الاستیعاب: ج ۳ ص ۶۳۳.

[2] ۔ الاستیعاب: ج ۳ ص ۶۳۳.

اسی دور میں منفی شعر اور راہ خدا سے روکنے والے افراد فتنہ کی تاریک راتوں میں اپنے لئے راستہ بنا رہے تھے اور شعراء تیزی سے رہبر کے مرکز کے نزدیک ہو رہے تھے۔ان شاعروں میں سے اخطل کا نام لیا جا سکتا ہے جو حیرہ میں پیدا ہوا، جس کا تعلق بنی تغلب سے تھا اور جو اپنے اکثر قبیلہ والوں کی طرح عیسائی تھا۔جب یزید بن معاویہ خلیفہ بنا تو اسے اپنے پاس بلالیا اور وہ اس کا بہت احترام کیا کرتا تھا۔یزید کے بعد دوسرے خلیفہ بھی اس کا بہت احترام کرتے تھے اور اسے بہت سی دنیاوی نعمتوں سے نوازتے تھے بالخصوص عبدالملک مروان اسے دوسرے شعراء پر ترجیح دیتا تھا اور اسے اس کا بہت زیادہ صلہ اور جزاء دیتا تھا۔[۱]ان شاعروں میں سے اعشی کا نام بھی لیا جا سکتا ہے جو عیسائی تھا اور وہ جہاں کہیں بھی جاتا تھا، وہاں اس کے اشعار کو بہت زیادہ سراہا جاتا تھا۔[۲]

فتنہ کی ثقافت اتنی پھیل چکی تھی اور اموی دور میں عیسائیوں کو ایسا مقام مل چکا تھا کہ ان کے بغیر سیاسی تدبیر میں مشکل پیش آتی تھی۔ان میں سے ایک گروہ کے پاس ٹیکس جمع کرنے کی ذمہ داری تھی اور ان میں سے اکثر کو خلفاء کے نزدیک بلند مقام حاصل تھا۔[۳]

شعر، شراب اور فحاشی کی آغوش سے وجود میں آنے والے فتنہ سے زندیقیوں اور عیسائیوں کے نظریات سامنے آ رہے تھے[۴]،اور یحییٰ دمشقی کی زبان پر مرجئہ کے آراء و نظریات جاری تھے جس کا باپ عبدالملک بن مروان کا یار و مددگار تھا۔اسی یحییٰ نے خود عیسائیت کے فضائل میں ایک کتاب لکھی تھی۔یہ کوئی اتفاق نہیں تھا کہ یحییٰ دمشقی کے آراء کو مرجئہ اور شام کے قدریّہ کے پاس فروغ دیا گیا۔اس طوفان میں پرانے حالات اور قدیم دنیا پھر سے آہستہ آہستہ آشکار ہو گئی، دولت کو بے مثال طاقت ملی جس نے تمام اقدار کو پامال کیا، ہر چیز مال پر قربان ہونے لگی اور اسے حاصل کرنے کے لئے سیاستدانوں اور حکمرانوں نے ہر غلط حربہ اختیار کیا اور وہ ایک دوسرے پر سبقت لینے میں مصروف ہو گئے۔

اس تحریک کے آخر میں کچھ ایسے شعرا پیدا ہوئے جو ہر مذہبی چیز کی تحقیر و توہین کرتے تھے، جو واضح اور گستاخانہ انداز میں اپنے نظریات پیش کرتے تھے جس کی اس سے پہلے کوئی مثال نہیں ملتی۔شام میں ابوالعلای معری شاعر (۳۶۳-۴۴۹) عقلی نظریات کی آڑ میں ہر مذہبی چیز پر حملہ کرتا تھا اور یوں کہتا تھا: اے

---

[۱]۔تاریخ الأدب العربی: ج۱ص۲۰۵.
[۲]۔تاریخ الأدب العربی: ج۱ص۲۳۸.
[۳]۔تاریخ الأدب العربی: ج۱ص۲۵۶.
[۴]۔الحضارۃ الاسلامیۃ: ج۲ص۶۵.

گمراہو! ہوش میں آؤ، ہوش میں آؤ! تمہاری ایمانداری گزرے ہوئے لوگوں کے دھوکہ سے زیادہ نہیں ہے، جو اس کے ذریعے سے دنیا کے مال و منال کو اکٹھا کرنا چاہتے تھے، وہ اس دنیا سے چلے گئے او بخیلوں کی سنت دم توڑ گئی۔(!)

وہی کہتا تھا: لوگ پے در پے فساد کے قریب ہو گئے اور سب مذہب گمراہی کے لحاظ سے یکساں ہیں۔[1] پھر ابن راوندی (متوفی سنہ ۲۹۳ھ) کی نوبت آئی جس نے یہاں تک کہہ دیا کہ ہمیں اکثم بن صیفی کے کلمات میں قرآن سے بھی خوبصورت کلمات ملتے ہیں۔[2]

اسی طرح ابولعلاء معری کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ قرآن سے مقابلے کے لئے کھڑا ہوا اور اس نے "الفصول والغايات فی محاذاة السور والآيات" کے نام سے ایک کتاب لکھی اور جب اس سے کہا گیا کہ تم نے اچھا لکھا ہے لیکن ان میں قرآنی آیات کی مٹھاس نہیں ہے تو اس نے جواب دیا: اسے چار سو سال تک محرابوں سے زبان پر جاری رہنے دو تاکہ یہ چمک جائے، اور پھر دیکھو کہ یہ کیسی کتاب ہے۔[3]

اس طرح اشعار کو تقویت ملنے کے بارے میں رسول خداﷺ کی غیبی پیشنگوئی اس وقت متحقق ہو گئی جب ولید نے اپنا قصر کھولا اور حیرہ کے عیسائیوں نے جزیرہ پر اپنے قدم رکھے تاکہ وہ تغلب کے عیسائیوں کو گود لے لیں۔ پھر دیر کے شعر، اس کے بعد شراب کے بارے میں اشعار اور پھر فحاشی پر مشتمل اشعار رائج ہوئے۔ وہ لوگ عرب کی قدیم جنگوں، امویوں کے فضائل کا تذکرہ کرکے اور زمانۂ جاہلیت کی اقدار کو ترویج دے کر خود کو خلافت کی کرسی کے قریب لے آئے۔ اور جس میدان میں حدیث نہیں تھی وہاں اس کے نتیجہ میں سیاسی دباؤ اور تصوف نے اپنے قدم جمائے اور ان واقعات کے مقابلہ میں زندقہ اور مرجئہ کی تعلیمات اور دوسرے واقعات رونما ہوئے۔ اس تمام کشمکش کے دوران عیسائی ٹیکس اکٹھا کرنے کی نگرانی کر رہے تھے اور جو بھی وزارت کا خواہشمند ہوتا تھا، وہ ان کے نزدیک ہو جاتا تھا،[4] کیونکہ خاردار جھاڑی سے اموال حاصل کرنے کے لئے سب ایک دوسرے کے پیچھے لگے تھے اور شاعروں نے راہ خدا کو بند کرکے دین اور قرآن کے خلاف اس طرح سے

---

[1] ۔ الحضارة الاسلامية: ۱۳۷.

[2] ۔ الحضارة الاسلامية: ۱۳۹.

[3] ۔ الحضارة الاسلامية: ۱۴۰.

[4] ۔ الحضارة الاسلامية: ج ۱ ص ۱۲۷.

اعلان جنگ کیا تھا کہ جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔[۱]

تمیم داری کی قصہ گوئی اور عیسائیت کی تبلیغ

یہودی اور عیسائی دانشور مساجد میں قصہ گوئی کرتے تھے اور عیسائی علماء ان کہانیوں کے ضمن میں عیسائیت کی تبلیغ وترویج کرتے تھے۔

کتاب ''اسرائیلیات و تأثیر آن...'' میں لکھتے ہیں:

اہل کتاب کے علماء حکومتی اور سرکاری ہدایات کے زیر سایہ یہ کام انجام دیتے تھے۔انہوں نے مسلمانوں کی مساجد اور ان میں سے بھی اہم ترین یعنی مدینہ میں مسجد نبوی پر اپنا قبضہ جمالیا تھا تاکہ لوگوں کو بنی اسرائیل کے حالات کے بارے میں ایسی کہانیاں سنانے میں مشغول رکھیں جو لوگوں کی طبیعت اور ان کے اپنے مقاصد سے سازگار ہوں۔[۲]

دوسرے خلیفہ کی نظر میں تمیم داری (تازہ مسلمان ہونے والا عیسائی) مدینہ کے بہترین لوگوں میں شمار ہوتا تھا([۳])! اس نے عمر سے تقاضا کیا کہ وہ قصہ گوئی کرنا چاہتا ہے۔عمر نے اسے اجازت دے دی اور وہ جمعہ کے دن مسجد نبوی میں لوگوں کے لئے قصہ گوئی کیا کرتا تھا۔[۴] عمر خود بھی تمیم کی مجلس میں بیٹھتا اور اس کے قصے سنتا تھا![۵]

حقیقت میں اسرائیلیات سے قصہ کہانیوں کے جوڑ کی یہی سب سے اہم دلیل ہے کہ تمیم داری (جو پہلے عیسائی تھا) نے سب سے پہلے قصہ گوئی کی اور کعب الأحبار (جو پہلے یہودی تھا) کا شامات میں یہی کام تھا؛ حتی کہ اس کا سوتیلا بیٹا (یعنی تبیع بن عامر جس کی پرورش کعب الأحبار کے ذمہ تھی اور جس نے آسمانی کتابیں پڑھیں تھیں) بھی اصحاب کے لئے قصے کہانیاں بیان کیا کرتا تھا!

---

[۱]۔ازژرفای فتنہ ھا: ج۱ص۴۱۸.

[۲]۔الصحیح من سیرۃ النبی الأعظم: ج۱ص۱۲۲-۱۲۴(تلخیص).

[۳]۔الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ: ج۱ص۲۱۵.

[۴]۔الاصابۃ فی تمییز الصحابہ: ج۱ص۱۸۴، ۱۸۳اور ۱۸۶۔نیز الصحیح من سیرۃ النبی الأعظم: کی پاورقی کے تمام حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں۔

[۵]۔القصاص والمذکرین: ۲۹.

محققین نے اس امر کی وضاحت کی ہے کہ ابتدائے اسلام میں قصہ گوئی کرنے کے واقعات اہل کتاب کی ثقافت سے متاثرہ تحریک کا نتیجہ تھے اور صدیوں سے ان کی اصل بنیاد ایسے قصے تھے جنہیں اہل کتاب انبیاء اور دوسروں سے روایت کرتے تھے۔

قصہ گوئی کی تحریک کو اسلامی ثقافت کے ساتھ برابر قرار دیا گیا تھا اور کچھ علماء کی مخالفت کے باوجود بعض خلفاء و محدثین کی حمایت حاصل ہونے کی وجہ سے یہ معاشرے میں پوری طرح نفوذ کر گئے جس نے اسلامی ثقافت پر بڑے تباہ کن اثرات چھوڑے۔[1]

ڈاکٹر مصطفیٰ حسین لکھتے ہیں:

اسلامی فتوحات کے بعد شام کا ماحول اسلامی ثقافت میں اسرائیلیات کو پھیلانے میں بہت اثر انداز ہوا اور تمیم داری جیسے افراد ــ جو تازہ مسلمان ہونے والی عیسائیوں میں سے تھا۔کا اس تحریک (اسرائیلیات کی ترویج) میں بہت اہم کردار تھا کیونکہ اصل میں عیسائی ہونے کے باوجود اس کی شخصیت اور روایات پر اسرائیلی ثقافت کے اثرات کسی بھی محقق سے ڈھکے چھپے نہیں ہیں؛ بالخصوص ''جسّاسہ'' کی کہانی کہ جس میں اس کے راویوں نے رسول اکرم ﷺ کی طرف جھوٹی نسبت دی ہے۔[2]

ڈاکٹر احمد امین بھی ظہور اسلام کے بعد شام کے حالات کے بارے میں کہتے ہیں:

شام میں اکثر عیسائی تھے جنہوں نے اپنا مذہب نہ چھوڑا اور وہ جزیہ دیتے تھے۔ایک گروہ نے اسلام قبول کیا اور انہوں نے اپنا علمی سرمایہ اسلام میں داخل کر دیا، جو انہوں نے کیش عیسوی سے لیا تھا۔مساجد، کلیسا کے ساتھ برابر ہو گئیں تھیں اور وہاں مسلمانوں اور عیسائیوں کے میل جول تیزی سے بڑھ رہے تھے۔[3]

اس لحاظ سے شام کو ''اسرائیلیات کے لئے سرسبز زمین'' کا نام دیا جاسکتا ہے۔

معاویہ نے طاقت کے بل بوتے پر کچھ عیسائیوں کو اپنا مقرب اور مشیر منتخب کیا۔ان میں سے ''سرجون'' وزیر اور دربار کے خاص مصنف ، ''ابن آثال'' دربار کے مخصوص طبیب، اور اموی دربار کے خصوصی شاعر ''اخطل'' کے ناموں کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے۔

یہ معلوم ہے کہ یہ وہ لوگ نہیں تھے جو اپنے مسیحی اعتقادات وافکار سے دستبردار ہو چکے تھے بلکہ وہ اموی

---

[1]۔ اسرائیلیات وتأثیر آن بر داستان ہای انبیاء در تفاسیر قرآن: ۶۳.

[2]۔ اسرائیلیات فی الفتاث الاسلامی: ۷۹ اور ۸۰.

[3]۔ فجر الاسلام: ۱۸۹.

دربار میں اتنانفوذ کر چکے تھے کہ ان پر اپنے نظریات مسلّط کرتے تھے۔[۱]

مؤرخین نے ان عیسائیوں کے معاویہ سے باہمی میل جول کو بیان کرکے بہت سے نکات درج کئے ہیں۔ہم ان میں سے کچھ کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱۔سرجون بن منصور رومی:اس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ مصنف اور معاویہ کا محرم راز یا اس کے اسرار کا محافظ تھاجو معاویہ کی موت کے بعدیزید کی خدمت گار بن گیا تھا۔

کتاب''الاغانی''میں وارد ہواہے کہ وہ یزید کے ساتھ مل کر شراب نوشی کرتا تھااورجب مسلم بن عقیل علیہ السلام کے کوفہ پہنچنے کی خبر آئی تواسی نے یزید سے سفارش کی تھی کہ ابن زیاد کو کوفہ کا گورنر بنادیا جائے۔[۲]اس کا بیٹا بھی عبدالملک بن مروان کے لئے کتابت کے فرائض انجام دیتا تھا۔[۳]

۲۔ابن آثال:مؤرخین کے مطابق یہ عیسائی معاویہ کا درباری طبیب تھااور دمشق میں اس کا خصوصی معالج تھا۔

احمد امین کہتے ہیں:معاویہ کواس سے بڑی ہمدردی تھی اور وہ اس سے بہت عقیدت رکھتا تھااور ہمیشہ اس سے گفتگو کرتا تھا۔[۴]

یعقوبی بھی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:سب سے پہلے معاویہ نے ابن آثال کو سرزمین''حمص''سے ٹیکس جمع کرنے کے لئے مأمور کیا تھاجب کہ اس سے پہلے کسی بھی خلیفہ نے عیسائیوں کو ایسی ذمہ داری نہیں سونپی تھی۔[۵]

۳۔اخطل:یہ معاویہ کے دربار کا عیسائی شاعر تھا۔جاحظ اموی حکومت کے ساتھ اس کے تقرب کے سبب کے بارے میں لکھتے ہیں:معاویہ انصار کو ذلیل وخوار کرنا چاہتا تھاکیونکہ ان میں سے اکثر حضرت علی بن ابی طالب علیہماالسلام کے صحابی تھے اور معاویہ کی خلافت کے مخالف تھے۔اس کے بیٹے یزید نے کعب بن جعیل سے

---

[۱]۔معالم المدرستین:ج۱ص۵۰اور۵۱۔

[۲]۔الاغانی:ج۱۶ص۶۸،''معالم المدرستین''سے اقتباس:ج۲ص۵۰،نیز رجوع کریں''تاریخ طبری:ج۳ص۲۲۸اور۲۳۹،الکامل فی التاریخ :ج۴ص۱۱۷''۔

[۳]۔التنبیہ الاشراف:۲۶۱،معالم المدرستین:سے اقتباس:ج۲ص۵۰۔

[۴]۔فجر الاسلام:۱۶۲۔

[۵]۔تاریخ یعقوبی:ج۲ص۲۲۳۔

کہا کہ وہ انصار کی برائی کرے لیکن اس نے منع کر دیا اور کہا: میں ایک نصرانی غلام کے بارے میں بتاتا ہوں جس کی زبان بہت لمبی ہے اور وہ ان کی برائی کرنے میں گریز نہیں کرے گا، پس اس نے یزید کو اخطل کے بارے میں بتایا۔[۱]

''الأغانی'' میں بھی اس کے ذیل میں وارد ہوا ہے: وہ عیسائی کافر تھا جو مسلمانوں کی توہین کرتا تھا اور جب وہ آتا تھا تو اس نے ریشم کا لباس اور گردن میں سونے کی صلیب پہنی ہوتی تھی، اور اس کی داڑھی سے شراب ٹپک رہی ہوتی تھی اور اسی حالت میں اجازت کے بغیر عبدالملک بن مروان کے پاس جاتا تھا اور وہ یزید کا ہمدم و ہمنشین تھا اور اسی کے ساتھ جام سے جام ٹکراتا تھا۔ اسی طرح اس نے ایک شعر کہا تھا جسے انہوں نے مسجد کوفہ کے دروازے پر آویزاں کر دیا تھا۔[۲]

اس کے بارے میں دوسرے محققین لکھتے ہیں: اس کے اشعار میں ایسے شواہد ملتے ہیں کہ جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اموی دور میں بھی عربوں میں بت پرستی کی کچھ رسومات باقی تھیں۔ نیز ان اشعار سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس سلسلے کے افراد میں کس حد تک مذہبی رواداری پائی جاتی تھی۔

اخطل ان لوگوں کی سخت سرزنش کرتا تھا جنہوں نے طاقتور لوگوں کی قربت کی خاطر، اپنے باپ دادا کا بت پرستی اور عیسائیت کا دین چھوڑ دیا تھا۔ اس کے بہترین اشعار بھی وہی ہیں جو اس نے امویوں کی شان میں لکھے ہیں۔ مسلمانوں کا مذاق اڑانے اور ان کا تمسخر کرنے کے باوجود عبدالملک اس کی حمایت کرتا تھا۔[۳]

یہ شواہد واضح اور روشن دلائل ہیں کہ شام اور معاویہ کا دربار تمام قبیلوں اور قطب کے اکٹھے ہونے کی جگہ میں تبدیل ہو چکا تھا کہ جن کا ہدف اور مقصد ایک ہی تھا اور وہ ہدف اسلام کے تن آور درخت کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کی کوشش کرنا اور اسلامی اقدار کے خلاف جنگ کرنا تھا۔ معاویہ اپنے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لئے تمام ذرائع استعمال کرنا جائز سمجھتا تھا۔ اس نے تازہ مسلمان ہونے والے یہودی اور عیسائی علماء (جو ظاہراً مسلمان ہوئے تھے) اور تمام ہوس پرست اور نقلی حدیثیں گھڑنے والوں کی جعلی اور من گھڑت روایات سے بہت استفادہ کیا اور یہ سب معاویہ کی سرپرستی میں ہو رہا تھا۔[۴]

---

[۱]۔ البیان والتبیین: ج۱ص۸۶، معالم المدرستین سے اقتباس: ج۲ص۵۰.

[۲]۔ الأغانی: ج۸ص۲۲۹، ۳۲۱ اور ج۱۶ص۶۸ معالم المدرستین سے اقتباس: ج۲ص۵۰ اور ۵۱.

[۳]۔ انتقال علوم یونانی بہ عالم اسلام (دلیس اولیری): ۲۱۶.

[۴]۔ اسرائیلیات وتأثیر آن بر داستان ہای انبیاء در تفاسیر قرآن: ۷۴.

عمر کے دور حکومت میں تمیم داری

ابوریہ لکھتے ہیں: عمر بن خطاب بھی تمیم کا بہت احترام کرتا تھا اور اسے "خیر اھل المدینۃ"[1] (یعنی مدینہ کا بہترین فرد) کے الفاظ سے یاد کرتا تھا، اور یہ سب بالکل اسی وقت ہو رہا تھا جب حضرت علی علیہ السلام اور بزرگ صحابی بھی موجود تھے۔ جب بعد میں دوسرے خلیفہ کے حکم پر لوگ مختلف طبقات میں تقسیم ہو گئے تو تمیم اہل بدر کے ساتھ تھا جن کا شمار پیغمبر اکرم ﷺ کے سب سے محترم اصحاب میں سے ہوتا تھا اور وہ سب سے زیادہ حقوق لیتا تھا۔

اسی طرح جب اس نے حکم دیا کہ ماہ رمضان کی مستحب نمازوں اور نافلہ کو جماعت کے ساتھ پڑھا جائے (سنہ ۱۴ ہجری) تو اس نے دو افراد کو امام جماعت نامزد کیا تھا جن میں سے ایک تمیم داری تھا جو کہ راہب اور نصرانی عالم تھا اور تازہ مسلمان ہوا تھا۔

وہ ہزار درہم کی مالیت کا لباس پہن کر اور مزین ہو کر نماز جماعت میں آتا اور مسلمانوں کی امامت کرتا تھا۔[2] عثمان کی خلافت کے اختتام تک تمیم مدینہ میں تھا لیکن اس کے قتل ہو جانے کے بعد وہ شام چلا گیا اور وہاں سنہ ۴۰ھ کو اس دنیا سے چلا گیا۔[3]

ابوریہ لکھتے ہیں: قابل توجہ نکات میں سے یہ ہے کہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عثمان کے قتل ہو جانے اور امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے منصب خلافت پر فائز ہونے کے بعد تازہ مسلمان ہونے والے تمام یہودی کاہن، عیسائی اور سب ہوس پرست مسلمان شام چلے گئے۔

یہ واضح ہے کہ یہ کام خدا کے لئے نہیں بلکہ فتنہ پھیلانے اور مسلمانوں میں نفرت اور بغض کی آگ بھڑکانے کے لئے تھا تاکہ اس کے ذریعے اموی حکومت کی بنیادیں مستحکم ہوں اور اموی حکمرانوں کے دین سے ان

---

[1] الاصابۃ: ج ۳ ص ۳۷۴، نقش ائمہ دراحیاء دین'' سے اقتباس، چھٹا شمارہ: ۸۷۔ ذہبی کی روایت میں تمیم کو '' خیر المؤمنین'' کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ ''سیر أعلام النبلاء'' کی طرف رجوع کریں: ج ۲ ص ۴۴۶.

[2] تاریخ ابن عساکر: ج ۱۰ ص ۴۷۹، تہذیب ابن عساکر: ج ۳ ص ۳۶۰، سیر اعلام النبلاء: ج ۲ س ۴۴۷، نقش ائمہ دراحیاء دین'' سے اقتباس: ج ۶ ص ۸۷.

[3] الاعلام (زرکلی): ج ۲ ص ۷۱، اسد الغابہ: ج ۱ ص ۲۵.

کے کشکول بھی بھر جائیں۔![1][2]

بنی امیہ کی حکومت کی جانب سے عیسائیت کی حمایت

اموی حکمرانوں کا یہ غیر اسلامی کردار و رفتار اور ان کے عیسائیوں سے تعلقات صرف ولید تک ہی محدود نہیں تھے بلکہ اس سے پہلے اور بعد میں بھی یہی سلسلہ جاری تھا ،اور انہوں نے ان کی مدد سے غصب کی گئی حکومت کا طوق اپنے گردن میں ڈال لیا۔

ولید سے پہلے ہشام نے بھی عیسائیوں کو اتنی اہمیت دی اور انہیں اعلیٰ عہدوں سے نوازا، یہاں تک کہ خالد بن عبداللہ قسری کو عراق کا حاکم بنا دیا، جو کہ عیسائی زادہ تھا اور وہ نہ صرف عیسائیوں بلکہ یہودیوں اور حتی زرتشتیوں کی بھی حمایت اور طرفداری کرتا تھا۔

کتاب ''امویاں...'' میں لکھتے ہیں: ہشام کی خلافت کے کچھ عرصہ بعد خالد بن عبداللہ قسری سنہ ۷۲۴ سے ۷۳۸ء تک عراق کا حاکم رہا۔ بعض موقعوں پر وہ مشرقی ریاستوں کی بھی مکمل نگرانی کرتا تھا، لیکن کہتے ہیں کہ بعض دوسرے مواقع پر خراسان اس کی حکومت سے خارج ہو گیا تھا اور خلیفہ بذات خود وہاں کا حاکم مقرر کرتا تھا۔ تقریباً اموی دور کے آغاز سے ہی شام میں خالد کے خاندان کا کافی اثر و رسوخ تھا اور ولید کی خلافت کے زمانے میں خالد کچھ عرصے تک مکہ کا حاکم رہا۔ ہشام کی طرح عراق میں مال پر قبضہ جمانے اور مال و دولت کے حصول کی خاطر چونچیں مارنے میں اس کا بھی کوئی ثانی نہیں تھا۔ سنت روائی میں اس کے بارے میں بھی دشمنانہ نظر کا احساس ہوتا ہے، جسے کبھی اسلام کا دشمن، تو کبھی عیسائیوں، یہودیوں حتی کہ زرتشتیوں کا طرفدار بیان کیا گیا ہے۔

نقل ہوا ہے کہ ایک بار اس نے عیسائیت کو اسلام پر برتری دی اور اپنی عیسائی ماں کے لئے کوفہ میں مسجد کے پیچھے ایک کلیسا بنوایا۔ بعض کتابوں میں اسے زندیق شمار کیا گیا۔ یہ ایک ایسا عنوان ہے جس میں اکثر تردید اور تنازع رہا ہے۔ نیز اسے مانوی حتی کہ ملحدانی افکار میں بھی دلچسپی تھی۔

---

[1]۔ اضواء علی السنّۃ المحمدیۃ: ۱۸۲ (حوالہ).

[2]۔ اسرائیلیات وتأثیر آن بر داستان ہای انبیاء در تفاسیر قرآن: ۱۰۳.

کہتے ہیں: اسے اپنے خاندان سے اتنی محبت تھی کہ حتی اگر خلیفہ اسے کعبہ کو تباہ کرنے کا حکم دیتا تو یہ اس کے بھی تیار تھا۔ لکھتے ہیں کہ جب یہ مکہ کا حاکم تھا تو اس نے زائرین کے لئے الگ سے پانی فراہم کیا تا کہ اس اقدام سے زمزم کے مقدس کنویں کی اہمیت کو کم کر سکے اور یہ بتائے کہ اس کا پانی کڑوا ہے، اور اس نے یہ اعلان کیا جو پانی اس نے فراہم کیا ہے وہ خدا کے نمائندے (خلیفہ) کے حکم سے ہے![1]

''نہایت الأرب'' میں لکھتے ہیں: خالد کی ماں عیسائی کنیز تھی، جس کا تعلق روم سے تھا اور خالد کے باپ نے اسے اسیر بنا لیا اور پھر خالد بھی اسی سے ہی پیدا ہوا تھا۔ خالد کا بھائی اسد بھی اسی عورت سے پیدا ہوا لیکن وہ مسلمان نہیں ہوا تھا اور جب وہ مرا تو خالد نے اس کے لئے اس کی قبر پر کلیسا بنوایا جس پر لوگوں نے اس کی مذمت کی اور فرزدق نے یہ اشعار کہے: ''اے خدائے رحمٰن! اس سواری کی پشت شکستہ کر دے جو خالد کو سوار کروا کر ہمارے لئے دمشق سے لائی، کس طرح وہ لوگوں کی امامت کرنا چاہتا ہے جس کی ماں کا ایسا دین ہے کہ جو خدا کو یکتا نہیں مانتی؟ وہ اپنی ماں کے لئے کلیسا بنواتا ہے جس میں عیسائی ہیں اور جو کفر سے مساجد کے مینار تباہ کر رہا ہے''۔

خالد نے حکم دیا تھا کہ مسجدوں کے مینار تباہ کر دیئے جائیں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ کسی شاعر نے اس بارے میں شعر کہے تھے:

''اے کاش! میری زندگی مؤذنوں کے ساتھ ہوتی کہ وہ کسی بھی شخص کو گھر کی چھت پر دیکھ سکتے ہیں، یا ان کی طرف اشارہ کرتے ہیں یا دلکش نازنین دوشیزائیں ان کی طرف اشارہ کرتی ہیں''۔

جب خالد کو اس شعر کی خبر ہوئی تو اس نے اسے بہانہ بنا کر مساجد کے مینار تباہ کرنے کا حکم دیا اور جب خالد تک یہ خبر پہنچی کہ اپنی ماں کے لئے کلیسا بنوانے کی وجہ سے لوگ اس کی مذمت کر رہے ہیں تو اس نے کہا: خداوند ان کے دین و آئین (اگر تمہارے دین و آئین سے بدتر ہے) پر لعنت کرے اور وہ معذرت کے طور پر یہ بات کہتا تھا۔

نیز یہ بھی نقل ہوا ہے کہ وہ کہتا تھا: کسی بھی شخص کا خلیفہ و جانشین اس کے خاندان میں اس کے رسول سے محترم ہے۔ اور اس کی مراد یہ تھی کہ ہشام، رسول خداﷺ سے محترم ہے! ہم ان خرافات سے خدا کی

---

[1]۔ امویان؛ نخستین دودمان حکومت گر در اسلام: ۹۹.

پناہ چاہتے ہیں۔[۱]

حجاج بن یوسف سے بھی یہی بات عبدالملک اور رسول خداﷺ کے بارے میں نقل ہوئی ہے۔

خالد بن عبداللہ قسری (جو عراق اور مشرقی علاقہ کا حاکم تھا) حجاج کی سیاست پر عمل کرتا تھا۔ خالد ایک عام انسان تھااور جس طرح لکھا ہے کہ حتی وہ صحیح طریقے سے قرآن بھی نہیں پڑھ سکتا تھا! ایک دن خطبہ پڑھتے وقت اس نے ایک آیت غلط پڑھی اور منہ دیکھتا رہ گیا۔

اس کے دوستوں میں سے قبیلۂ تغلب کا ایک شخص اٹھا اور اس سے کہا: امیر! اپنے لئے کام آسان کرو ، میں نے کوئی عاقل انسان نہیں دیکھا جو قرآن کو حفظ کرکے پڑھے۔ حفظ کرکے قرآن پڑھنا احمقوں کا کام ہے!

خالد نے کہا: تم نے ٹھیک کہا ہے۔[۲،۳]

عراق میں خالد کے مظالم اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ ہشام نے مجبوراً اسے برطرف کر دیا۔[۴]

اہل بیت اطہار علیہم السلام اور عراق کے لوگوں سے خالد کی دشمنی

''الکامل'' میں مبرد نے نقل کیا ہے: خالد بن عبداللہ قسری جب عراق کا حاکم بنا تو وہ منبر سے امیر المؤمنین علی علیہ السلام پر سبّ و شتم کرتا تھااور کہتا تھا: ''أللّٰهم ... علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن هاشم، صهر رسول الله علی ابنته و أبا الحسن و الحسین'' اس کے بعد وہ لوگوں کی طرف دیکھ کر کہتا تھا: کیا یہ محترمانہ انداز نہیں ہے![۵]

---

[۱] ۔ نہایت الأدب: ج۶ ص۳۷۰.

[۲] ۔ ابولفرج اصفہانی: ج۱۹ ص۶۰، تاریخ تمدن اسلامی سے اقتباس: ج۴ ص۸۰.

[۳] ۔ نہ صرف خالد بلکہ بنی امیہ کے کچھ خلفاء صحیح سے بات کرنی بھی نہیں آتی تھی۔

اس بارے میں نقل ہونے والے عجائبات میں سے ایک یہ ہے کہ ولید بن عبدالملک مروان اپنی گفتگو اور محاوروں کے دوران بہت غلطیاں کرتا تھا۔ اس نے اپنی خلافت کے دوران ایک دن امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی توہین کی اور کہا: ''انہ لصّ ابن لصّ'' اور کلمہ '' لص'' کو کسرہ کے ساتھ پڑھا۔ لوگ اس پر بہت حیران ہوئے اور انہوں نے اس سے کہا: ہمیں نہیں پتہ کہ ہم ان دو باتوں میں سے کس پر ہنسیں؛ اس نسبت پر جو تم نے علی بن ابی طالب علیہما السلام سے دی ہے یا کلمہ لصّ پر جسے تم نے مجرور پڑھا ہے۔ (معاویہ و تاریخ: ۱۴۷).

[۴] ۔ تاریخ تحلیلی اسلام: ۲۱۸.

[۵] ۔ معاویہ و تاریخ: ۱۴۷.

اس کا یہ کلام رسول ﷺ اور آل رسول علیہم السلام سے اس کی دشمنی کو ظاہر کرتا ہے۔ ولید اور اس کے خاص کارندے خالد بن عبداللہ قسری کو عراق کے مسلمانوں سے خاص دشمنی تھی۔

یعقوبی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے: ولید نے ایک خط میں حجاز پر اپنے کارندے خالد بن عبداللہ قسری کو حکم دیا کہ حجاز میں موجود عراق کے تمام لوگوں کو نکال کر حجاج بن یوسف کے پاس بھیج دو۔ پس خالد نے عثمان بن حیّان مرّی کو مدینہ بھیجا تاکہ وہ مدینہ میں موجود عراق کے لوگوں کو وہاں سے نکال دے، لہٰذا اس نے بھی ان تمام لوگوں کو مدینہ سے نکال کر ان کے اہل و عیال ہمراہ حجاج کے پاس بھیج دیا، تاجروں اور غیر تاجروں میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا اور اعلان کیا کہ جو بھی کسی عراقی کو پناہ دے گا وہ امان میں نہیں ہے۔ اسے جیسے ہی خبر ملتی کہ مدینہ والوں میں سے کسی کے گھر میں کوئی عراقی ہے تو وہ اسے فوراً نکال دیتا تھا۔[1]

بنی امیہ کے کارندے کلیسا بناتے تھے، قرآن کو حفظ کرنا احمقوں کا کام سمجھتے تھے اور فرزدق شاعر کے قول کے مطابق وہ اپنے کفر کی وجہ سے مساجد کے مینار تباہ کر دیتے تھے، خانۂ خدا کو آگ لگاتے تھے، پیغمبر اکرم ﷺ کے آثار نیست و نابود کرتے تھے اور جہاں تک ہو سکتا تھا وہ دین کے احکامات کو تبدیل کرتے تھے لیکن اس کے باوجود خود کو خدا کا خلیفہ سمجھتے تھے اور قوم بھی سوچے سمجھے بغیر ان کے تمام احکامات مان لیتی تھی!! کیا ایسے لوگ دینی اور مذہبی شعور رکھتے ہیں؟!

---

[1]۔ تاریخ یعقوبی: ج۲ ص۲۴۶.

چوتھا باب

دشمن کے دو حربے

ا۔ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنا

جوافراد یہودیوں کی تاریخ سے آشنا ہیں اور انہیں اسلام کے آئین سے ان کی دشمنی کا علم ہے، وہ جانتے ہیں کہ بنی امیہ نے ہر ممکن طریقے سے اسلام کے خلاف مبارزہ آرائی کی۔ انہوں نے اپنے تمام ذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے اسلام کا مقابلہ کیا تاکہ وہ نہ صرف یہودی اور دوسرے تمام مذاہب کے درمیان ان کی ترقی کا راستہ روک سکیں، بلکہ اسے جڑ سے اکھاڑ کر پھینکیں اور اپنی زوال پذیر اور شکست خوردہ سیاسی وفوجی طاقت کا کچھ سامان کر سکیں تاکہ غیر یہودی اقوام پر بھی اپنا حکم چلا سکیں!

اس قدرت طلبی کی بنیاد پر وہ مختلف مکر وفریب اور چال بازیوں کے مرتکب ہوئے تاکہ شاید ان کی دیرینہ خواہشات پوری ہو جائیں اور ان کے سینے میں موجود دشمنی کی آگ ٹھنڈی ہو جائے۔

ان کی ایک سازش (جسے وہ مناسب منصوبوں کے ساتھ انجام دیتے تھے) مسلمانوں کے درمیان عقیدتی تفرقہ پیدا کرنا تھا۔ مسلمانوں میں مختلف فرقے بنانے میں عیسائیوں کا بہت کردار ہے۔ وہ مسلمانوں میں تفرقہ بازی اور عقیدتی اختلاف پیدا کرتے تھے۔

ان منصوبوں سے یہودیوں کے دو اہم مقاصد تھے:

ا۔ اختلافات پیدا کرکے مسلمانوں میں انتشار اور تفرقہ بازی پیدا کرنا؛ کیونکہ مختلف گروہ اور فرقے بنانے سے نہ صرف ان کی طاقت میں کمی واقع ہو گی بلکہ اس عمل سے مسلمان اصل دین اور اسلام کی بنیاد میں شک کرنے لگیں۔

لوگوں میں شک و شبہ پیدا کرنا ایک ایسا حربہ تھا، جسے یہودی صرف ابتدائے اسلام ہی سے نہیں بلکہ ظہور اسلام اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی استعمال کرتے تھے تاکہ ظہور اسلام کے بعد لوگ اس میں شک و شبہ پیدا کریں اور اسے منکرانہ نگاہوں سے دیکھیں۔

۲۔ اعتقادات میں اتحاد و یگانگت کو ختم کرکے انہوں نے نہ صرف مسلمانوں کے اتحاد کو تباہ و برباد کر دیا بلکہ ان پر اپنا غلبہ پانے کا راستہ بھی ہموار کر لیا۔

اموی اور عباسی دور میں زندیقی تحریک

کتاب ''دولت عباسیان'' میں لکھتے ہیں: زندیق اموی دور میں وجود میں آئے اور عباسیوں کے پہلے دور میں ان کی سرگرمیوں میں شدت آگئی تھی۔

''... حقیقت میں زندقہ منظّم مذہبی افکار کے قالب میں ایک سیاسی تحریک تھی جو اپنے پیروکاروں کو مانوی مذہب، دینی اعتقاد کے محتویٰ اور ان کی فکری میراث کی طرف دعوت دیتی تھی۔ اس اعتبار سے کہ عربی اسلامی میراث کی جانشین ہے، اور کبھی فلسفی دعوت کے پیچھے سیاست چھپی ہوتی تھی کیونکہ زندقہ نے فلسفہ کا لبادہ اوڑھ کر خود کو چھپایا ہوا تھا اور در حقیقت بعض انقلابی پہلوؤں میں مجوس شامل تھے کہ جن کا مقصد یہ تھا کہ کسی طریقے سے اسلامی حکومت کو نیست و نابود کر دیا جائے اور اور اس کی جگہ ایرانی حکومت لائی جائے۔

یہ واضح ہے کہ زندقہ ایک مانوی تحریک تھی جس نے اسلامی فتوحات کے بعد دوبارہ سے عراق اور ایران کے کچھ علاقوں میں جگہ بنالی۔ اس رجحان کے انتشار کی وجہ مذہبی آزادی تھی کہ فتوحات کے بعد مختلف مذاہب کے پیروکاروں کو اس کا سامنا تھا اور جو معاشرے میں ایک طرح کے فکری اور نظریاتی اختلافات کا باعث بنا''۔[1]

اس بناء پر زندیقی ایک فرقہ کے عنوان سے اموی دور میں وجود میں آئے، اب چاہے اسے مانوی تحریک سمجھیں یا مانوی و غیر مانوی تحریک سے اعم سمجھیں۔

جہمیّہ

اہل سنت علماء نے ''جہم بن صفوان'' کے عقائد کے بارے میں جو کچھ کہا ہے، اس پر غور کرنے سے انسان حیرت زدہ ہو جاتا ہے کہ ''جہم'' کے فاسد اور دین مخالف افکار کے باوجود یہ اسے کس طرح مسلمان سمجھتے ہیں اور کس طرح اس کے فرقے کو اسلامی فرقوں میں سے ایک فرقہ سمجھتے ہیں؟! یہ کیوں اس بات پر غور نہیں کرتے کہ دین کی بنیادوں کو ہلا دینے والے اور انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکنے والے افکار اور فاسد عقائد کس طرح مذہبی افکار و عقائد ہو سکتے ہیں؟!

---

[1]۔ دولت عباسیان: ۷۵۔

''جہم'' واضح الفاظ میں کہتا تھا: ہر مسلمان باطنی طور پر مسلمان ہو سکتا ہے لیکن ظاہری طور پر اسے عیسائیت و یہودیت کا اظہار کرنا چاہئے اور عیسائی یا یہودی کے عنوان سے اپنا تعارف کروانا چاہئے ! اور اس کا ایسا عمل اس کے دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا !

اس قول کی بنا پر ہر مسلمان اسلام سے دستبردار ہو کر ظاہری طور پر عیسائی یا یہودی ہو سکتا ہے اور اس کے لئے صرف دل میں اسلام قبول کرنا ہی کافی ہے !

اس طرح ''جہم'' نے دوسرے باطل فرقوں میں اپنے عقائد کے پیروکاروں کا اضافہ کیا اور بہت سے افراد کو اپنے منحرف عقائد کی طرف جذب کیا۔

وہ کہتا تھا: ایمان کے لحاظ سے سب مؤمنین کا ایک ہی درجہ ہے حتی کہ پیغمبر اور ان کی امت بھی یکساں ہے۔ انسان کوئی بھی عمل انجام دے چاہئے وہ کوئی برا کام یا گناہ ہو، پھر بھی اس کے ایمان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی اور چاہے سب مؤمنین کے اعمال مختلف ہوں لیکن ایمان کے لحاظ سے سب یکساں ہیں !

اس نے اپنے اس انحرافی عقیدے کے ذریعے لوگوں میں آزادی و گناہ کو فروغ دیا اور اس قول سے مسلمانوں کو گناہ، بے پردگی اور نیک کاموں سے دستبردار ہو جانے کی طرف راغب کیا ! حقیقت میں اس نے دین کے نام پر دین کی جڑوں پر وار کیا۔

شہرستانی کہتے ہیں: [1] اپنے اس قول سے ''جہم'' معتزلہ پر بھی بازی لے گیا کہ جو یہ کہتے ہیں: جسے معرفت حاصل ہو گئی اور پھر اس نے زبان کے ذریعے انکار کر دیا تو اس نے اس انکار سے کوئی کفر نہیں کیا کیونکہ انکار کے ذریعے معرفت و شناخت ختم نہیں ہوتی اور اس صورت میں بھی وہ پہلے کی طرح مؤمن ہے۔

اس کی طرف نسبت دیتے ہیں کہ وہ ایمان کی تعریف میں بہت زیادہ خرافات بیان کرتا تھا اور صرف اسی پر ہی اکتفاء نہیں کرتا تھا کہ ایمان صرف باطنی تصدیق کا نام ہے بلکہ اس کا عقیدہ یہ تھا کہ جو بھی دل میں ایمان لائے اور بعد میں شرک کرے یا یہودیت و عیسائیت کا اظہار کرے تو یہ عمل اسے دائرۂ ایمان سے خارج نہیں کرتا !

وہ کہتا تھا: [2] ایمان ایک قلبی معاہدہ ہے اور اگر مؤمن کسی تقیہ کے بغیر اپنی زبان سے کفر کا اعلان کرے

---

[1] ۔ الملل والنحل: ۸۰۱، ملاحظہ کریں ''مقالات الاسلامیین'': ج ۱ ص ۱۹۸۔

[2] ۔ الفصل فی الملل والأھواء والنحل: ج ۴ ص ۲۰۴۔

، بت پرستی کرے ، اسلامی سرزمین پر یہودیت وعیسائیت کا اقرار کرے، صلیب کی عبادت کرے اور اسلامی شہروں میں تثلیث کا پرچار کرے اور اسی حالت میں مر جائے تو وہ اسی طرح مؤمن ہے اور ایمان کامل کے ساتھ خداوند عزوجل کے پاس گیا اور وہ خدا کا دوست اور اہل جنت میں سے ہے!

اس نے مرجئۂ ناب کو ان باتوں سے اپنی طرف کھینچ لیا کہ ایمان میں نہ تو کوئی کمی ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی اضافہ اور ایمان کے لحاظ سے سب مؤمن یکساں ہیں۔

وہ کہتا تھا: [۱]ایمان پارہ پارہ نہیں ہو سکتا یعنی ایمان عہد و پیمان اور گفتار و کردار میں تقسیم نہیں ہو سکتا اور ایمان رکھنے میں مؤمنوں کو ایک دوسرے پر کوئی برتری نہیں ہے، پیغمبروں اور امتوں کا ایمان یکساں ہے کیونکہ معارف کو ایک دوسرے پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔

وہ انسان کے مجبور و بے اختیار ہونے میں جبریہ ناب کی پیروی کرتا تھا۔

اشعری کہتا ہے: [۲]یہ اعتقادات صرف ایک شخص "جسم" تک ہی منحصر نہیں ہیں بلکہ حقیقت میں کوئی انسان بھی کوئی عمل انجام نہیں دیتا مگر یہ کہ صرف خدائے وحدہ لاشریک ہی اس کا فاعل ہے اور لوگوں کے افعال کو مجازی طور پر اسی کی طرف نسبت دی جاتی ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے: درخت نے حرکت کی، آسمان نے گردش کی، سورج غروب ہو گیا، اور درحقیقت میں یہ خداوند سبحان ہی ہے جو درخت، آسمان اور سورج کے ساتھ یہ عمل انجام دے رہا ہے۔ خدا نے صرف انسان کو قوت دی ہے تاکہ اس کے ذریعے فعل انجام پاسکے اور اس کے لئے فعل کو انجام دینے کا ارادہ و اختیار الگ سے خلق کیا ہے۔ جیسا کہ خدا نے طول کو خلق کیا ہے اور آدمی اسی کے مطابق لمبا ہوتا ہے، رنگ کو خلق کیا ہے اور انسان اسی کے مطابق رنگ کو قبول کرتا ہے اور رنگین ہوتا ہے۔

وہ کہتا تھا: [۳]ثواب وعذاب جبر ہے۔ جس طرح تمام افعال جبر کی وجہ سے ہیں اور جہاں بھی جبر ثابت ہو جائے وہاں تکلیف بھی جبر ہو گی۔ [۴]

---

[۱]۔ الملل والنحل: ج۱ص۸۰، مقالات الاسلامیین: ج۱ص۱۹۸.

[۲]۔ مقالات الاسلامیین: ج۱ص۳۱۲، الفرق بین الفرق: ۱۲۸، الملل والنحل: ج۱ص۸۰.

[۳]۔ الملل والنحل: ج۱ص۸۰.

[۴]۔ مرجئۂ وجہمیّہ در خراسان اموی: ۷۹.

اموی دور میں معتزلہ

کتاب ''تاریخ سیاسی اسلا'' میں لکھتے ہیں:

بغدادی نے کتاب ''الفرق بین الفرق'' میں لکھا ہے: ایک دفعہ حسن بصری اور واصل بن عطای غزال کے درمیان تقدیر اور دو منزلوں کے درمیان منزلت یعنی ایمان و کفر کے درمیان واسطے کے بارے میں اختلاف ہو گیا اور عمرو بن عبید بھی اس بدعت میں اس کے ساتھ تھا۔

حسن بصری نے اسے اپنی مجلس سے نکال دیا اور وہ بھی مسجد بصرہ کے ایک ستوں کے ساتھ گوشہ نشین ہو گیا، اور پھر انہیں اور ان کے پیروکاروں کو معتزلہ کا نام دے دیا کیونکہ انہوں نے دوسروں کے عقیدے سے عُزلت اختیار کر لی تھی (یعنی وہ دوسروں کے عقائد سے گوشہ نشین ہو چکے تھے) اور ان کا یہ دعویٰ تھا کہ مسلمانوں میں سے جو بھی فاسق ہو جائے، وہ نہ تو مؤمن ہے اور نہ ہی کافر۔

''برون'' ؛ معتزلہ کی پیدائش کے بارے میں کہتے ہیں: معتزلہ کی پیدائش اور ان کی وجہ تسمیہ کے بارے میں ہم تک جو معلومات پہنچی ہیں وہ یہ ہیں کہ واصل بن عطا غزال (جو پارسی نژاد تھا) کا اپنے استاد کے ساتھ گناہگار مؤمن کے بارے میں اختلاف ہو گیا کہ کیا پھر بھی وہ مؤمن ہے یا نہیں؟

واصل کہتا تھا: ایسے کسی شخص کو مؤمن یا کافر نہیں کہا جا سکتا بلکہ اسے ایمان و کفر کی درمیانی منزل میں قرار دینا چاہئے۔

واصل نے مسجد کے ایک گوشہ میں اپنا ٹھکانہ بنا لیا جہاں وہ کچھ لوگوں کے لئے اپنے عقیدے کی تشریح و وضاحت کیا کرتا تھا اور حسن بصری اپنے اطرافیوں سے کہتا تھا: واصل نے ہم سے کنارہ کشی اختیار کی ہے اس وجہ سے واصل کے دشمنوں نے اسے اور اس کے پیروکاروں کو معتزلہ کا نام دیا۔

''دوزی'' کے قول کے مطابق حاصل ہونے والی معلومات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ گروہ عراق یا قدیم بابل میں وجود میں آیا، جہاں سامی اور ایرانی نژاد کا آمنا سامنا ہوا اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ ملحق گئے اور کچھ مدت کے بعد علوم کا قبلہ بن گیا اور اور کچھ عرصہ کے بعد ہی اسے عباسی حکومت کا مرکز شمار کیا جانے لگا۔

''فون کریمر'' کے مطابق معتزلہ مذہب دمشق میں رومی مذہبی پیشواؤں کے نفوذ اور بالخصوص یحییٰ دمشقی اور اس کے شاگرد ''تئودور ابو قرہ'' کے ذریعے وجود میں آیا۔ اس گروہ کا دوسرا نام قدریہ ہے جو ان کے عقیدے پر واضح دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ انسان کے ارادے کو آزاد سمجھتے ہیں اور نیز یہ اس حدیث سے بھی مربوط ہے جو

انہوں نے پیغمبر اکرم ﷺ کے قول سے اخذ کیا ہے کہ قدریہ اس امت کے مجوس ہیں۔

''ستنسر'' کے مطابق یہ گروہ شرّ کے وجود کو جائز سمجھتا ہے اور انہوں نے ایک دوسرا قاعدہ وضع کیا ہے جو انسان اور خدا کے ارادے کے درمیان ضدّیت پر مبنی تھا۔[1]

اموی دور میں مرجئہ

مرجعہ کی تبلیغ کرنا مسلمانوں کو اسلام سے دستبردا کرنے ، انہیں واپس پلٹانے اور انہیں یہودیت و عیسائیت کی طرف لے جانے کے لئے بہت مؤثر سازش تھی۔

لوگوں کی مکتب مرجئہ کی طرف دلچسپی سے اموی اپنی حکومت کو جاری رکھ سکے کیونکہ مرجئہ کے عقیدے کی رو سے بنی امیہ کسی بھی غلطی اور گناہ کے مرتکب ہو سکتے تھے اور کوئی ان سے مقابلے کے لئے بھی کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔

دوسرا بہت ہی اہم نکتہ یہ ہے کہ عقیدۂ مرجئہ کے رواج پانے سے بنی امیہ نے اپنی حکومت کو جاری رکھنے کے علاوہ ابوسفیان اور معاویہ سے وراثت میں ملنے والے اسلام کے خلاف بغض و کینہ سے بھی استفادہ کیا اور اسلام کے نام پر مرجئہ گری کے لبادہ اوڑھ کر لوگوں کو اسلام سے دور کیا اور انہیں یہودیت و عیسائیت اور کفر کی کھینچا۔

ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن نے یہ حقائق اپنی کتاب میں ذکر کئے ہیں۔وہ ''تاریخ سیاسی اسلام'' میں لکھتے ہیں:

اسلام کی پہلی صدی کے دوسرے حصہ میں مرجئہ نامی فرقہ بنی امیہ کے دالحکومت دمشق میں کچھ مسیحی عوامل کے نفوذ سے وجود میں آیا۔

مرجئہ کی وجہ تسمیہ: کلمہ مرجعہ ''ارجاء'' سے لیا گیا ہے جس کے معنی ''تاخیر'' کے ہیں ۔اس گروہ کا نام مرجئہ اس وجہ سے پڑھ گیا کہ مسلمان گناہگاروں کے بارے میں ان کا کوئی حکم نہیں تھا اور وہ ان کے حکم کو روز حساب پر موقوف کرتے تھے اور کسی بھی مسلمان کو اس کے کئے گئے گناہ کی وجہ سے محکوم نہیں کرتے تھے۔''فاب فلوتن'' کے بقول مرجئہ کا نام اس آیت سے اخذ کیا گیا ہے:

---

[1]۔تاریخ سیاسی اسلام: (ڈاکٹر حسن بن ابراہیم حسن): ج۱ص۴۱۳.

''وَآخَرُونَ مُرْجَوْنَ لِأَمْرِ اللّٰہِ اِمَّا یُعَذِّبُھُمْ وَاِمَّا یَتُوبُ عَلَیْھِمْ وَاللّٰہُ عَلِیْم حَکِیْم''۔[۱]

اور کچھ ایسے بھی ہیں جنہیں حکم خدا کی امید پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ یا تو خدا ان پر عذاب کرے گا یا ان کی توبہ کو قبول کرلے گا، وہ بڑا جاننے والا اور صاحبِ حکمت ہے۔

اس بناء پر کلمہ مرجعہ ''ارجاء'' سے مشتق ہوا ہے جس کے معنی امید پیدا ہونا ہیں۔[۲] کیونکہ مرجئہ کہتے تھے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہ کوئی نقصان نہیں پہنچاتا جس طرح کفر کے ہوتے ہوئے اطاعت کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

مرجئہ کا اصلی اور بنیادی عقیدہ یہ تھا کہ جو بھی اسلام قبول کرتا ہے، خدا کی وحدنیت اور پیغمبر ﷺ کی نبوت کی گواہی دیتا ہے، وہ جس گناہ کا بھی مرتکب ہوا سے کافر قرار نہیں دینا چاہئے بلکہ اس کا انجام خدا پر چھوڑ دینا چاہئے۔

''جہم بن صوفان'' مرجئہ کے ان پیشواؤں میں سے ایک ہے جو اس بارے میں زیادہ روی سے کام لیتا تھا اور اس کا خیال تھا کہ ایمان، ایک قلبی عقیدہ ہے اور جو بھی اس کا معتقد ہو وہ مؤمن ہے؛ اگرچہ وہ بغیر کسی تقیہ کے اپنی زبان سے کفر کا اعلان کرے، بت پرستی کرے، اسلامی شہروں میں یہودی و عیسائی دین کا پرچار کرے، صلیب کی عبادت کرے اور تثلیث کی باتیں کرے اور اسی حالت میں مر جائے تو ایسا شخص خدا کے نزدیک مؤمن اور خدا کا دوست ہے اور اہل جنت میں سے ہے!

''جہم'' کا یہ عقیدہ تھا کہ صحیح اسلام و ایمان ایک ہی ہے۔ یہ واضح سی بات ہے کہ اس عقیدہ کے پیروکار اسلام کے عملی واجبات کی توہین و تحقیر کرتے تھے اور دوسرے لوگوں کے بارے میں ان کی ذمہ داریوں کو قرآن کے مقرر کردہ واجبات سے برتر سمجھتے تھے۔

حقیقت میں یہ گروہ بنی امیہ کی حکومت کی حمایت کرتا تھا، جب کہ شیعوں اور خوارج کا مخالف تھا۔ اس کے باوجود یہ اپنے عقائد میں اہلسنت کے ساتھ ایک حد تک موافق ہیں، لیکن جیسا کہ ''فون کریمر'' کا کہنا ہے کہ ان کے عقائد میں اس حد تک نرمی تھی کیونکہ وہ کہتے تھے مؤمن ہمیشہ جہنم میں نہیں رہے گا۔ کلی طور پر مرجئہ عمل سے زیادہ عقیدے کو اہمیت دیتے تھے۔

---

[۱]۔ سورۂ توبہ، آیت: ۱۰۶.

[۲]۔ مرجئہ کا معنی امید پیدا کرنا نہیں ہے بلکہ ان کے اس عقیدہ '' گناہگاروں کے بارے میں حکم کرنے میں تاخیر'' کی وجہ سے ہے۔

مرجئہ کے عقائد اموی درباریوں اور ان کے طرفداروں کے عقائد سے موافق تھے ،یعنی کوئی شیعہ اور خوارج ان کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتا تھا۔ان کے نزدیک عیسائیوں اور دوسرے غیر مسلمانوں افراد کو اہمیت حاصل تھی اورانہیں اہم منصب سونپنے گئے تھے ۔یہ عیسائی اپنے مقاصد و منافع کے پابند ، زمانے کے تقاضوں سے ہماہنگ اور ہواکے رخ پر چلنے والے تھے۔[1]

بنی امیہ کے دور میں قدریہ ، جبریہ اور مرجئہ

کتاب ''تاریخ تحلیلی اسلام''میں لکھتے ہیں:اموی حکومت کے دور میں صدی کے دوسرے نصف حصے میں دین کے اعتقادی مسائل کے بارے میں فکری تحریکیں وجود میں آئیں جن کا مرکز غالباً عراق تھا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ عراق کے کچھ شہر وں (جن میں سے ایک کوفہ ہے) میں مختلف فلسفی اور دینی عقائد و افکار تھے۔ان میں جو پہلی بحث ہوئی وہ یہ تھی کہ کیالوگ اپنے اعمال میں مختار ہیں یا مجبور؟ان دو طرح کے افکار کے طرفداروں کو قدریہ و جبریہ کا نام دیا گیا۔

جنگ صفین کے بعد مسلمانوں میں اس کے آغاز کے آثار ملتے ہیں کہ کسی نے امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے پوچھا: کیا ہم اپنے ارادہ واختیار سے اس جنگ میں گئے تھے یا ہم مجبور تھے؟

اس کے بعد ہر گروہ نے اپنے اعتقادات کی تائید اور دوسرے کے عقائد کی مخالفت میں احادیث سے استناد کیا۔

امویوں کے دور حکومت میں ایک دوسرے مکتب کی تاسیس ہوئی جسے ''مرجئہ''کا نام دیا گیا۔امویوں نے اپنے مظالم کی توجیہ کرنے کے لئے اس گروہ سے استفادہ کیا۔جیسا کہ ہم نے کہا کہ خوارج کا ایک گروہ گناہان کبیرہ کے مرتکب افراد کو ہمیشہ کے لئے جہنمی سمجھتا تھااور ان کے مقابلے میں ''مرجئہ'' کہتے تھے:ان کا فیصلہ خدا پر چھوڑ دینا چاہئے۔ان کا عذر یہ تھا کہ اگر اس بارے میں سختی کی جائے تو مسلمان تفرقہ کا شکار ہو جائیں گے۔ ایسے طرز تفکر سے انہوں نے معاویہ اور دوسرے اموی خلفاء کی تائید کی کہ جو کوفہ ، بصرہ اور دوسرے شہروں میں مختلف نیک اور پارسا افراد کو قتل کر رہے تھے۔

---

[1]۔تاریخ سیاسی اسلام: (ڈاکٹر حسن بن ابراہیم حسن): ج۱ص۴۰۹.

مرجئہ نے قرآن کی اس آیت کو اپنی فکری بنیاد قرار دیا: ''وَآخَرُونَ مُرْجَوْنَ لِأَمْرِ اللّٰهِ إِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَإِمَّا يَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْم حَكِيْم''۔[1]

جبریہ، قدریہ اور مرجئہ کے تفکرات کی جنگ سے ''معتزلہ'' کے نام سے ایک معتدل فکری مکتب وجود میں آیا۔ کہتے ہیں: اس طرز تفکر کے وجود میں آنے کی وجہ یہ تھی کہ حسن بصری گناہان کبیرہ انجام دینے والے شخص کو کافر سمجھتا تھا۔ لیکن اس کے شاگردوں میں سے ''واصل بن عطا'' کا اس سے مختلف نظریہ تھا اور وہ کہتا تھا: ایسا شخص کفر و ایمان کی درمیانی منزل پر ہوگا۔

کہتے ہیں: جب واصل بن عطا اپنے استاد سے الگ ہو گیا تو حسن نے کہا: ''اعتزلَ منّا'' اس نے ہم سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے۔

اس کی وجہ تسمیہ کے بارے میں کچھ دوسرے نظریات بھی ہیں۔[2]

مرجئہ اور قدریہ کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشگوئی

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مستقبل اور مستقبل کے لوگوں سے باخبر تھے، لہٰذا آپ نے اپنے بعد لوگوں میں تفرقہ پیدا کرنے والے خیانت کاروں کی مکارانہ سازشوں کو روکنے کے لئے لوگوں کو ان پر نازل ہونے والی بلاؤں سے آگاہ کر دیا اور اپنے ہدایت کرنے والے ارشادات سے لوگوں کو آئندہ کے خطرناک مکاتب فکر اور گمراہ کرنے والے فرقوں سے باخبر کیا تاکہ لوگ ان فرقوں سے دھوکا کھا کر نہ صرف یہ کہ قرآن و عترت سے جدا نہ ہوں بلکہ وہ ظالم حکومت کے طغیان کو لگام ڈال سکیں اور ان پر قابو پا سکیں۔ لیکن افسوس کہ لوگوں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رہنمائی کو ان دیکھا کر دیا اور ہر ایک گروہ الگ سمت میں بھاگنے لگا اور بنی امیہ کے حاکم اپنے من پسند طریقے سے حکومت کرنے لگے۔

اب ہم یہاں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہنمائی کے کچھ نمونے بیان کرتے ہیں:

---

[1]۔ سورۂ توبہ، آیت: ۱۰۶۔ ''اور کچھ ایسے بھی ہیں جنہیں حکم خدا کی امید پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ یا خدا ان پر عذاب کرے گا یا ان کی توبہ کو قبول کرلے گا وہ بڑا جاننے والا اور صاحبِ حکمت ہے''۔

[2]۔ تاریخ تحلیلی اسلام: ۲۲۸.

جس طرح رسول خداﷺ نے لوگوں کو امویوں سے خبردار کیا تھا اور ولید کو ظالموں کے پلڑے میں قرار دیا تھا اور اسے انہی کا ساتھی شمار کیا تھا۔اس سے پہلے کہ لوگ قدریہ اور مرجئہ کے بارے میں کوئی چیز جانتے، آپ نے ان کی مذمت کی اور آئندہ صدیوں اور بالخصوص پہلی صدی کے لئے حجت تمام کر دی اور فرمایا: میری امت میں سے دو گروہوں کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہے: مرجئہ اور قدریہ۔[۱]

نیز آپ نے فرمایا: قدر (یعنی قدری گری) سے ڈرو؛ جو عیسائیت کی ایک شاخ ہے۔[۲]

اسی طرح آپ نے فرمایا: خدا نے ستر پیغمبروں کی زبان سے میری امت کے دو گروہوں پر لعنت کی ہے: قدریہ اور مرجئہ، جو کہتے ہیں کہ ایمان صرف اقرار ہے اور اس میں عمل کا کوئی دخل نہیں ہے۔[۳]

اسی طرح ایمان و اسلام کے بارے میں فرمایا: ایمان دل اور زبان سے جب کہ ہجرت جان اور مال سے ہے۔[۴]

نیز فرمایا: ایمان خواہش اور خود خواہی نہیں ہے بلکہ یہ ایسی چیز ہے جو دل میں قرار پاتی ہے اور عمل اس کی تصدیق کرتا ہے۔[۵]

اسی طرح آپ نے فرمایا: ایمان اور عمل دو ایسے شریک بھائی ہیں جو ایک رسی سے بندھے ہوئے ہیں اور خدا ان میں سے کسی ایک کو بھی دوسرے کے بغیر قبول نہیں کرتا۔[۶]

رسول خداﷺ فرمایا: تم میں سے کوئی بھی ایمان نہیں لایا مگر یہ کہ میں اس کے نزدیک اس کی اولاد، اس کے والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ عزیز ہوں۔[۷]

آپ نے فرمایا: ایمان کے بغیر کوئی عمل اور عمل کے بغیر کوئی ایمان قبول نہیں ہوگا۔[۸]

اسی طرح آپ نے فرمایا: ایمان سے بندہ استوار نہیں ہوگا مگر یہ کہ اس کا دل استوار ہو اور اس کا دل

---

[۱]۔ کنزالعمّال: ج۱ص۱۸۸، بخاری کی اپنی تاریخ میں، نسائی، ابن ماجہ، خطیب اور طبرانی کی روایت۔

[۲]۔ کنزالعمّال: ج۱ص۱۱۹، ابن عاصم، طبرانی اور ابن عدی کی روایت۔

[۳]۔ کنزالعمّال: ج۴ص۱۳۵، دیلمی کی حزیفہ اور حاکم کی ابوامامہ کی روایت۔

[۴]۔ کنزالعمّال: ج۱ص۲۴، عبدالخالق بن زاہر کی اپنی اربعین میں روایت۔

[۵]۔ کنزالعمّال: ۲۵، ابن نجار کی روایت۔

[۶]۔ کنزالعمّال: ۳۶، ابن شاہین کی روایت۔

[۷]۔ کنزالعمّال: ۷۳، احمد، بیہقی، نسائی اور ابن ماجہ کی روایت۔

[۸]۔ کنزالعمّال: ۶۸، طبرانی کی روایت۔

استوار نہیں ہوگا مگر یہ کہ اس کی زبان استوار ہو اور وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا مگر یہ کہ اس کا پڑوسی اس کے نقصان سے محفوظ رہے۔[۱،۲]

معاشرے میں مرجئہ کا کردار

گمراہ کن اشعار، شراب نوشی اور جنسی برائیاں کچھ ایسے امور تھے جو فکر کو گمراہ کرنے والے مرجئہ جیسے فرقے کے رواج پانے کے نتیجے میں لوگوں میں پھیلے۔

نوجوان بلند اہداف و مقاصد کی جستجو کرنے کی بجائے عشق و عاشقی کی طرف مائل ہو گئے اور دین و دینداری سے دور ہو گئے۔ زندقہ اور بے دینی رواج پا گئی اور لوگوں نے خدا اور رسول ﷺ کو فراموش کر دیا۔

مرجئہ کے پیشواؤں کا اس میں بنیادی کردار ہے اور انہوں نے دین کے نام پر لوگوں کو بے دینی کی طرف دعوت دی اور ان سے حیا و غیرت کو چھین کر انہیں اس کی جگہ بے شرمی تھما دی۔

مرجئہ کے عقیدے کی وجہ سے لوگ شرم محسوس نہیں کرتے تھے اور عقیدۂ جبر کی برکت سے ولید میں احساس شرم بالکل ختم ہو گیا تھا۔ بہت سے جوان موسیقی، بیہودہ اشعار اور عیاشی میں لگ گئے اور انہوں نے اپنا سارا مال اسی عیش و عشرت کی زندگی میں اجاڑ دیا تھا۔

ڈاکٹر خلیف لکھتے ہیں: اوباش لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی تھی، موسیقی کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں، جس میں بہت سی اداکارائیں شرکت کرتی تھیں اور متعدد عیاش اور بے شرم گروہ برہنہ رقص کرتے تھے، جس میں اموی و عباسی بھی شرکت کرتے تھے تاکہ دوسروں کو ذلت محسوس ہو۔

اس ذلت نے ان کی طرف ہاتھ پھیلائے اور نئے آنے والے لوگوں کو اپنی آغوش میں لے لیا اور انہیں تاریک کھائی میں پھینک دیا اور پروانوں کی طرح آگ کی طرف بڑھنے والے جوانوں کو نگل لیا۔ جس قدر اس کھائی کا اندھیرا زیادہ ہوتا گیا اتنا ہی اس میں گرنے والوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا۔

---

[۱]۔ مجمع الزوائد: ج۱ ص ۵۳، احمد کی روایت۔

[۲]۔ از ژرفای فتنہ ھا: ج۲ ص ۴۸۴۔

اس طرح ان کی مستی اور لہو و لعب کو ایک دوسرے سے پیوست کرنے اور ان کی عیاشی کو ان سے جوڑنے والے شاعروں نے گمراہی کا انتظام کیا؛ جو سب کے سب فاسق، عیاش اور شراب سے مست تھے۔ اس لہو لعب اور عیاش مکتب نے عورتوں اور مردوں کی صفوں میں عاشقانہ اشعار پڑھنے کی راہ بھی ہموار کی۔

اس مکتب میں رومانوی افسانے پڑھنا، عشق و عاشقی کے نغمہ گانا ایک عام بات تھا۔ اس مکتب کے نتیجے میں اسلامی معاشرے میں کنیزوں اور گانے والی عورتوں میں اضافہ ہوا اور اس مکتب کی پشت پناہی سے ہی زندیقیت نے نشو نما پائی، جس نے اپنی بنیادوں کو مضبوط بنایا اور اس سے دیر کے اشعار رائج ہو گئے۔[1]

ولید بن عقبہ اپنے عیسائی دوست ابوزبید نصرانی کے ساتھ وہ پہلا شخص تھا جس نے عثمان بن عفان کے زمانے میں اس کام کے لئے زمین ہموار کی اور ان کے لئے وسائل فراہم کئے۔ دیر کے اشعار اور گانے والی کنیزوں کے ساتھ اموی حکومت نے اپنے آخری دن گزارے اور پھر یہ سماجی آفت عباسی حکومت کے سپرد کر دی۔ اس حکومت میں بھی غلاموں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ اس دور میں مختلف اقوام، ثقافت، تمدن اور مختلف مذاہب سے کنیزیں اور غلام بچے فراہم کئے جاتے تھے اور یہ نکتہ حاکموں اور ان کے بیٹوں پر اثرانداز ہوا، یہاں تک کے ان کے محلوں کی اکثر کنیزیں ایسی تھیں جنہوں نے گلے میں صلیب آویزاں کی ہوتی تھی۔[2،3]

بہشتی کافر!

کچھ مصنفین نے وضاحت کی ہے کہ خدا اور اس کے رسول پر ایمان اسلام کی شرط ہے۔ اگرچہ انسان ظاہری طور پر کفر گوئی کرے، یا یہودیت اور عیسائیت کا اظہار کرے۔

کچھ محققین جیسے "ابن حزم" نے مرجئہ کے عقیدے کے بارے میں کہا ہے: اگر کوئی اپنے دل میں خدا اور اس کے رسول کا معتقد ہو اور ظاہراً یہودی یا عیسائی ہو تو وہ نہ صرف حقیقت میں مسلمان ہے بلکہ خدا کے اولیاء اور اہل بہشت میں سے ہے!

---

[1]۔ حیاۃ الشعر فی الکوفۃ: ۶۳۳ اور ۶۳۴.

[2]۔ العصر العباسی الأوّل: ۲۱.

[3]۔ از ژرفای فتنہ ھا: ج۲ ص ۴۹۴.

اس عقیدے کی بناپر تمام اموی حاکم بھی خداکے اولیاء اور جنتی ہیں! کیونکہ وہ کچھ لوگوں فرقۂ مرجئہ کی تبلیغ کرنے کے لئے اجرت دیتے تھے تاکہ لوگ ان کا شمار اولیاء خدامیں سے کریں، چاہے وہ سب سے شرمناک حرکتوں کے مرتکب ہی کیوں نہ ہوئے ہوں۔

کتاب ''شیعہ در مقابل معتزلہ واشاعرہ''میں لکھتے ہیں:

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ مرجئہ اموی دور حکومت کے وسطی زمانے میں وجود میں آئے اور انہوں نے اسلامی محافل میں ان افکار کو پھیلانے کے لئے اپنی سرگرمیاں شروع کیں اور اموی حکمرانوں نے بھی ان افکار کو پھیلانے میں ان کی مدد کی۔چونکہ مرجئہ انہیں مومن لکھتے تھے اور انہیں ہر چیز سے زیادہ اسی صفت کی ضرورت تھی، خصوصاً ان حالات میں کہ جب خوارج امویوں اور تمام صحابیوں کے کافر ہونے پر زور دیتے تھے اور معتزلہ یہ نظریہ پیش کرتے تھے کہ اسلام عقیدے، تمام واجبات اور احکام پر عمل کرنے پر مبنی ہے اور جو بھی ان پر عمل نہ کرے تو وہ جہنم کا حقدار ہوگا اگرچہ وہ اسلام کے تمام اصول وارکان کا معتقد ہی کیوں نہ ہو۔

اس بناپر خوارج کے مطابق اموی کافر تھے یا معتزلہ جس چیز کا دعویٰ کر رہے تھے اس کی رو سے ان کا ٹھکانا جہنم تھالیکن مرجئہ کی نظر میں یہ مؤمن تھے اور کثرت سے گناہ ومنکرات انجام دینے کے باوجود وہ دائرۂ ایمان سے خارج نہیں ہوئے بلکہ بعض مرجئہ اس چیز کے قائل تھے کہ ایمان کے متحقق ہونے کے لئے صرف خدااور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کی شرط ہے۔اگرچہ انسان زبان سے کفر کا اظہار کرے اور بتوں کی پوجا کرے اور اسلامی شہروں میں یہودیت اور عیسائیت کا پرچار کرے اور اس سے بڑھ کر ان کا یہ کہنا تھا کہ اگر وہ اس حال میں مر جائے تو وہ اولیاء خدااور اہل بہشت میں سے ہے!۔[1]

یہ طبیعی امر ہے کہ ہم ایسے حکمرانوں کا مشاہدہ کریں جنہوں نے اس تفکر کو ہوا دی اور اس کی حمایت کی کیونکہ وہ اسلامی فرقوں میں سے کسی فرقے کو قبول نہیں کرتے تھے، جو انہیں ایسی صفات عطا کرے کہ یہ قدّیسیوں کی صف میں آجائیں۔جو ان کی حکومت اور مسلمانوں پر ان کے تسلّط کو جائز اور ان کے گناہوں کی انجام دہی میں زیادہ روی اور اسلامی تعلیمات و مقدسات کی بے احترامی کو صحیح قرار دے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ اس زمانے میں جب عقائد کے سلسلے میں فکری کشمکش کی آگ بھڑک رہی تھی ،گناہگاروں اور گناہان کبیرہ کو انجام دینے کے بارے میں خوارج اور معتزلہ کے آراء عام ہو چکے تھے تو یہی

---

[1]۔ فجر الاسلام: ۲۳۳ اور ابن حزم سے منقول: ج ۴ ص ۲۰۴.

حکمران اس تفکر کے فاتح تھے۔اور جب اس زمانے میں ان کے کفر اور ان کے جہنم کی آگ میں دائمی طور پر رہنے کے بارے میں فتویٰ دیا گیا تو ان کے لئے بہت آسان تھا کہ وہ اپنے اعمال کی مشروعیت کے لئے دانشور اور اصحاب و مبلغین حاصل کریں اور خریدیں۔[۱]

مرجئہ کی کلیسا اور عیسائیت سے ہماہنگی

کتاب ''از ژرفای فتنہ ھا'' میں لکھتے ہیں:

مرجئہ کے افکار کو پروان چڑھانے اور اس کی تبلیغ و ترویج کرنے والوں میں سے یوحنا دمشقی کا نام لے سکتے ہیں ، جسے امویوں کے دارالحکومت میں بڑی شہرت حاصل تھی۔جس زمانے میں لوگ ارجاء کی باتیں کرتے تھے وہ اس سے مربوط دینی ابحاث میں مصروف رہتا تھا۔[۲]

بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ مرجئہ کے اصول اور مشرقی کلیسا کی تعلیمات (یوحنا ان ہی کی طرف منسوب ہے) میں ہماہنگی موجود تھی۔[۳] یہ تو مرجئہ کے پس پردہ ہاتھوں کا واقعہ تھا۔اس واقعہ کی شرائط اور اس کے لئے راہ ہموار کرنے کے بارے میں ڈاکٹر خلیف کہتے ہیں: امام حسین علیہ السلام کی شہادت سے عمر بن عبدالعزیز کی خلافت تک کے دور میں مرجئہ گری کے رجحان میں شدت آ گئی۔اس میں یزید، مروان، عبدالملک ، ولید اور سلیمان بن عبدالملک کا دور شامل ہے۔اسی دور میں اس رجحان میں شدت آنا طبیعی تھا کیونکہ یہ اضطراب اور روحانی بے سکونی کا زمانہ تھا جس میں چھوٹے سے شبہ اور تہمت کی وجہ سے لوگوں سے پوچھ تاچھ کی جاتی تھی اور انہیں سزا دی جاتی تھی۔[۴]

مشہور ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد کوفہ میں حالات کافی سنگین ہو گئے تھے ، طاقتور قیام سامنے آئے اور اموی حکومت کو یہ معلوم تھا کہ اگر بغاوت کرنے والوں کا سخت خشونت اور سنگدلی سے مقابلہ نہ کرے تو یہ شہر اس کے ہاتھوں سے نکل جائے گا۔لہٰذا انہوں نے عبداللہ بن زیاد اور حجاج بن یوسف

---

[۱] ۔ شیعہ در برابر معتزلہ و اشاعرہ: ۱۴۹.
[۲] ۔ حیاۃ الشعر فی الکوفۃ: ۳۱۲.
[۳] ۔ حیاۃ الشعر فی الکوفۃ: ۳۱۲.
[۴] ۔ حیاۃ الشعر فی الکوفۃ: ۳۱۳.

ثقفی جیسے اپنے ظالم ترین اور سرکش ترین افراد کو ان پر مسلّط کر دیا جس کی وجہ سے کوفہ ہولناک آمریت کے زیر سایہ آ گیا۔[۱،۲]

یہ واضح ہے کہ اموی حکمرانوں میں سے یزید سب سے زیادہ خیانت کار تھا اور جو ظلم و ستم اس نے کئے وہ بنی امیہ میں سے کسی اور نے نہیں کئے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت، کعبہ کو نذر آتش کرنا اور واقعہ حرّہ کے بعد بہت سے مسلمانوں پر یہ واضح ہو گیا کہ بنی امیہ نہ صرف رسول اکرم ﷺ کے جانشین نہیں ہیں بلکہ دین اور آل رسول علیہم السلام کے دشمن ہیں۔

لوگوں میں ہونے والی باتوں اور سر اٹھانے والی تحریکوں نے بنی امیہ کی حکومت کو خبردار کر دیا اور انہیں خوف میں مبتلا کر دیا تھا اس لئے انہوں نے کچھ ایسے منصوبے بنائے تھے کہ جن سے لوگوں کو قابو میں کیا جا سکے۔ کوفہ اس طرح کی تبدیلیوں اور تحریکوں کا مرکز تھا۔ کوفہ میں ان تبدیلیوں کو کچلنے کے لئے ابن زیاد اور حجاج جیسے ظالموں کو کوفہ کا گورنر بنا دیا گیا۔ اسی طرح لوگوں کے اعتراضات کو خاموش کرنے کے لئے مرجئہ گری کی ترویج کی گئی تاکہ مختلف مناطق میں اس کی تبلیغ کرکے لوگوں کو مرجئہ عقائد کا معتقد بنایا جائے۔

مرجئہ کے فرقے

جس طرح امویوں کی مدد سے فرقۂ مرجئہ کے پیروکاروں کی تعداد میں اضافہ ہوا اسی طرح خود ساختہ اختلافات کی وجہ سے یہ چند فرقوں میں تقسیم ہوئے۔

ان فرقوں میں سے ہر فرقہ عقیدے کے لحاظ سے دوسرے فرقہ سے مختلف تھا اور ان میں سے امویوں اور ان جیسے دوسرے حکمرانوں کے لئے سب سے مناسب اور سازگار فرقہ ''کرّامیہ'' تھا۔

فرقۂ کرامیّہ مسلمان ہونے کے لئے نہ دین کے احکام پر عمل کرنا ضروری سمجھتا تھا اور نہ ہی قلبی اعتقاد کو ضروری سمجھتا تھا! اس بناء پر مسلمان شخص بھی یہود و نصاریٰ کے اعمال انجام دے سکتا تھا، چاہے باطنی طور پر مسلمان ہو یا نہ ہو۔ مسلمان ہونے کے لئے صرف اتنا ہی کافی تھا کہ زبان سے اسلام کے احکامات اور دستورات

---

[۱]۔ حیاۃ الشعر فی الکوفۃ: ۳۱۴.

[۲]۔ از ژرفای فتنہ ھا: ج۲ ص۴۷۹.

کا اقرار کرے پھر چاہے دل میں ان کی مخالفت کرے اور چاہے عمل کے اعتبار سے اپنی زبان کے اقرار کے بر خلاف ہی عمل کرے۔ یہ ظاہر سی بات ہے کہ اس طرح کے مسلمان اموی حکمرانوں کے لئے بہت سازگار تھے۔

مرجئہ کے دوسرے فرقے بھی تھے۔ ممکن ہے کہ ان میں تفرقہ بازی اور فرقہ بندی کسی ایک فرقے میں طاقت کے تمرکز کی روک تھام کے لئے ہو اور یہ ظاہر سی بات ہے کہ اگر طاقت و قدرت کسی ایک گروہ ہی میں جمع ہو جائے اور وہ دوسرے کئی گروہوں میں تقسیم نہ ہو تو ممکن ہے کہ حاکم قدرت کے لئے سر درد کا باعث بنے۔ پس ہر گروہ میں تفرقہ حکّام کے فائدے میں ہے۔

کتاب "شیعہ در برابر معتزلہ" میں لکھتے ہیں:

ابو الحسن اشعری نے مرجعہ کے بارہ فرقے ذکر کئے ہیں اور وہ سب اس پر متفق ہیں کہ ایمان ؛ عقیدے اور یقین کا نام ہے اور عمل حقیقتِ ایمان سے خارج ہے۔ اس بارے میں صرف فرقۂ کرامیّہ (محمد بن کرام کے پیروکار) نے ان کی مخالفت کی ہے اگرچہ ان کا عقیدہ ہے کہ ایمان صرف زبان سے اقرار کرنے کا نام ہے اور اس کے لئے باطنی اور قلبی تصدیق ضروری نہیں ہے

اس بنیاد پر کہتے ہیں کہ پیغمبر ﷺ کے زمانے میں زندگی بسر کرنے والے منافقین حقیقت میں مؤمن تھے اگرچہ وہ دل سے ایمان نہیں لائے تھے! اسی طرح وہ زبان سے انکار کرنے کو کفر قرار دیتے ہیں۔ (!)[1]

لیکن اسفرایینی کی کتاب "التبصیر" میں ارجاء کے پیروکار اس تفصیل کی رو سے پانچ فرقوں میں تقسیم ہوئے ہیں:

۱۔ یونسیہ فرقہ: یہ یونس بن عون کے پیروکار ہیں۔ یہ معتقد ہیں کہ ایمان کا تعلق دل اور زبان سے ہوتا ہے اور ان کی حقیقت خدا کی معرفت، محبت اور اس کے پیغمبروں اور کتابوں کی تصدیق کرنا ہے۔

۲۔ غسّانیہ: جو غسّان مرجئی کے پیروکار ہیں اور جن کا عقیدہ ہے کہ ایمان صرف خدا کے وجود اور اس کی محبت کا اقرار کرنا ہے لیکن اس میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔

۳۔ ثنویّہ: یہ ابو معاذ کے پیروکار تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ ایمان ایسی چیز ہے جو تمہیں کفر سے محفوظ رکھتی ہے۔

۴۔ ثوبانیّہ: یہ ابو ثوبان مرجئی کے پیروکار تھے۔ انہوں نے عقلی واجبات کو وجود خدا اور اس کے پیغمبروں

---

[1] ۔ التعلیقہ علی التبصیر فی الدین، اسفرایینی: ۹۱، التعلیقہ علی مقالات الاسلامیین: ۲۰۳۔

سے بڑھا دیا اور جس چیز کو بھی عقل صحیح قرار دے، یہ اسے ایمان کے ارکان شمار کرتے تھے۔

۵۔ مریسیّہ: یہ بشیر مریسی کے پیروکار تھے۔ ہم نے جو کچھ ذکر کیا اس کے علاوہ یہ تخلیق قرآن کے بھی معتقد تھے۔

مذکورہ بیان سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مرجئہ اس بات پر متفق تھے کہ عمل، ایمان کے ارکان میں سے نہیں ہے۔ اس طرح سے ان کی یہ کوشش تھی کہ خوارج کے سامنے ایمان کے معنی کو محدود و مشخص کریں کیونکہ خوارج گناہان کبیرہ انجام دینے والوں کے علاوہ اپنے تمام مخالفین کو بھی کافر شمار کرتے تھے اور وہ ان سب کو ایک طرف اور دوسرے مسلمانوں کو دوسری جانب قرار دیتے تھے۔

اسی طرح یہ معتزلہ سے مقابلے کے لئے بھی تھا کیونکہ وہ عمل کو ایمان کے ارکان میں سے شمار کرتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ گناہگار ہمیشہ کے لئے جہنم کی آگ میں رہیں گے۔ خوارج (جنہوں نے ایمان کو اپنی جاگیر بنایا ہوا تھا اور معتزلہ کے مقابلے میں زبانی تصدیق کے علاوہ ارکان پر عمل کرنے کے بھی قائل تھے) کے مقابلے میں مرجئہ کے نظریات پیدا ہوئے۔ اس زمانے میں پھیلنے والے ان نظریات کی طرح ان میں بھی ارتقاء پیدا ہوا۔ جیسے دوسرے نظریات کہ جو پہلے ایک تفکر کی صورت میں ظاہر ہوئے اور پھر ان میں جتنی بحث ہوتی اور جتنا وقت گزرتا ان میں اتنی ہی زیادہ وسعت آجاتی۔ خاص طور پر جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ مرجئہ کے آراء و نظریات بنیادی طور پر حکمرانوں کی مصلحت کے لئے کام کرتے تھے اور اپنے منافع کو مد نظر رکھتے ہوئے وہ اس کی تبلیغ و ترویج کے لے مدد کرتے تھے۔ اس رو سے ان میں سے کچھ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ انسان جب تک دل اور زبان سے خدا اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتا ہو، اسے جہنم کی آگ میں عذاب نہیں دیا جائے گا، چاہے وہ گناہ اور منکرات کو ہی انجام کیوں نہ دے!!۔[1]

ابو حنیفہ اور مرجئہ

جس طرح مؤرخین اور مصنّفین فرق و مذاہب کی کتابوں میں ابو حنیفہ کو مرجئہ میں سے شمار کرتے ہیں کیونکہ اس کا یہ عقیدہ تھا کہ ایمان زبان سے اقرار اور قلبی تصدیق کا نام ہے اور ایمان انہی دو سے تشکیل پاتا ہے

---

[1]۔ شیعہ در برابر معتزلہ و اشاعرہ: ۱۵۱.

اور اسلام و ایمان ایک دوسرے کا لازمہ ہیں۔

جہم بن صفوان اور اس میں ہونے والے مناظرے (جسے حلی نے کتاب ''مناقب ابی حنیفہ !'' میں ذکر کیا ہے) میں ابو حنیفہ نے کہا ہے: اگر کوئی مر جائے جب کہ وہ خدا اور اس کی صفات کو پہچانتا ہو اور خدا کو وحدہ لا شریک مانتا ہو لیکن زبان سے ان کا اقرار نہ کرے تو وہ کافر مرا اور وہ جہنمی ہے۔ مؤمن اس وقت مؤمن ہے کہ جس کی اسے معرفت ہے، وہ زبان سے اس کا اقرار کرے اور اس پر ایمان بھی رکھے۔

اس سے نقل ہوا ہے کہ اس نے ایمان کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرے، اس لحاظ سے وہ خدا اور لوگوں کے سامنے مؤمن شمار ہوگا۔

۲۔ دل سے تصدیق کرے لیکن تقیہ یا خوف کی وجہ سے زبان سے اقرار نہ کرے تو وہ خدا کے نزدیک تو مؤمن ہے لیکن لوگوں کی نظر میں مؤمن شمار نہیں ہوگا۔

۳۔ زبان سے اقرار کرے لیکن دل سے اس کی تصدیق نہ کرے۔ اس صورت میں وہ لوگوں کی نظر میں تو مؤمن ہے لیکن خدا کے نزدیک کافر ہے۔

یہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے کامل ایمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ زبان سے اقرار کرے لیکن احکامات پر عمل کرنا صدق ایمان کی شرط نہیں ہے! اسی بنیاد پر ابو حنیفہ معتقد تھا کہ ایمان کم یا زیادہ نہیں ہوتا اور ان دونوں موارد میں ایمان کی توصیف بے مورد ہے۔ لیکن اس میں فرق؛ احکامات کو انجام دینے اور محرمات کو ترک کرنے میں ہے اور یہ اس وجہ سے ہے تاکہ لوگوں میں فرق پیدا کیا جاسکے اور برتری قرار دی جاسکے، لیکن ایمان کے لحاظ سے کسی کو دوسرے پر برتری حاصل نہیں ہے!۔[1]

مرجئہ اور شیعہ

''مقالات تاریخی'' کے دسویں شمارے میں لکھتے ہیں: ابو حنیفہ اور مؤمن الطاق میں ہونے والی بحثوں میں سے ایک بحث ''شیعہ اور مرجئہ کی اصطلاح کا ایک دوسرے کے مد مقابل ہونا'' ہے۔ ابو حنیفہ نے مؤمن الطاق سے کہا: میں نے سنا ہے کہ تم شیعوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جب تم میں سے کوئی مر جائے تو تم اس کا بایاں

---

[1] ۔ شیعہ در برابر معتزلہ و اشاعرہ: ۳۰۷.

ہاتھ توڑ دیتے ہو تاکہ قیامت کے دن اس کی کتاب اس کے دائیں ہاتھ میں تھمائی جائے۔

مؤمن الطاق نے کہا: یہ جھوٹ ہے۔ لیکن میں نے بھی سنا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مر جائے تو تم پانی کا ایک برتن اس کے مقعد میں رکھ دیتے ہو تاکہ اسے قیامت کے دن پیاس محسوس نہ ہو!

ابو حنیفہ نے کہا: اس بات کی تمہاری طرف جھوٹی نسبت دی گئی تھی اور یہ جھوٹی بات ہمارے لئے بیان کی گئی ہے۔[1]

''محاسبۃ مع ابی حنیفۃ والمرجئۃ'' کے نام سے مؤمن الطاق کی ایک کتاب ذکر ہوئی ہے۔[2] جیسا کہ ''مناظرۃ الشیعی والمرجی فی المسح علی الخفین و...'' کے نام سے ابو یحییٰ جرجانی کی بھی ایک کتاب تھی۔[3] ان دونوں کتابوں میں شیعہ اصطلاح کو مرجئہ کے مد مقابل سنّی کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

قابل ذکر ہے کہ ابو حنیفہ کی جانب سے زید بن علی کی حمایت کرنا اور پھر حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے بارے میں ابو حنیفہ کا رویہ کسی حد تک دوستانہ ہے۔

اس کے علاوہ نقل ہوا ہے کہ ابو حنیفہ نے دشمنوں کے مقابلے میں حضرت علی علیہ السلام کے مقام کی تائید کی تھی اور انہیں باطل قرار دیا تھا۔ اس نے تاکید کی تھی کہ اگر علی علیہ السلام نے جنگ نہ کی ہوتی تو ہمیں یہ پتہ نہ چلتا کہ باغیوں کے ساتھ کیسا سلوک کریں۔[4] اس آخری بات کی نسبت شافعی سے بھی دی گئی ہے۔

اس کے علاوہ حضرت علی علیہ السلام کے مخالفوں کے بارے میں مرجئہ سے کام لینے کے بارے میں اسکافی کے کلمات میں بھی کچھ شواہد موجود ہیں، وہ لکھتے ہیں: ''و منزلۃ المرجئۃ فی النصب و التقصیر فی علیؑ. منزلۃ الیھود فی التقصیر و شتم عیسی بن مریم علیہ السلام''۔[5] یہ بالکل ویسا ہی استعمال تھا جو شیعہ روایات میں موجود تھا۔ وہ کہتے ہیں: ناصبی گری اور حضرت علی علیہ السلام کے حق میں کوتاہی کے سلسلے میں مرجئہ کا وہی مقام تھا جو حضرت عیسی بن مریم علیہ السلام کو دشنام دینے اور ان کے حق میں کوتاہی کے سلسلہ میں یہودیوں کا مقام تھا۔ اسی طرح اسکافی نے ناصبہ، نابتہ اور مرجئہ کی اصطلاحات کو بھی ایک ہی

---

[1] ۔ رجال کشی: ۱۹۰.
[2] ۔ رجال النجاشی: ۳۲۶.
[3] ۔ رجال النجاشی: ۲۵۴.
[4] ۔ عقود الجمان: ۳۰۷.
[5] ۔ المعیار والموازنۃ: ۳۲.

ردیف میں قرار دیا ہے۔[۱]

احتمال ہے کہ ناصبہ کے لئے مرجئہ کی اصطلاح سے استفادہ کرنے کے لئے اہم ترین شاہد ایک شعر ہے جسے جاحظ اور مسعودی نے نقل کیا ہے۔ مسعودی کی روایت ہے کہ مأمون نے ابراہیم بن مہدی کی مذمت کرنا چاہی کہ جو بغداد میں اس کے خلاف کھڑا تھا اور تسنن کا علم بلند کئے ہوا تھا۔ علی بن محمد مختار بیہقی نے اس کے لئے یہ اشعار کہے:

اذا المرجّ سرّک أن تراہ　　یموت لحینہ من قبل موتہ

فجدّد ندبہ ذکریٰ علی　　وصلّ علی النبیّ و آل بیتہ

اگر مرجئی کی موت سے پہلے اس کی موت دیکھنا چاہتے ہو تو ان کے سامنے حضرت علی علیہ السلام کا ذکر کرو اور پیغمبر ﷺ اور ان کی اہلبیت علیہم السلام پر درود بھیجو۔[۲]

جاحظ نے "العثمانیّۃ" میں بھی ایک طرح سے شیعہ و مرجئہ کو ایک دوسرے کے مدمقابل قرار دیا ہے۔[۳، ۴]

اگر اسکافی کی یہ بات صحیح ہو کہ مرجئہ حضرت علی علیہ السلام کے ایسے ہی دشمن تھے جیسے یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن تھے، تو پھر اس صورت میں یا تو یہ کہیں کہ ابو حنیفہ مرجئہ میں سے نہیں تھا اور یا یہ کہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی حمایت اور آپ کے مخالفین کی ردّ میں اس سے نقل ہونے والی باتیں صحیح نہیں ہیں۔ کیونکہ مرجئہ اگر ناصبیوں کی حد تک ہی حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے دشمن ہوں تو اس کا بالکل احتمال نہیں ہے کہ اگر ابو حنیفہ مرجئی تھا تو وہ آنحضرت کی حمایت و طرفداری کرے۔

بہر حال مرجئہ کی حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام اور آپ کے شیعوں سے دشمنی ثابت ہے۔ اسی وجہ سے بنی امیہ مرجئہ کی طرفداری کرتے تھے تاکہ لوگوں کے دلوں میں اہلبیت اطہار علیہم السلام کی مخالفت کا بیج بویا جاسکے جس کے نتیجہ میں وہ خاندان وحی علیہم السلام سے دور ہو جائیں۔ بعض روایات میں مرجئہ کی اہلبیت

---

[۱]۔ المعیار والموازنۃ: ۷۱۔

[۲]۔ مروج الذہب: ۳۴۱۷۳، البیان والتبیین: ج ۲ ص ۱۴۹، تلخیص مجمع الآداب ابن فوطی، حرف کاف، حالات زندگی ش ۱۳۸ الفرق الاسلامیۃ ف شر الأموی: ۲۶۹، الکنی والألقاب: ۳۲۰۱، حیاۃ السیاسیۃ للامام الرضا علیہ السلام: ۲۳۲۔

[۳]۔ العثمانیّۃ: ۷۲۔

[۴]۔ مقالات تاریخی (دسواں شمارہ): ۸۵۔

علیہم السلام سے دشمنی کی تصریح ہوئی ہے۔

شیعہ روایات میں مرجئہ

''مقالات تاریخی'' کے دسویں شمارے میں لکھتے ہیں:

شیعوں کے ائمۂ اطہار علیہم السلام کی بہت سی روایات میں مرجئہ کی اصطلاح کو اہلسنت کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے اور اکثر اوقات یہ حضرت علی علیہ السلام اور اہلبیت اطہار علیہم السلام کے مخالف معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔

حضرت امام باقر علیہ السلام سے روایت نقل ہوئی ہے کہ آپ نے فرمایا:

أللّٰهمّ العن المرجئة؛فانّهم أعداؤنا فی الدنیا و الآخرة۔[1]

خدایا! مرجئہ پر لعنت فرما کہ یہ دنیا وآخرت میں ہمارے دشمن ہیں۔

دوسری روایت میں حضرت امام صادق علیہ السلام نے قدریّہ وخوارج پر ایک بار اور مرجئہ پر دو بار لعنت کی ہے۔راوی نے اس کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا:

ان کے عقیدے کی بنیاد پر ہمارے قاتل مؤمن ہیں۔اس بناء پر قیامت تک ان کا لباس ہمارے خون سے رنگین رہے گا۔[2]

ایک اور روایت میں اسحاق بن حامد کاتب کہتا ہے: قم میں کپڑے بیچنے والا ایک شخص تھا جس کا مذہب شیعہ تھا اور اس کا ایک شریک مرجئہ تھا۔ان کے پاس بہت ہی قیمت کپڑا آیا۔شیعہ شخص نے کہا: میں یہ کپڑا اپنے مولا کے لئے لے کر جاؤں گا۔مرجئی نے کہا: میں تمہارے مولا کو نہیں جانتا لیکن تم کپڑے کے ساتھ جو کرنا چاہتے ہو کرو۔جب اس نے وہ لباس امام زمانہ علیہ السلام تک پہنچایا تو آپ نے اسے دو حصوں میں تقسیم کیا اور آدھا کپڑا واپس کر دیا اور فرمایا: مجھے مرجئی کے مال کی ضرورت نہیں ہے۔[3]

---

[1]۔الکافی: ج۸ص۲۷۶، بحارالأنوار: ج۴۶ص۲۹۱.

[2]۔الکافی: ج۲ص۴۰۹.

[3]۔بحارالأنوار: ج۵۱ص۳۴۰، (کمال الدین سے منقول) ۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے جو یہ روایت ارشاد فرمائی کہ ''میری امت کے دو گروہوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے، ایک مرجئہ اور دوسرا قدریّہ''۔ یہ روایت حضرت امام علی بن موسی الرضا علیہما السلام سے بھی منسوب ہے اور ذکر ہوا ہے کہ آپ نے یہ حدیث حضرت ختمی المرتبت ﷺ سے روایت کی ہے۔[1]

اسی طرح حضرت امام باقر علیہ السلام سے روایت ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا:

یہودیوں کی مرجئہ سے شباہت اور قدریّہ کی نصاری سے شباہت ایسی ہی ہے جیسے رات کی رات اور دن کی دن سے شباہت ہے۔[2]

ایک دوسری روایت میں وارد ہوا ہے کہ ابو بصیر نے کہا: امام صادق علیہ السلام نے مجھ سے بصرہ کے لوگوں کے بارے میں پوچھا:

میں نے عرض کیا: وہ مرجئ، قدری اور حروری ہیں۔

آپ نے فرمایا: **لعن اللّٰہ تلک الملل الکافرۃ المشرکۃ التی لا تعبد اللّٰہ علی شیئ**۔[3]

اسی طرح امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:

میں پانچ گروہوں سے بیزاری اختیار کرتا ہوں: مرجئہ، خوارج، قدریّہ، شامی (بنی امیہ) اور ناصبی۔[4]

یہ موارد اس چیز کی حکایت کر رہے ہیں کہ اکثر موارد میں جب ائمہ اطہار علیہم السلام سے مرجئہ کے بارے میں کوئی حدیث نقل ہوئی تو اس میں انہوں نے ان کے ناصبی ہونے کی خصلت پر زور دیا۔ اگرچہ ممکن ہے کہ کبھی مرجئہ کی نظر میں ایمان کی تعریف کی طرف بھی اشارہ ہوا ہو۔

حضرت امام صادق علیہ السلام سے ایک اور روایت میں ذکر ہوا ہے کہ آپ نے فرمایا:

اپنے بچوں کو ابتداء ہی سے حدیث کی تعلیم دو، اس سے پہلے کہ اس بارے میں مرجئہ تم پر سبقت لے جائیں۔[5]

---

[1] ۔ جامع الأخبار: ۱۸۸.

[2] ۔ جامع الأخبار: ۱۸۹، بحار الأنوار: ج ۵ ص ۱۲۰.

[3] ۔ الکافی: ج ۲ ص ۴۰۹-۴۱۰.

[4] ۔ مستدرک الوسائل: ج ۱۲ ص ۳۱۷، بحار الأنوار: ج ۱۸ ص ۳۹۳.

[5] ۔ ج ۶ ص ۴۷: ''بادروا أولادکم بالحدیث قبل أن یسبقکم الیهم المرجئه''، التنذیب شیخ طوسی: ج ۸ ص ۱۱۱، وسائل الشیعۃ: ج ۲۱ ص ۴۷۸ اور ۴۴۲۷۔

ضیاء الدین سہر وردی نے ایک دوسرا واقعہ یوں نقل کیا ہے :

حکایت کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے جعفر منصور کے سامنے کسی مرجئ شخص کے ساتھ مناظرہ کیا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بحث میں کہا کہ ایک مرجئ کو پیغمبر اکرم ﷺ کے پاس لایا گیا تا کہ آنحضرت کے حکم پر اس کو قتل کر دیں! اس شخص نے جواب دیا: پیغمبر ﷺ کے زمانے میں یہ مذہب نہیں تھا!

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو چیز پیغمبر ﷺ کے زمانے میں نہیں تھی ، تم وہ کہاں سے لے آئے؟!'

سعد بن عبداللہ اشعری نے تیسری صدی کے آخر میں مرجئہ کو تاریخی لحاظ سے بالکل شیعوں کے برابر قرار دیا ہے اور یہ مرجئہ کے بارے میں شیعوں میں رائج اصطلاح کی پیروی کا نتیجہ تھا۔

وہ لکھتا ہے: جب حضرت علی علیہ السلام قتل ہو گئے تو آپ کے شیعوں میں سے کچھ افراد اور پیغمبر اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد آپ کی امامت پر یقین رکھنے والے افراد کے علاوہ آپ کے اصحاب اور طلحہ ، زبیر اور عائشہ کا ساتھ دینے والے فرقے سب ایک ہو گئے اور انہوں نے معاویہ کا ساتھ دیا۔ معاویہ کا ساتھ دینے والوں میں حشویہ ، ملوک کے پیروکار اور ان کے یار و مددگار شامل تھے جو زبردستی مسلّط ہوئے تھے۔ انہوں نے معاویہ کو قبول کیا اور ان سب کو مرجئہ کا نام دیا گیا۔'،'

امویوں کے انحرافی عقائد میں یہودیوں اور عیسائیوں کا کردار

کتاب ''از ژرفای فتنہ ھا'' میں لکھتے ہیں:

اموی دور حکومت میں لوگوں کے دماغ میں فتنہ کی آندھیاں چلنے لگیں۔ ایسی حکومت جس نے صاحبان علم سے جنگ کی اور جس نے بعثت پیغمبر ﷺ کے زمانے کے مشرکوں کے عقائد کو نئے اور دلکش لباس میں

'۔ آداب المریدین: ۱۹۱-۱۹۲.

'۔ المقالات والفرق: ۵.

'۔ مقالات تاریخی (دسواں شمارہ): ۸۷.

پیش کیا۔ علماء کا اتفاق ہے کہ اموی حکومت میں قدری گری زیادہ پھیلی اور امویوں نے اسے اپنی آغوش میں پروان چڑھایا اور اس کی حمایت کی تاکہ یہ پلے بڑے اور اس کی جڑیں مضبوط ہوں۔[۱]

انہوں نے خدا کی راہوں کو مسدود کرنے اور قضا و قدر جیسے افکار پیش کئے اور ان کی تبلیغ و ترویج کی۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ دنیا کو فکری بے راہ روی اور حیرت و سرگردانی میں مبتلا کریں۔ اس کام کا نتیجہ یہ تھا کہ شریعتوں کو مقدس نہ سمجھا جائے، اس کے قوانین کی پابندی نہ کی جائے، زنا اور دوسرے حرام کام انجام دیئے جائیں کہ جن سے آسمانی ادیان نے منع کیا ہے۔ یہ تمام کج روی قضاء الٰہی کے بہانے سے انجام دی جارہی تھی۔ امویوں نے اس فکر کی پرورش کی اور اسے عام کیا تاکہ رسول اکرم ﷺ کی زبان سے ان کے بارے میں صادر ہونے والے فرامین کو چھپا سکیں اور یہ بیان کر سکیں کہ حاکمیت اور ان کا اقتدار خدا کی مشیت و ارادے کا نتیجہ ہے۔ مسلمان ان کی اطاعت کرنے پر مجبور ہیں اور کسی بھی طرح کی سرکشی اور ان کے خلاف کوئی تحریک، قضاء الٰہی کے خلاف سرکشی شمار کی جائے گی۔

سب سے پہلے جبر کو نئے انداز سے پیش کرنے والے کے بارے شیخ محمد ابوزہرہ لکھتے ہیں: "ہمیں پورا یقین ہے کہ جبری گری اموی دور کے آغاز میں پھیلی اور اس دور کے اختتام تک یہ ایک مکتب میں تبدیل ہو گئی۔ کہتے ہیں کہ اس تفکّر کو سب سے پہلے رواج دینے والے کچھ یہودی تھے، جنہوں نے یہ افکار مسلمانوں کو سکھائے اور پھر ان کی نشر و اشاعت کی۔ کہا جا سکتا ہے کہ سب سے پہلے جس مسلمان نے اس فکری تحریک کی طرف دعوت دی، وہ جعد بن درہم تھا، جس نے یہ افکار شام کے ایک یہودی سے سیکھے تھے اور پھر اس نے بصرہ میں لوگوں میں اس کی ترویج شروع کر دی، اور پھر جہم بن صفوان نے یہ افکار جعد سے سیکھے"۔[۲]

جہم صرف جبر کے عقیدے کی ہی ترویج نہیں کر رہا تھا بلکہ جنت و دوزخ اور خدا سے ملاقات وغیرہ جیسے اپنے نظریات کی طرف بھی لوگوں کو دعوت دیتا تھا۔[۳]

جبر کے افکار امویوں کی سیاست سے سازگار تھے، لہٰذا اہل کتاب سے جبر کے افکار سیکھنے کے بعد بنی امیہ کے شجر خبیثہ کی شاخیں، اہل کتاب کے درخت کی شاخوں سے متصل ہو گئیں۔

ظاہر ہے کہ شام اموی خلافت کا دارالحکوت اور مختلف مذہب و نظریات کا پیروکار تھا۔ امویوں نے مذاہب

---

[۱]۔ تاریخ المذاہب الاسلامیّہ: ۱۰۴-۱۱۱، تاریخ الفرق الاسلامیّہ: ۶۶.

[۲]۔ تاریخ المذاہب الاسلامیّہ: ۱۰۴-۱۱۱، تاریخ الفرق الاسلامیّہ: ۶۶.

[۳]۔ تاریخ المذاہب الاسلامیّہ: ۱۰۶.

کے سربراہوں سے مصالحانہ روایہ رکھا ہوا تھا اور انہوں نے قیصر کے ساتھ معاہدہ کیا تھا تاکہ اپنی طاقت کی حفاظت کے لئے وقت پڑھنے پر مسلمانوں کو قتل کر سکیں اور ان کی سرکوبی کریں۔اس معاہدہ کے دوران احبار اپنی عمارت کو اونچا کرنے کے لئے اسلامی معاشرے میں رخنہ ڈال رہے تھے اور اموی بھی انہیں اپنے قریب کر رہے تھے۔تاریخی لحاظ سے یہ بات بھی یقینی ہے کہ سرجون مسیحی (جو معاویہ اور اس کے بعد یزید اور پھر مروان بن حکم[1] کا مشیر اور اموی حکومت کا راز دار تھا) جبریوں میں سب سے پیش پیش تھا۔[2]

اس بناء پر سب فرقوں کے علماء کے مطابق اموی حکومت نے جبری گری کی ترویج کرنے اور اسے تقویت دینے کی سیاست اپنائی اور اسے اپنی سیاست کی بنیاد قرار دیا ، کیونکہ اس کی چادر میں امویوں کے کالے کرتوت پوشیدہ تھے اور ان کے منبر سے ان کے فقیہ ہر بند گلی سے بھی اپنے لئے کوئی راستہ نکال لیتے تھے۔

اگر ان سے پوچھا جاتا تھا کہ حضرت علی علیہ السلام سے جنگ کیوں کی؟ کیوں انہیں دشنام دیتے ہو اور ان پر سبّ و شتم کرتے ہو؟ کیوں حجر بن عدی کو قتل کیا؟ یا اکثر کو معاویہ سے ملحق کیوں کیا اور استلحاق کی جاہلی سنت کو پھر سے کیوں زندہ کیا؟ یا امام حسین علیہ السلام کو کیوں قتل کیا؟ یا حرہ کے واقعہ میں کیوں مدینہ پر حملہ کیا اور اسے مال غنیمت کی طرح کیوں لوٹا اور مکہ پر کیوں سنگ باری کی گئی؟ کیوں خدا کے مال کو اپنا بازیچہ اور خدا کے بندوں کو اپنا غلام بنایا؟ کیوں خدا کے دین کو باطل امور سے مخلوط کیا اور نماز کو ضائع کیا؟

ان سب سوالوں اور ان کے علاوہ دوسرے سوالوں کے جواب میں ان کا صرف ایک ہی جواب ہوتا کہ یہ سب خدا کی قضاو قدر کے مطابق تھا اور اس پر امت کا اجماع ہے اور اگر کوئی اس کی مخالفت کرتا ہے تو پھر وہ جانے اور تلوار جانے!

عقیدتی اختلافات یا مسلمانوں کا نیست و نابود کرنے کا اہم ذریعہ

اموی حکومت سرکاری طور پر اپنے متقدمین کی سنت اور ان کے نقش قدم پر چلی۔اہل کتاب نے ان سے بھی ایک قدم آگے بڑھایا جو ان کے باہمی تخریب کارانہ مقاصد میں سے تھا۔وہ جبری گری کے خلاف واقعات کی

---

[1]۔التنبیہ والاشراف: ج۱ص۲۸۵.

[2]۔تاریخ الفرق الاسلامیّہ: ۶۹.

طرف تیزی سے بڑھے اور انہوں نے امت کو جدید فکری خوراک فراہم کرنے کی کوشش کی۔

ان کا اصل مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو مکمل طور پر دو متضاد موضوعات میں مگن رکھا جائے جس سے وہ حیرت و سرگردانی میں دچار رہیں اور انہیں حقیقت (جو ان کے لئے ایک فطری نظام ہے) کی طرف نہ آنے دیا جائے۔ قدری افکار کا بنیادی نظریہ اور فکر یہ تھی کہ انسان کے تمام اعمال اور افعال اس کے ارادہ کا نتیجہ ہیں جو مکمل طور پر خدا کے ارادے سے مستقل ہے۔[1]

یہ عقائد مکمل طور پر جبری گری سے متعارض تھے حالانکہ جبریوں کا یہ خیال تھا کہ انسان پتھر یا کنکر کی طرح حوادث کی تند و تیز آندھیوں کا اسیر ہے اور اسے خود کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ جس کے نتیجہ میں وہ لوگوں کو حاکموں کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی دعوت دیتے تھے۔ ان کا یہ دعویٰ تھا کہ تقدیر الٰہی ابتداء ہی سے ان کے لئے مقدر کر دی گئی ہے تاکہ وہ طاغوت کے محکوم ہی رہیں۔

بقول شاعر: ''قلم قضا جس پر چلنا تھا چل گیا''۔ پس تمہاری طرف سے حرکت و سکون یکساں ہیں اور رزق و روزی کے حصول کے لئے تمہاری کوششیں ایک طرح کا جنون ہے، حالانکہ جنین کو رحم میں بھی روزی فراہم کی جاتی ہے۔[2]

ٹھیک اسی زمانے میں جب جبریوں نے ایسے افکار کی ترویج کی تو قدریوں نے بھی ان کے خط مقابل میں حرکت کی اور ان کا ہدف یہ تھا کہ لوگوں کو ان مسائل میں الجھائے رکھیں۔ جھگڑوں کی آگ بھڑکائیں اور ہر حال میں اس کا فائدہ اہل کتاب کو ہی پہنچ رہا تھا۔

سب سے پہلے قدر کا تذکرہ کرنے والے اور اس فکر کا بیج بونے والے کے بارے میں شیخ ابوزہرہ کہتے ہیں: جس نے سب سے پہلے قدر کے بارے میں بات کی، وہ عراق کا ایک شخص تھا جو پہلے عیسائی تھا اور پھر مسلمان ہو گیا اور اس کے بعد دوبارہ عیسائی ہو گیا۔ معبد جہنی اور غیلان دمشقی نے بھی یہ افکار اسی سے ہی سیکھے تھے''۔[3]

ان افکار سے امویوں نے وہی افکار اخذ کئے جو ان کے سیاسی منصوبوں، ان کی خلافت اور خدا کے اسماء و صفات کے بارے میں سازگار تھا، اور پھر ان افکار کے پیروکاروں کو کچلنے میں مشغول گئے۔ ان واقعات میں کچھ

---

[1]۔ تاریخ المذاہب الاسلامیّہ: ۱۱۱، تاریخ الفرق الاسلامیّہ: ۷۹۔

[2]۔ تاریخ الفرق الاسلامیّہ: ۸۱۔

[3]۔ تاریخ المذاہب الاسلامیّہ: ۱۱۲، تاریخ الفرق الاسلامیّہ: ۴۰۔

لوگ قتل ہوئے اور کچھ لوگ بھاگ گئے؛ لیکن پھر بھی یہ مکتب ختم نہیں ہوا۔اس کے بعد بصرہ میں بہت سے فرقے باقی بچے اور ان میں وسعت بھی آئی، لیکن کچھ کے مطابق یہ فرقے شنوی تفکرات اور نور و ظلمت کی دو طاقتوں کے عقائد میں تبدیل ہو گئے۔[۱،۲]

گزشتہ واقعات سے واضح ہو جاتا ہے کہ صرف عقیدتی و فکری اختلافات لوگوں میں تفرقہ پیدا کرنے ،انہیں ایک دوسرے سے جدا کرنے اور اموی حکومت کی بقاء کا باعث ہی نہیں بنے بلکہ انہی اختلافات اور لڑائی جھگڑوں کی وجہ سے بہت سے لوگ قتل بھی ہوئے۔

ظاہر ہے کہ ایک دوسرے کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل ہونا اور ان کے درمیان جنگ وجدال کی آگ بھڑکانا یہودیوں کی ہی ہدف تھا اور یہ عیسائیوں کی بھی دیرینہ خواہش تھی۔

اگر رسول خداﷺ کے زمانے میں دین کے دشمن مسلمانوں سے جنگ کرتے تھے تو پہلے ان کی اپنی فوج کے سپاہی بھی مرتے تھے اور بعد میں وہ مسلمانوں کو قتل کرتے تھے لیکن بنی امیہ کے زمانے میں لشکر کشی اور ان کے سپاہیوں کے قتل ہوئے بغیر ہی انہوں نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کی جان کا دشمن بنا دیا تھا اور وہ خود ایک طرف بیٹھ کر مسلمانوں کے قتل و غارت کا تماشا دیکھ رہے تھے۔

یہود و نصاریٰ کچھ ایسے منصوبے بناتے تھے جن کی وجہ سے مسلمان تفرقہ کے شکار ہو کر ایک دوسرے ہی کو قتل کریں اور یہود و نصاریٰ کے اس گھنونے منصوبے کو اموی عملی جامہ پہنا رہے تھے۔

اموی دور میں عقلی علوم کی ترویج اور...

جیسا کہ ہم نے کہا کہ جہمیہ وغیرہ کے افکار کو فروغ دینے ،بنی امیہ کی حکومت کا سلسلہ جاری رکھنے ،اسلام کے عقیدے سے روگرداں ہونے اور کفر میں دلچسپی پیدا کرنے میں یہودیت اور عیسائیت کا بہت اہم کردار تھا۔

بنی امیہ نے اپنی حکومت کو مضبوط کرنے ، اپنے منصوبوں کو پورا کرنے اور اپنے افکار کو پھیلانے پر ہی

۱۔ تاریخ المذاہب الاسلامیّہ: ۱۱۷۔

۲۔ از ژرفای فتنہ ھا: ج۲ص ۴۷۲۔

اکتفاء نہیں کیا بلکہ گمراہ کن افکار کی ترویج کرنے کے علاوہ لوگوں کو ان مسائل کی طرف مائل کے لئے عقلی علوم کو عربی زبان میں منتقل کیا۔

سب سے پہلے خالد بن یزید نے یہ کام انجام دیا جس نے ''مریانوس'' نام کے ایک عیسائی کی مدد سے عقلی علوم کو عربی ممالک میں پھیلایا۔ اگرچہ بنی امیہ کے زمانے میں یہ کام کچھ زیادہ رائج نہیں ہوا تھا لیکن بنی العباس اور بالخصوص مأمون نے اسے بہت فروغ دیا۔

''تاریخ سیاسی اسلام''میں لکھتے ہیں: عقلی علوم اموی دور میں رائج تھے۔فقط کچھ لوگ کیمیا گری میں مصروف تھے اور بعید نہیں کہ انہوں نے یہ یونانیوں سے سیکھا ہو جنہیں دوہزار سال پہلے اس کا علم تھا۔

یہ نہیں کہہ سکتے کہ عربوں نے مشرق پر اسکندر کے حملے کے بعد یونانیوں سے طب سیکھی، کیونکہ اموی زمانے تک عربوں کو طبّی علوم کی کوئی خبر نہیں تھی اور خالد بن یزید بن معاویہ وہ پہلا شخص تھا جس نے عرب ممالک میں طب، نجوم اور کیمیا منتقل کیا۔

کیمیا کی صنعت مدرسۂ اسکندریہ میں رائج تھی اس لئے خالد نے ''مریانوس'' مسیحی کو اپنے پاس بلایا اور اس سے تقاضا کیا کہ وہ اسے طب اور کیمیا کی تعلیم دے۔جب اس نے یہ تعلیم حاصل کر لی تو اس نے حکم دیا کہ اس سے مربوط یونانی اور قبطی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا جائے۔یہ دوسروں کے علوم کو عربی میں منتقل کرنے کے لئے عربوں کا پہلا اقدام تھا۔

خالد کو علم نجوم میں بھی دلچسپی تھی اور وہ یہ علم حاصل کرنے اور اس کے وسائل کی فراہمی کے لئے حد سے زیادہ دلچسپی لیتا تھا۔شاید اس کے لئے نجوم کی کتابوں میں کوئی ترجمہ کیا گیا ہو لیکن ہم تک اس بارے میں کوئی کوئی خبر نہیں پہنچی۔

جاحظ نے کتاب ''البیان والتبیین''میں کہا ہے: ''خالد بن یزید بن معاویہ فصیح و بلیغ خطباء، شعراء اور ادباء کی آراء کو پسند کرتا تھا۔یہ وہ پہلا شخص تھا جس نے نجوم، طب اور کیمیا کی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا لیکن عرب عباسی زمانے کے آغاز اور خاص طور پر مأمون کے زمانے میں تجربی علوم جیسے طب، کیمیا، ہیئت اور تاریخ وغیرہ میں مشغول ہو گئے۔اس زمانے میں فارسی، یونانی اور ہندی سے بہت سی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا اور وہ عربوں کے درمیان رائج ہوئیں''۔[1]

---

[1]۔تاریخ سیاسی اسلام (ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن): ج۱ص۴۹۰.

خارجی کتابوں کا ترجمہ

بنی امیہ کے دربار میں یہودیوں اور عیسائیوں کا اثر و رسوخ برقرار تھا یہاں تک کہ ان کی اور یونانی فلاسفہ کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہوئیں۔ اسی طرح کیمیا کے بارے میں کتابیں بھی عربی زبان میں منتقل ہو کر لوگوں تک پہنچیں۔

اگرچہ بعض لوگ مأمون کو دوسرے مذاہب کی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ ہونے کا اصل عامل سمجھتے ہیں اور کچھ منصور کو اس کام کے لئے واسطہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن ظاہراً خارجی کتابوں کو عربی میں ترجمہ کرنے میں ان دونوں کا ہاتھ تھا لیکن اس کام کا آغاز انہوں نے نہیں کیا تھا بلکہ ان سے پہلے خالد بن یزید نے یہ کام شروع کیا تھا۔

کتاب ''نظام اداری مسلمانان در صدر اسلام'' میں لکھتے ہیں:

جاحظ نے ''البیان و التبیین'' [1] میں کہا ہے: خالد بن یزید بن معاویہ ایک فصیح و بلیغ خطیب اور شاعر تھا۔ یہ وہ پہلا شخص تھا جس نے ستارہ شناسی، طب اور کیمیا کی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ (یعنی اس کے لئے ترجمہ کیا گیا)۔

ابن ابی الحدید ''شرح نہج البلاغہ'' [2] میں لکھتے ہیں: خالد بن یزید بن معاویہ وہ پہلا شخص تھا جس نے مترجمین اور فلاسفہ کو وظائف دیئے اور وہ اہل حکمت، فن کے ماہرین اور مترجمین کو اپنے قریب لایا۔ خالد نے سنہ ۸۵ھ میں وفات پائی جب کہ ابھی تک کچھ صحابی زندہ تھے

صلاح الدین صفدی سے نقل ہوا ہے کہ ترجمہ کا آغاز کرنے والا مأمون نہیں تھا بلکہ اس سے بہت پہلے اس کام کا آغاز ہو چکا تھا۔

یحییٰ بن خالد نے ''کلیلہ و دمنہ'' کو فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا اور اس کے لئے یونانی کتابوں ''مجسطی'' کا ترجمہ کیا گیا۔

نیز مشہور ہے کہ کیمیا میں بہت زیادہ دلچسپی رکھنے کی وجہ سے خالد بن یزید بن معاویہ وہ پہلا شخص تھا

---

[1] ۔ البیان والتبیین: ج۱ص۱۲۶۔

[2] ۔ شرح نہج البلاغہ: ج۳ص۴۷۶۔

جس نے یونانی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔

کہتے ہیں: خالد کے لئے طب اور ستارہ شناسی کی کتابیں ترجمہ کی گئیں ،البتہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ سب سے پہلے منصور عباسی کے لئے طب اور ستارہ شناسی کی کتابوں کا ترجمہ کیا گیا، اور خالد صرف کیمیا کا دلدادہ تھا۔اس باب میں جس کے کچھ رسالے بھی ہیں اور اس نے یہ فن ''مریانس رومی'' نامی ایک عیسائی سے سیکھا تھا۔

''کشف الظنون'' [1] میں ذکر ہوا ہے: خالد بن یزید بن معاویہ (جو حکیم آل مروان اور حکیم آل امیہ کے نام سے مشہور تھا) نے کیمیا میں خاطر خواہ کام کیا۔ پھر اس نے فلاسفہ کے ایک گروہ کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ کیمیا کو یونانی زبان سے عربی میں منتقل کریں اور یہ عالم اسلام کا یونانی زبان سے پہلا ترجمہ تھا۔

سیوطی کی کتاب ''الأوائل'' میں ذکر ہوا ہے: سب سے پہلے خالد بن یزید کے لئے طب اور ستارہ شناسی کا عربی میں ترجمہ کیا گیا ،اور کچھ کے مطابق سب سے پہلے یہ کام منصور کے لئے انجام دیا گیا۔

ابن الندیم کہتا ہے: خالد بن یزید کے زمانے میں کیمیا اسکندریہ میں رائج تھا پھر خالد نے ایک گروہ کو بلایا کہ جس میں ''اسطفار'' ایک رومی راہب بھی شامل تھا۔ [2]

قفطی کی کتاب ''اخبار الحکماء'' میں ذکر ہوا ہے کہ ابن السندی نے قاہرہ کے کتابخانہ میں تانبے کا ایک سکّہ دیکھا جس پر امیر خالد بن یزید کا نام لکھا ہوا تھا۔

اس طرح ابن خلدون کا وہ نظریہ ردّ ہو جاتا ہے کہ جس میں اس نے خالد کو بدویّت سے نزدیک اور علوم وصناعات اور بالخصوص کیمیا سے دور قرار دیا تھا کہ جس کے لئے طباع سے آشنائی ضروری ہے۔

ابن الندیم (جو ابن خلدون کی بنسبت خالد کے زمانے سے نزدیک ہے) کا کہنا ہے کہ خالد کے زمانے میں کیمیا رائج تھا۔

کتاب ''تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ'' [3] میں ذکر ہوا ہے کہ مروان کے زمانے میں ''ماسرجویہ'' کے نام سے ایک طبیب (جس کا تعلق سریانی یہودی مذہب سے تھا اور جو بصرہ میں رہتا تھا) نے ایک پادری امرون بن اعین کی لکھی ہوئی کتاب ''کُناش'' کا سریانی سے عربی زبان میں ترجمہ کیا۔ جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنا تو اسے

---

[1] ۔ کشف الظنون: ج۱ص ۴۷۷.

[2] ۔ الفہرست: ۲۴۲اور ۲۴۴.

[3] ۔ تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ: ج۱ص ۲۳۳.

وہ کتاب خزانے میں ملی۔ کچھ لوگوں نے اس کی تشویق کی کہ اسے خزانے سے باہر نکالا جائے تاکہ مسلمان اس سے استفادہ کریں۔ عمر بن عبدالعزیز نے وہ کتاب خزانے سے باہر لانے اور اسے لوگوں کے اختیار میں دینے کے لئے چالیس دن تک استخارہ کیا۔

کتاب ''شفاء الغلیل'' میں ذکر ہوا ہے کہ ''غُناش'' (غُراب کے وزن پر) ایک سریانی لفظ ہے جس کے معنی تذکرہ کا مجموعہ ہے۔ حکماء کی کتابوں میں یہ کلمہ بہت زیادہ نظر آتا ہے۔[1]

یہ ظاہر سی بات ہے کہ کہ مریانس رومی اور اسطفار رومی (جن کے خالد بن یزید سے تعلقات تھے) جیسے عیسائیوں کے افکار ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والوں کے افکار پر اثرانداز ہوتے ہوں گے، بالخصوص خالد بن یزید پر کہ جو یزید کا بیٹا اور میسون مسیحی کا نواسہ تھا۔

اگرچہ خالد بن یزید غاصبانہ خلافت پر تخت نشین نہیں ہوا تھا لیکن اس کے بعد مروان اور کچھ دوسرے افراد اور ان کے بعد بنی العباس جیسے منصور اور مأمون (جو خلافت کے دعویدار تھے) نے اسی راہ کو جاری رکھا ۔اس کام سے حقیقت کی جستجو کرنے والوں کے ذہنوں میں اہم سوال پیدا ہوتا ہے۔

وہ سوال یہ ہے: اگر خلافت کے دعویدار اور خود کو رسول خدا ﷺ کا جانشین اور خدا کا خلیفہ سمجھنے والے ان جیسے افراد کا دعویٰ جھوٹا تھا تو پھر مسلمان ان کا احترام کیوں کریں؟ انہیں خدا کا خلیفہ کیوں سمجھیں؟ اور اگر یہ خدا کے خلیفہ تھے تو انہیں دوسروں پر کوئی امتیاز اور فوقیت کیوں نہیں تھی؟ یہاں تک کہ حصول علم کے لئے بھی انہوں نے یہودیوں اور عیسائیوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے؟

مکتبی ابحاث؛ حکومت کی بقاء کا ذریعہ

زمانۂ قدیم سے سیاستدان اپنی حکومت کی بقاء کے لئے لوگوں میں اختلاف اور تفرقہ پیدا کرتے چلے آئے ہیں اور اپنے منصوبوں کے تحت لوگوں کو ایک دوسرے کی جان کے دشمن بناتے آئے ہیں تاکہ وہ سیاسی مسائل سے دور رہیں اور ان کی غفلت کی وجہ سے سیاستدان لوگوں پر حکومت کر سکیں

جیسا کہ ہم نے دوسرے مورد میں بھی کہا ہے کہ قرآن کریم کی آیات کی بناء پر یہ ایک ایسا منصوبہ بھی

---

[1]۔ نظام اداری مسلمانان در صدر اسلام: ۳۳۳.

تھا، جس پر فرعون نے اپنی حکومت کو بچانے کے لئے عمل کیا اور اس کے بعد ہر دور کا فرعوں بھی اسی پر عمل پیرا رہا اور وہ سب اپنے ہی ایجاد کئے ہوئے پس پردہ اختلافات کے ذریعہ لوگوں پر حکومت کرتے رہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ اور حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے اس خائنانہ منصوبے کے برخلاف لوگوں کو اختلافات اور تفرقہ بازی سے باز رکھا اور قرآن و عترت کو محور و مرکز قرار دے کر لوگوں کو ایک صحیح عقیدے کی طرف دعوت دی۔ لیکن بنی امیہ نے قرآن و عترت کی محوریت و مرکزیت کو ختم کرنے کے لئے تفرقہ پیدا کیا تاکہ وہ آسانی سے لوگوں پر حکومت کر سکیں۔ اسی وجہ سے ان کی حکومت کے دوران مختلف مذہبی فرقے وجود میں آئے اور ہر گروہ دوسرے گروہ سے لڑائی جھگڑے میں مشغول ہو گیا اور لوگ حکومتی مسائل سے غافل ہو گئے۔

۲۔ پیشنگوئیوں کو چھپانا

دنیا کے لوگوں کو اسلام کی طرف مائل سے رونے کے لئے یہودیوں اور عیسائیوں کا ایک اور بنیادی حربہ پیشنگوئیوں کو چھپانا تھا۔ اس راہ میں یہودیوں اور عیسائیوں کا اپنا اپنا حصہ تھا اور وہ مختلف منصوبوں اور سازشوں کے ذریعے یہ بنیادی اور موثر پروگرام انجام دے رہے تھے۔

انہوں نے جو پروگرام انجام دیئے ان کے ذریعہ انہوں نے بہت سے خاندانوں کو ظلمت و تاریخی کے اندھیرے میں رکھا اور انہیں نور و روشنی سے دور رکھا۔ حالانکہ اگر تورات و انجیل کی پیشنگوئیاں عام لوگوں تک پہنچ جاتیں تو دنیا والوں کے عقائد کی شکل ہی کچھ اور ہوتی۔

اس بحث میں ہم صرف رسول اکرم ﷺ کے بارے میں تورات کی ان پیشنگوئیوں کے کچھ نمونے بیان کریں گے جنہیں یہودیوں نے مخفی رکھا اور پھر حقائق کو چھپانے کے سلسلے میں بہت ہی اہم واقعہ ذکر کریں گے جس میں کلیسا اور عیسائیت نے عیسائیوں کو اسلام کی طرف آنے سے روکنے کے لئے اقدامات کئے۔

الف : یہودیت کا پیشنگوئیوں کو چھپانا

یہودیوں کے شیطانی حربوں میں سے ایک حربہ (جسے وہ رسول اکرم ﷺ کی رسالت کے آغاز سے ہی نہیں بلکہ ظہور اسلام اور آنحضرت کی ولادت سے پہلے سے انجام دے رہے تھے) لوگوں کو ظہور اسلام اور نبی اکرم ﷺ کی نبوت کے بارے میں سوچنے سے بھی دور رکھنا تھا۔

یہودی علماء نے ظہور اسلام کی نشانیوں اور آنحضرت کی الٰہی حکومت کے ظہور کو لوگوں سے چھپایا اور انہیں آنحضرت کی طرف آنے سے روکا تاکہ اس طرح وہ لوگوں پر حکمرانی کر سکیں اور ان کے جہل و نادانی سے سوء استفادہ کر سکیں۔

پیغمبر اکرم ﷺ کی ولادت اور آپ کی بعثت کے بعد یہودی بزرگوں نے اسی طرح سے ہی اپنی دھوکا دہی کو جاری رکھا اور بے شمار افراد کو آئین اسلام کی نورانیت سے دور رکھا۔

ان کی مکاریاں، دھوکے اور گھنونے منصوبے بہت ہی وسیع پیمانے پر پھیلے ہوئے تھے۔ جس کے جاہل اور بے خبر لوگوں پر بہت گہرے اثرات مرتب ہوئے۔

ان کا ایک مکارانہ منصوبہ ایسی پیشنگوئیوں کو چھپانا تھا جو ان کی آسمانی کتابوں میں موجود تھیں۔ یہودی علماء نے تورات میں تحریف کرکے اسلام اور رسول اکرم ﷺ کی نبوت ورسالت کے بارے میں بہت ہی واضح وآشکار پیشنگوئیوں کو چھپایا اور انہیں لوگوں کی دسترس سے دور رکھاتا کہ وہ اسی طرح اپنے باطل راستے پر گامزن رہیں اور آئیں اسلام کی طرف مائل ہونے سے دور رہیں۔

اب ہم جو واقعہ نقل کر رہے ہیں وہ یہودی علماء کی انہی مکاریوں کا بہترین نمونہ ہے۔

مرحوم ابوالحسن طالقانی (جو مرحوم مرزا شیرازی کے شاگردوں میں سے ہیں) بیان کرتے ہیں:

میں کچھ دوستوں کے ساتھ کربلا کی زیارت سے سامراء کی طرف آ رہا تھا۔ ظہر کے وقت ہم نے "دجیل" نامی قریہ میں قیام کیا تاکہ کھانا کھانے اور کچھ دیر آرام کرنے کے بعد عصر کے وقت وہاں سے روانہ ہوں۔

وہاں ہماری ملاقات سامراء کے ایک طالب علم سے ہوئی جو کسی دوسرے طالب علم کے ساتھ تھا۔ وہ دوپہر کے کھانے کے لئے کچھ خریدنے آئے تھے۔ میں نے دیکھا کہ جو شخص سامراء کے طالب علم کے ساتھ تھا وہ کچھ پڑھ رہا ہے۔ میں نے غور سے سنا تو مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ عبرانی زبان میں توریت پڑھ رہا ہے۔ مجھے بہت تعجب ہوا۔ میں نے سامراء میں رہنے والے طالب علم سے پوچھا کہ یہ شیخ کون ہے اور اس نے عبرانی زبان کہاں سے سیکھی؟

اس نے کہا: یہ شخص تازہ مسلمان ہوا ہے اور اس سے پہلے وہ یہودی تھا۔

میں نے کہا: بہت خوب؛! پھر یقینا کوئی واقعہ پیش آیا ہوگا کہ جس کی وجہ سے آپ مسلمانوں ہیں، کیا آپ مجھے وہ واقعہ بتا سکتے ہو؟

تازہ مسلمان ہونے والے طالب علم نے کہا: یہ واقعہ بہت طولانی ہے جب ہم سامراء کی طرف روانہ ہوں گے تو میں وہ واقعہ راستے میں تفصیل سے آپ کے گوش گزار کروں گا۔

عصر کا وقت ہو گیا اور ہم سامراء کی طرف روانہ ہو گئے۔ میں نے اس سے کہا: اب آپ تفصیل مجھے اپنا واقعہ بتائیں۔

اس نے کہا: میں مدینہ کے نزدیک خیبر کے یہودیوں میں سے تھا۔ خیبر کے اطراف میں کچھ قریہ موجود

ہیں کہ جہاں رسول اکرم ﷺ کے زمانے سے اب تک یہودی آباد ہیں ان میں سے ایک قریہ میں لائبریری کے لئے ایک چھوٹی سی جگہ تھی۔ جس میں ایک بہت قدیم کمرہ تھا۔ اسی کمرے میں تورات کا ایک بہت قدیم نسخہ رکھا ہوا تھا جو کھال پر لکھا گیا تھا۔ اس کمرے کا دروازہ ہمیشہ بند رہتا تھا اور اسے تالا لگا رہتا تھا۔ بزرگوں نے تاکید کی تھی کہ کسی کو بھی اس کمرے کا تالا کھولنے اور تورات کا مطالعہ کرنے کا حق نہیں ہے۔ مشہور یہ تھا کہ جو بھی اس تورات کو دیکھے گا اس کا دماغ کام کرنا چھوڑ دے گا اور وہ پاگل ہو جائے گا اور بالخصوص نوجوان اس کتاب کو نہ دیکھیں!

اس کے بعد اس نے کہا: ہم دو بھائی تھے جو یہ سوچتے تھے کہ ہمیں اس قدیم تورات کی زیارت کرنی چاہئے۔ ہم اس شخص کے پاس گئے جس کے پاس اس کمرے کی چابی تھی اور ہم نے اس سے درخواست کی کہ وہ کمرے کا دروازہ کھول دے لیکن اس نے سختی سے منع کر دیا۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ "الانسان حریص علی ما منع" یعنی انسان کو جس چیز سے منع کیا جائے، وہ اس کا زیادہ حریص ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ہم میں اس کتاب کے مطالعہ کا اور زیادہ شوق پیدا ہو گیا۔ ہم نے اسے اچھے خاصے پیسے دیئے تاکہ وہ ہمیں چھپ کر اس کمرے میں جانے دے۔

ہم نے جو وقت طے کیا تھا، اسی کے مطابق ہم اس کمرے میں داخل ہو گئے اور ہم نے بڑے آرام سے کھال پر لکھی ہوئی قدیم تورات کی زیارت کی اور اس کا مطالعہ کیا۔ اس میں ایک صفحہ مخصوص طور پر لکھا گیا تھا جو کہ بہت جاذب نظر اور پر کشش تھا۔ جب ہم نے اس پر غور کیا تو ہم نے دیکھا کہ اس میں لکھا ہوا تھا: "آخری زمانے میں عربوں میں ایک پیغمبر مبعوث ہو گا" اس میں ان کی تمام خصوصیات، اوصاف اور ان کا حسب و نسب بیان کیا گیا تھا۔ نیز اس میں اس پیغمبر کے بارہ اوصیاء کے نام بھی لکھے گئے تھے۔ میں نے اپنے بھائی سے کہا: بہتر یہ ہے کہ ہم یہ ایک صفحہ لکھ لیں اور اس پیغمبر کی جستجو کریں۔ ہم نے وہ صفحہ لکھ لیا اور ہم اس پیغمبر پر فریفتہ ہو گئے۔

اب ہمارا ذہن صرف خدا کے اسی پیغمبر کو تلاش کرنے کے بارے میں سوچتا تھا لیکن چونکہ ہمارے علاقے میں لوگوں کی کوئی آمد و رفت نہیں تھی اور رابطہ کرنے کا بھی کوئی انتظام نہیں تھا اس لئے ہمیں اس بارے میں کوئی چیز نہ مل سکی کہ جس سے اس پیغمبر ﷺ کو جاننے میں مدد ملے، یہاں تک کہ کچھ مسلمان تاجر خرید و فروخت کے لئے ہمارے شہر آئے۔ میں نے چھپ کر ان میں سے ایک شخص سے کچھ سوال پوچھے، اس نے رسول اکرم ﷺ کے جو حالات اور نشانیاں بیان کیں، وہ بالکل ویسی ہی تھیں جیسی ہم نے تورات میں

دیکھیں تھیں۔آہستہ آہستہ ہمیں دین اسلام کی حقانیت کا یقین ہونے لگا۔لیکن ہم میں اس کے اظہار کرنے کی جرأت نہیں تھی۔امید کا صرف ایک ہی راستہ تھا کہ ہم اس علاقہ سے فرار ہو جائیں۔

میں نے اور میرے بھائی نے وہاں سے بھاگ جانے کے بارے میں بات چیت کی۔ہم نے ایک دوسرے سے کہا: مدینہ یہاں سے نزدیک ہے، ہو سکتا ہے کہ یہودی ہمیں گرفتار کر لیں، بہتر یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے کسی دوسرے شہر کی طرف بھاگ جائیں۔

ہم نے موصل اور بغداد کا نام سن رکھا تھا۔میرا باپ کچھ عرصہ پہلے ہی وفات پا گیا تھا اور انہوں نے اپنی اولاد کے لئے وصی اور وکیل معین کیا تھا۔ہم ان کے وکیل کے پاس گئے اور ہم نے اس سے دو سواریاں اور کچھ نقدی پیسے لے لئے۔ہم سوار ہوئے اور جلدی سے عراق کا سفر طے کرنے لگے۔ہم نے موصل کا پتہ پوچھا۔لوگوں نے ہمیں اس کا پتہ بتایا۔ہم شہر میں داخل ہوئے اور رات مسافروں کی قیامگاہ میں گزاری۔

جب صبح ہوئی تو اس شہر کے کچھ لوگ ہمارے پاس آئے اور انہوں نے کہا: کیا تم لوگ اپنی سواریاں فروخت کروگے ؟ہم نے کہا: نہیں! کیونکہ ابھی تک اس شہر میں ہماری کیفیت معلوم نہیں ہے۔ہم نے ان کا تقاضا رد کر دیا۔آخر کار انہوں نے کہا: اگر تم یہ فروخت نہیں کروگے تو ہم تم سے زبردستی چھین لیں گے۔ہم مجبور ہو گئے اور ہم نے وہ سواریاں فروخت کر دیں۔ہم نے کہا یہ شہر رہنے کے قابل نہیں، چلو بغداد چلتے ہیں۔

لیکن بغداد جانے کے لئے ہمارے دل میں ایک خوف سا تھا۔کیونکہ ہمارا ماموں بغداد میں ہی رہتا تھا جو کہ یہودی اور ایک نامور تاجر تھا۔ ہمیں یہ خوف تھا کہ کہیں اسے ہمارے بھاگ جانے کی اطلاع نہ مل چکی ہو اور وہ ہمیں ڈھونڈ نہ لے۔

بہر حال ہم بغداد میں داخل ہوئے اور ہم نے رات کے وقت کاروان سرا میں قیام کیا۔اگلی صبح ہوئی تو کاروان سرا کا مالک کمرے میں داخل ہوا۔وہ ایک ضعیف العمر شخص تھا اس نے ہمارے بارے میں پوچھا۔ہم نے مختصر طور پر اپنا واقعہ بیان کیا اور ہم نے اسے بتایا کہ ہم خیبر کے یہودیوں میں سے ہیں اور ہم اسلام کی طرف مائل ہوئے ہیں، ہمیں کسی مسلمان عالم دین کے پاس لے جائیں جو آئین اسلام کے بارے میں ہماری رہنمائی کرے۔

اس ضعیف العمر شخص کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھتے ہوئے کہا: سر آنکھوں پر؛ چلو بغداد کے قاضی کے گھر چلتے ہیں۔ہم اس کے ساتھ بغداد کے قاضی سے ملنے کے لئے چلے گئے۔ مختصر تعارف کے بعد ہم نے اپنا واقعہ ان سے بیان کیا اور ہم نے ان سے تقاضا

کیا کہ وہ ہمیں اسلام کے احکامات سے روشناس کرئیں۔

انہوں نے کہا: بہت خوب! پھر انہوں نے توحید اور اثبات توحید کے کچھ دلائل بیان کئے۔ پھر انہوں ے پیغمبر اکرم ﷺ کی رسالت اور آپ کے خلیفہ اور اصحاب کا تذکرہ کیا۔

انہوں نے کہا: آپ کے بعد عبداللہ بن ابی قحافہ، رسول خدا ﷺ کے خلیفہ ہیں۔

میں نے کہا: عبداللہ کون ہیں؟ میں نے توریت میں جو کچھ پڑھا یہ نام اس کے مطابق نہیں ہے!!

بغداد کے قاضی نے کہا: یہ وہ ہیں کہ جن کی بیٹی رسول اکرم ﷺ کی زوجہ ہیں۔

ہم نے کہا: ایسا نہیں ہے؛ کیونکہ ہم نے توریت میں پڑھا ہے کہ پیغمبر ﷺ کا جانشین وہ ہے کہ رسول ﷺ کی بیٹی جن کی زوجہ ہے۔

جب ہم نے اس سے یہ بات کہی تو قاضی کے چہرے کا رنگ تبدیل ہو گیا اور وہ قہر و غضب کے ساتھ کھڑا ہوا اور اس نے کہا: اس رافضی کو یہاں سے نکالو۔ انہوں نے مجھے اور میرے بھائی کو مارا پیٹا اور وہاں سے نکال دیا۔ ہم کاروان سرا واپس آ گئے۔ وہاں کا مالک بھی اس بات پر خفا تھا اور اس نے بھی ہم سے بے رخی اختیار کر لی۔

اس ملاقات اور قاضی سے ہونے والی گفتگو اور اس کے رویّہ کے بعد ہم بہت حیران ہوئے۔ ہمیں یہ معلوم نہیں تھا کہ لفظ ''رافضی'' کیا ہے؟ رافضی کسے کہتے ہیں ؟اور قاضی نے ہمیں کیوں رافضی کہا اور وہاں سے نکال دیا؟

میرے اور میرے بھائی کے درمیان ہونے والی یہ گفتگو آدھی رات تک جاری رہی اور کچھ دیر کے لئے غمگین حالت میں سو گئے۔ ہم نے کاروان سرا کے مالک کو آواز دی، اور ان سے کہا کہ وہ ہمیں اس ابہام سے نجات دے۔ شاید ہم قاضی کی بات نہیں سمجھے اور قاضی ہماری بات نہیں سمجھ پائے۔

اس نے کہا: اگر تم لوگ حقیقت میں آئین اسلام کے طلبگار ہو تو جو کچھ قاضی کہے اسے قبول کر لو۔

ہم نے کہا: یہ کیسی بات ہے؟ ہم اسلام کے لئے اپنا مال، گھر، رشتہ دار سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے آئے ہیں۔ ہماری اس کے علاوہ اور کوئی غرض نہیں ہے۔

اس نے کہا: چلو میں ایک بار پھر تمہیں قاضی کے پاس لے جاتا ہوں۔ لیکن کہیں اس کی رائے کے برخلاف کوئی بات نہ کہہ دینا۔ ہم پھر قاضی کے گھر چلے گئے۔

ہمارے اس دوست نے کہا: آپ جو کہیں گے یہ قبول کریں گے۔

قاضی نے بات کرنا شروع کی اور موعظہ و نصیحت کی۔ میں نے کہا: ہم دو بھائی اپنے وطن میں ہی مسلمان ہو گئے تھے اور ہم اتنی دور دیار غیر میں اس لئے آئے ہیں تا کہ ہم اسلام کے احکامات سے آشنا ہو سکیں۔ اس کے علاوہ ہمارا اور کوئی مقصد نہیں ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو ہمارے کچھ سوال ہیں؟

قاضی نے کہا: جو پوچھنا چاہو پوچھو۔

میں نے کہا: ہم نے صحیح اور قدیم توریت پڑھی ہے اور اب میں جو باتیں کہنے لگا ہوں ہم نے یہ اسی کتاب سے ہی لکھی ہیں۔ ہم نے پیغمبر آخر الزمان ﷺ اور آپ کے خلفاء اور جانشینوں کے تمام نام، صفات اور نشانیاں وہیں سے ہی لکھی ہیں، جو ہمارے پاس لکھی ہوئی ہیں۔ لیکن اس میں عبداللہ بن ابی قحافہ کے نام جیسا کوئی نام نہیں ہے۔

قاضی نے کہا: پھر اس توریت میں کن اشخاص کے نام لکھیں ہیں؟

میں نے کہا: پہلے خلیفہ پیغمبر ﷺ کے داماد اور آپ کے چچازاد بھائی ہیں۔ ابھی تک میری بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ اس نے ہماری بد بختی کا طبل بجایا۔ یہ بات سنتے ہی قاضی اپنی جگہ سے اٹھا اور جہاں تک ہو سکا اس نے اپنے جوتے سے میرے سر اور چہرے پر مارا اور میں مشکل سے جان چھڑا کر وہاں سے بھاگا۔ میرا بھائی مجھ سے بھی پہلے وہاں سے بھاگ نکلا۔

میں بغداد کی گلیوں میں راستہ بھول گیا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ میں اپنے خون آلود سر اور چہرے کے ساتھ کہاں جاتا۔ کچھ دیر میں چلتا گیا یہاں تک کہ میں دریائے دجلہ کے کنارے پہنچا کچھ دیر کھڑا رہا لیکن میں نے دیکھا کہ میرے پاؤں میں کھڑے رہنے کی ہمت نہیں ہے۔ میں بیٹھ گیا اور اپنی مصیبت، غربت، بھوک، خوف اور دوسری طرف سے اپنی تنہائی پر رو رہا تھا اور افسوس کر رہا تھا۔

اچانک ایک جوان ہاتھ میں دو کوزے پکڑے ہوئے دریا سے پانی لینے کے لئے آیا، اس کے سر پر سفید رنگ کا عمامہ تھا، وہ میرے پاس دریا کے کنارے بیٹھ گیا جب اس جوان نے میری حالت دیکھی تو اس نے مجھ سے پوچھا: تمہیں کیا ہوا ہے؟ میں نے کہا: میں مسافر ہوں اور یہاں مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہوں۔

انہوں نے فرمایا: تم اپنا پورا واقعہ بتاؤ؟

میں نے کہا: میں خیبر کے یہودیوں میں سے تھا۔ میں نے اسلام قبول کیا اور اپنے بھائی کے ساتھ ہزار مصیبتیں اٹھا کر یہاں آیا۔ ہم اسلام کے احکام سیکھنا چاہتے تھے۔ لیکن انہوں نے مجھے یہ صلہ دیا اور پھر میں نے اپنے زخمی سر اور چہرے کی طرف اشارہ کیا۔

انہوں نے فرمایا: میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ یہودیوں کے کتنے فرقے ہیں؟
میں نے کہا: بہت سے فرقے ہیں۔
انہوں نے فرمایا: اکہتر فرقے ہو چکے ہیں۔ کیا ان میں سے سب حق پر ہیں؟
میں نے کہا: نہیں
انہوں نے فرمایا: نصاریٰ کے کتنے فرقے ہیں؟
میں نے کہا: ان کے بھی مختلف فرقے ہیں۔
انہوں نے فرمایا: بہتر فرقے ہیں۔ کیا ان میں سے بھی سب حق پر ہیں؟
میں نے کہا: نہیں
پھر انہوں نے فرمایا: اسی طرح اسلام کے بھی متعدد فرقے ہیں۔ ان کے تہتر فرقے ہو چکے ہیں لیکن ان میں سے صرف ایک ہی فرقہ حق پر ہے۔
میں نے کہا: میں اسی فرقہ کی جستجو کر رہا ہوں، اس کے لئے مجھے کیا کرنا چاہئے؟
انہوں نے اپنے مغرب کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس طرف سے کاظمین روانہ ہو جاؤ اور پھر فرمایا: تم شیخ محمد حسن آل یاسین کے پاس جاؤ وہ تمہاری حاجت پوری کر دیں گے۔
میں وہاں سے روانہ ہوا اور اسی لمحہ وہ جوان بھی وہاں سے غائب ہو گیا۔ میں نے انہیں ادھر ادھر دیکھنے کی کوشش کی لیکن وہ دکھائی نہ دیئے۔ مجھے بہت تعجب ہوا۔ میں نے خود سے کہا: یہ جوان کون تھا اور کہاں سے آیا تھا؟ کیونکہ گفتگو کے دوران میں نے توریت میں لکھی ہوئی پیغمبر اور ان کے اولیاء کے اوصاف کے بارے میں بات کی تو انہوں نے فرمایا: کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہارے لئے وہ اوصاف بیان کروں؟ میں نے عرض کیا: آپ ضرور بیان فرمائیں۔ انہوں نے وہ اوصاف بیان کرنا شروع کئے اور میرے دل میں یہ خیال آیا کہ جیسے خیبر میں موجود وہ قدیم توریت انہوں نے ہی لکھی ہو۔ جب وہ میری نظروں سے اوجھل ہوئے تو میں سمجھ گیا کہ وہ کوئی الٰہی شخص ہیں وہ کوئی عام انسان نہیں ہیں۔ لہٰذا مجھے ہدایت کا یقین ہو گیا۔
مجھے اس سے بہت تقویت ملی اور میں اپنے بھائی کو تلاش کرنے نکل پڑا۔ بالآخر وہ مجھے مل گیا۔ میں بار بار کاظمین اور شیخ محمد حسن آل یاسین کا نام دہرا رہا تھا تاکہ میں ان کا نام بھول نہ جاؤں۔ میرے بھائی نے مجھ سے پوچھا کہ یہ کون سی دعا ہے جو تم پڑھ رہے ہو؟
میں نے کہا: یہ کوئی دعا نہیں ہے اور پھر میں نے اسے سارا واقعہ بتایا۔ وہ بھی بہت خوش ہوا۔

آخر کار ہم لوگوں سے پوچھ پاچھ کے کاظمین پہنچ گئے اور شیخ محمد حسن کے گھر چلے گے۔ ہم نے شروع سے آخر تک سارا واقعہ ان سے بیان کیا۔ وہ شیخ کھڑے ہوئے اور بہت گریہ وزاری کی میری آنکھوں کو چوما اور کہا: ان آنکھوں سے تم نے حضرت ولی عصر عجل اللہ فرجہ الشریف کے جمال کی زیارت کی ہے...۔[1]

اگر یہودی علماء (جو مکتب وحی کے سب سے بڑے دشمن تھے اور ہیں) ایسے حقائق کو نہ چھپاتے اور ان کے دولتمند حضرات نور الٰہی کو بجھانے کی کوششیں نہ کرتے تو یہ حقائق واضح وآشکار ہو جاتے جنہیں دیکھ کر بہت سے لوگ آئین اسلام کی طرف آجاتے اور اپنے تحریف شدہ دین سے دستبردار ہو جاتے۔ لیکن افسوس! وہ لوگوں کو حق پرستی کی طرف آنے کی راہ میں حائل تھے بلکہ انہوں نے انہیں آخرت کی دنیا اور قیامت کا منکر بنا دیا تھا۔ جس کے لئے انہوں نے اپنے پوشیدہ ہاتھوں کو ہر قسم کی خباثت سے آلودہ کیا اور اب بھی آلودہ کر رہے ہیں۔

ب: عیسائیت کا پیشنگوئیوں کو چھپانا

یہودیوں کی طرح عیسائیوں نے بھی اسلام کی ترقی کو روکنے کے لئے پیشنگوئیوں کو چھپانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ وہ اس کام کے لئے اپنے تمام تر وسائل بروئے کار لائے۔

عیسائیوں نے بھی یہودیوں کی طرح نہ صرف پیشنگوئیوں کو ظاہر کرنے سے گریز کیا بلکہ انہوں نے اسلام کی نشر واشاعت کا باعث بننے والے اہم ترین حقائق کو چھپایا اور اب بھی چھپا رہے ہیں۔ برطانیہ کے صاحب اقتدار بادشاہ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ، کلیسا اور عیسائیت کی شکست میں کلیدی کردار کا حامل ایک بہت ہی اہم واقعہ ہے۔

یہ واضح سی بات ہے کہ اپنی قوم میں بہت زیادہ اثر ورسوخ رکھنے والے بادشاہ کا مسلمان ہونا ان کے مذہبی عقائد پر بہت زیادہ اثرانداز ہوتا ہے۔ عیسائیوں نے برطانیہ کے عیسائیوں کو اسی طرح کلیسا کا پیروکار رکھنے کے لئے وہاں کے بادشاہ کے مسلمان ہونے کی خبر کو چھپایا کیونکہ بادشاہ کے مسلمان ہونے کا واقعہ مستقبل میں عیسائیوں کے اسلام کی طرف مائل ہونے کا باعث بن سکتا تھا۔ اس لئے انہوں نے یہ اہم واقعہ اپنی کتابوں میں

---

[1]۔ معجزات وکرامات ائمہ اطہار علیہم السلام: ۱۷۵، مرحوم آیت اللہ سید ہادی خراسانی سے منقول، کامیابی کے اسرار: ج۲ ص۱۱۶.

ذکر ہی نہیں کیا۔

ہم قارئین تک حقائق پہنچانے کی غرض سے اب وہ واقعہ بیان کرتے ہیں۔

برطانوی بادشاہ کا مسلمان ہونا

برطانوی بادشاہ ''اوفا'' (OFFA) :

تاریخ کے عجائبات میں سے ایک یہ ہے کہ گذشتہ صدی میں برطانوی بادشاہ ''اوفا'' کا نام سامنے آیا، جس نے اسلام قبول کیا تھا۔ لیکن یہ حقیقت کھل کر سامنے نہ آسکی۔

''اوفا'' کون تھا؟ اس نے کب حکومت کی؟

اس نے کیوں اسلام قبول کیا؟

اس کے مسلمان ہونے کی خبر کو کیوں چھپایا گیا؟

مذکورہ سوالوں کے جوابات جاننے کے لئے برٹش انسائیکلوپیڈیا اور فرنچ انسائیکلوپیڈیا (لاروس) کی طرف رجوع کریں۔ ان دونوں انسائیکلوپیڈیا میں ''اوفا'' (OFFA) کے بارے میں یوں ذکر ہوا ہے:

اوفا؛ ''انگلوساکسونی'' (Anglo-Saxon) بادشاہ تھا جس نے انتالیس سال (۷۵۷ء سے ۷۹۶ء) تک برطانیہ پر حکومت کی۔ اس زمانے میں یہ انگلینڈ کا سب سے طاقتور بادشاہ تھا۔

پہلے وہ مارسیا (Mercia) یا وسطی برطانیہ (Middle England) کا بادشاہ تھا۔ یہ مملکت سات ملکوں کا حصہ تھی۔ اس بادشاہ نے چھوٹے ملکوں جیسے کینٹ (Kent)، ویسٹ، (West) سیکسونس (Saxons) اور ولش (Welsh) کو فتح کرکے اپنے ملک کو وسعت دی۔

اس نے اپنی بیٹیوں کی شادو ساکس (Wessex) اور نور تھومبیا (Northrmbia) کے حکمرانوں سے کی اور یوں اس نے اپنے اثرورسوخ کے دائرے کو مزید بھڑایا، جس میں برطانیہ کے تمام حصے شامل تھے۔

اس نے فرانس کے بادشاہ ''شارلمان'' اور پاپ ''اینڈریان اوّل'' سے معاہدہ بھی کیا۔

اس کے زمانے کے باقی بچنے والے آثار میں سے دیوار اور ڈیم ہے جو مارسیا (Mercia) اور ولش (Welsh) کے درمیان بنایا گیا اور جو اب تک ''اوفا ڈیک'' (OFFA DYKE) کے نام سے مشہور ہے۔

یہاں تک تو ایک عام مسئلہ تھا لیکن سنہ ۱۸۴۱ء میں مؤرخین کے لئے ایک سوال پیدا ہوا۔ اس سال سونے کا ایک سکہ ملا جو اس طاقتور بادشاہ کے زمانے کا تھا۔ اس سکے پر کون سی ایسی چیز نقش تھی، جس نے سب کو حیران کر دیا۔ یہ سکہ اب بھی برطانیہ کے عجائب گھر میں قدیم سکّوں کے حصہ میں موجود ہے۔

حیران کن چیز یہ تھی کہ اس سکے کے دونوں طرف کلمہ شہادت "اشهد أن لا اله الاّ اللّٰه ، و اشهد أن محمّداً رسول اللّٰه" اور عربی زبان میں قرآن کی ایک آیت لکھی ہوئی تھی۔

اس اس سکّہ کا واقعہ ملاحظہ فرمائیں:

سکّہ کے ایک طرف عربی زبان میں واضح طور پر "اشهد أن لا اله الاّ اللّٰه ، وحده لا شريک له" لکھا ہوا تھا اور سکّہ کے حاشیہ میں "محمّد رسول اللّٰه" اور پھر "أَرْسَلَهُ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ"[1] لکھا ہوا تھا اور اس سکّہ کے درمیان میں انگلش میں یہ جملہ "OFFA-REK" (یعنی بادشاہ اوفا) نقش تھا۔ حاشیہ میں عربی میں یوں لکھا ہوا تھا: "بسم اللہ، یہ دینار ۱۵۷ ہجری (یعنی سنہ ۷۷۴ء) میں بنایا گیا ہے"۔

"اوفا" بادشاہ کے دستخط سے یہ تشخیص دی جا سکتی ہے کہ یہ سکہ سنہ ۷۵۷ء سے ۷۹۶ء کے درمیان بنایا گیا تھا کہ جب "انگلوساکسونی" پر "اوفا" کی حکومت تھی۔

اس بارے میں بہت سے تقریریں کی گئیں اور دسیوں مقالے لکھے گئے، ہم اس موضوع کے بارے میں مؤرخین کے فرضیوں کو بطور خلاصہ یوں بیان کر سکتے ہیں:

پہلا فرضیہ: "اوفا" بادشاہ مسلمان ہو گیا تھا۔

دوسرا فرضیہ: اس نے مفہوم اور معنی کو سمجھے بغیر خوبصورتی کی غرض سے عربی کے یہ کلمات اور آیت لکھی تھی۔

تیسرا فرضیہ: اس نے بیت المقدس کی زیارت کے لئے جانے والے اپنے ملک کے حجاج کی مدد کے لئے یہ سکّہ بنوایا تھا تاکہ وہ اس سے استفادہ کریں اور ان کے لئے سفر کی سختی آسان ہو جائے۔ گویا اس کے اس کام ایک سیاسی پہلو تھا۔

چوتھا فرضیہ: اس نے سنہ ۷۸۷ء میں پاپ "اینڈریان" سے معاہدہ کیا کہ بادشاہ سالانہ مالیات ادا کرے

---

[1] سورۂ توبہ، آیت: ۳۳ (هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ)

اور ممکن ہے کہ یہ سکّہ اسی مقصد کے لئے بنایا گیا ہو۔

محققین میں سے ایک کا کہنا ہے: یہ واضح ہے کہ آخری تین فرضیے منطق اور انسانی عقل سے سازگار نہیں ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ کوئی بادشاہ خوبصورتی کے لئے سکہ پر کوئی ایسا جملہ لکھے کہ اسے جس کے معنی بھی معلوم نہ ہوں۔ جب کہ یہ جملے ''شہادت'' ہیں ، جن میں اسلام کے عقائد کا خلاصہ کیا جاتا ہے۔ یہ بات درست ہے کہ یورپ کے کچھ بادشاہوں پر اسلامی تمدن اثرانداز ہوا اور انہوں نے عربی زبان میں اپنا نام سکوں پر چھپوایا تھا۔

ان میں سے ایک ''الفانسو ہشتم ،فاسیلی دیمتریش'' اور کچھ ''نورمان'' حکمرانوں میں سے تھے کہ جن میں ''ویلیم راجر'' بھی شامل ہے۔ حتی جرمن سلطنت کے حاکم ''ہنری چہارم'' نے عثمانی خلیفہ ''المقتدر باللہ'' کا نام اپنے ملک کے سکہ پر نقش کروایا تھا لیکن ان میں سے کسی نے بھی ''اوفا'' کی طرح کلمۂ توحید سکہ پر نقش نہیں کیا تھا۔

تیسرے فرضیہ کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ فرضیہ بہت مبہم ہے اور اس میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ کس طرح ممکن ہے کہ پاپ، ''اوفا'' بادشاہ سے یہ تقاضا کرے کہ سکہ پر کلمۂ شہادتین نقش کروائے اور اسے مالیات کے طور پر ادا کرے؟

کیا اس میں کوئی منطق نظر آتی ہے؟ کیا یہ ناممکن نہیں ہے ؛جب کہ ہم جانتے ہیں کہ پاپ اسلام کے بدترین دشمنوں میں سے تھے۔ لہٰذا یہ فطری امر ہے کہ وہ ہر صورت میں سکہ پر دشمن کا شعار و عقیدہ دیکھ کر اس کی مخالفت کرے گا۔ چاہے سکہ پر وہ خوبصورتی کی غرض سے ہی نقش کئے گئے ہوں۔

چوتھے فرضیہ کے بارے میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کمزور فرضیہ ہے۔ یہ ماننا مشکل ہے کہ ''اوفا'' بادشاہ نے یہ سکہ اس لئے بنوایا تھا تاکہ بیت المقدس کی زیارت کے لئے جانے والے اپنے ہم وطن لوگوں کی مدد کرے۔ کیونکہ اس زمانے میں جو عیسائی مقدس شہروں کو دیکھنا چاہتے تھے ،ان کے لئے مسلمانوں کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں تھی اور اسلامی ملکوں میں ان کی رفت وآمد آزاد تھی۔

شاید یہ احتمال بھی دیا جاسکتا ہے کہ اس بادشاہ کی مملکت سکّہ نہ بنا سکتی ہو لہٰذا اس نے اپنا سکّہ کسی عربی ملک سے بنوایا ہو۔ لیکن یہ احتمال ضعیف ہے اور یہ وار نہیں ہوتا۔

کیونکہ برٹش انسائیکلوپیڈیا میں ذکر ہوا ہے کہ اس بادشاہ کے نوادرات میں سے نئی طرز کے کچھ سکے شامل ہیں، جن پر بادشاہ اور سکّہ بنانے والے کا نام بھی نقش ہوا ہے۔ کئی صدیوں تک انہی سکّوں سے استفادہ کیا جاتا رہا کہ جن پر ''اوفا'' اور اس کی بیوی ملکہ کانثریز (Cynethyth) کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ برطانیہ میں

سکّہ بنانے کا نظام اور فن کئی زمانوں سے رائج تھا۔

ممکن ہے کہ اس بادشاہ کے زمانے میں رائج سکّوں کے کچھ اور نمونے برٹش انسائیکلوپیڈیا میں سکّوں (Coins) یا بادشاہ کے حالات زندگی کی بحث میں مل سکتے ہیں۔دوسرے لفظوں میں یہ کہ یہ احتمال انتہائی ضعیف ہے کہ بادشاہ اپنے ملک میں سکّہ نہیں بنا سکتا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ ''اوفا'' بادشاہ نے اسلام قبول کیا تھا لیکن ہمیں اس بارے میں کوئی مزید دلیل نہیں ملی اور ان سکّوں کے علاوہ کوئی اور شواہد بھی موجود نہیں ہیں۔

ہمارے پاس اس بادشاہ کے مسلمان ہونے کے بارے میں معلومات کیوں نہیں ہیں؟مؤرخین اس کی وجہ یوں بیان کرتے ہیں کہ برطانیہ کے کلیسا نے اس بادشاہ کے مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کے بارے میں تمام شواہد مٹا دیئے تھے!

کیا صرف یہ بادشاہ ہی مسلمان ہوا تھا یا اس کے خاندان کے افراد اور رشتہ دار بھی مسلمان ہوئے تھے؟ہمیں اس کا علم نہیں ہے اور اس بارے میں کوئی معلومات بھی نہیں ہیں۔

ہم جو جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ بادشاہ نے بیت المقدس کی زیارت کے وقت کچھ مسلمانوں اور ان کے علماء سے ملاقات کی ہو اور اس دوران وہ اسلام قبول کرکے اسلام کا معتقد ہوا ہو۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ برٹش انسائیکلوپیڈیا اور فرنچ انسائیکلوپیڈیا (لاروس) نے اس مسئلہ کی طرف اشارہ نہیں کیا بلکہ اسے کلی طور پر نظرانداز کر دیا ہے۔اس سے کچھ لوگوں کے اس اعتقاد کو تقویت ملتی ہے جن کا یہ کہنا ہے کہ ان انسائیکلوپیڈیا میں علمی غیر جانبداری کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔[1]

بحث کا نتیجہ

ہمارے مذکورہ بیان سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کے دشمنوں نے دوسرے حربوں کے علاوہ دو بنیادی حربوں سے اسلام کی مخالفت کی اور انہوں نے یہ سوچا کہ فرقہ سازی اور حقائق کو چھپانے سے اسلام کو شکست دے دیں گے لیکن ان کے یہ بے بنیاد خیالات نقش برآب ثابت ہوئے اور تمام تر کوششوں کے باوجود وہ نہ

---

[1]۔اسلام و غرب: ۲۲.

صرف یہ کہ اسلام اور مسلمانوں کو نیست و نابود نہیں کر سکے بلکہ پیغمبر اکرم ﷺ اور اہلبیت علیہم السلام کی کوششوں سے اسلام کا پرچم ہمیشہ سربلند رہا، اور سربلند رہے گا، اور آخر کار تمام مذاہب اور انسانی مکاتب نابود ہو جائیں گے اور دنیا پر صرف مکتب پیغمبر اکرم ﷺ اور امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی حکومت ہو گی۔

جی ہاں! لوگوں کے لئے قرآن، پیغمبر اکرم ﷺ اور امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی پیشنگوئیوں نے یہودیوں اور عیسائیوں کے توسط سے پیشنگوئیوں کو چھپانے کا جبران کر دیا ہے۔

اگرچہ دشمن بہت سے مسلمانوں کو امویوں کی آغوش میں جگہ دینے اور انہیں اسلام کی حقیقت سے دور کرنے میں کامیاب رہے لیکن بنی امیہ اور ان کی حکومت کے بارے میں قرآن کریم، پیغمبر خدا ﷺ اور امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی پیشنگوئیوں نے گمراہی کے بھنور میں پھنسے ہوئے بے شمار مسلمانوں کو نجات دی ہے اور انہیں بنی امیہ کی ظالمانہ اور غاصبانہ حکومت اور مکتب اہلبیت علیہم السلام کے تمام مخالفوں سے آگاہ کیا ہے۔

ان پیشنگوئیوں سے آگاہی کے لئے اب ہم ان میں سے چند پیشنگوئیاں بیان کرتے ہیں کہ جنہیں اہلسنت علماء نے بھی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے تاکہ محترم قارئین یہ جان سکیں کہ اسلام کے دشمنوں کو حقائق چھپانے کے میدان میں بھی شکست کھانی پڑی ہے۔ نیز ان کے لئے اموی حکومت کا غاصبانہ ہونا بھی روز روشن کی طرح واضح ہو جائے۔

چونکہ یہ پیشنگوئیاں بہت زیادہ تھیں لہٰذا ہم نے ان میں سے چند پیشنگوئیوں کو کتاب کے ایک مستقل باب میں ذکر کیا ہے۔

پانچواں باب

پیشنگوئیاں

بنی امیہ کے بارے میں قرآن کی پیشنگوئی

یہودیوں کی تاریخ اور آئین اسلام سے ان کی دشمنی کو جاننے والے افراد یہ بھی جانتے ہیں کہ بنی امیہ نے ہر ممکن طریقے سے اسلام کے خلاف مبارزہ آرائی کی۔ انہوں نے اپنے تمام ذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے اسلام کا مقابلہ کیا تاکہ وہ نہ صرف یہودی اور دوسرے تمام مذاہب کے درمیان ان کی ترقی کا راستہ روک سکیں، بلکہ اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکیں اور اپنی زوال پذیر اور شکست خوردہ سیاسی و فوجی طاقت کا کچھ سامان کر سکیں تاکہ وہ غیر یہودی اقوام پر بھی اپنا حکم چلا سکیں!

قرآن مجید میں پروردگار عالم کی بنی امیہ کی حکومت کے بارے میں پیشنگوئی لوگوں کو بنی امیہ کے طرز حکومت اور ان کے غیر اسلامی کردار سے آشنا کرواتی ہے، جس میں تمام اہلسنت اور بالخصوص نوجوانوں کے لئے بہت بڑا درس ہے تاکہ وہ یہ جان لیں کہ مکتب اہلبیت علیہم السلام کے تمام مخالفین اور بالخصوص بنی امیہ کا حکومت الٰہی پر کوئی حق نہیں تھا بلکہ انہوں نے یہ حکومت غصب کی تھی۔ نیز یہ کہ ان میں نہ صرف الٰہی حکام کی صفات نہیں پائی جاتیں، بلکہ وہ اپنے منصوبوں اور مکاریوں سے الٰہی حکومت کو اس کے حقیقی حاکموں سے غصب کرکے خدا کے خلیفہ کے عنوان سے مسلمان کی گردن پر سوار ہو گئے۔ انہوں نے نور الٰہی کو بجھانے اور دین کے احکامات کو نیست و نابود کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ لیکن ان سب کے باوجود قرآن کریم اور پیغمبر اعظم ﷺ کی پیشنگوئیوں نے اس زمانے میں بھی بے شمار لوگوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا اور اب اس زمانے کے لوگوں کو بھی راہ راست کی طرف ہدایت دی۔

جس طرح قرآن کریم اور پیغمبر اکرم ﷺ کے ارشادات نے اس زمانے کے بہت سے لوگوں کو آگاہ کیا تاکہ وہ اپنے آباء واجداد کے عقائد سے دستبردار ہو جائیں، اسی طرح اس زمانے میں بھی لوگ قرآن مجید کی آیات اور پیغمبر اکرم ﷺ کی احادیث پر غور فکر کرکے راہ حق کو پہچان کر اسی راہ پر گامزن ہو سکتے ہیں۔

اس طرح کی آیات و روایات سے آشنا ہونے کے لئے ان موارد پر غور کریں:

۱۔ ترمذی نے یہ روایت سورۂ قدر کے باب (باب ۸۵) میں یوسف بن سعید سے نقل کی ہے:

جب لوگوں نے معاویہ کی بیعت کی تو اس کے بعد ایک شخص حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے پاس

آیا اور اس نے کہا: تم نے مؤمنوں کو ذلیل و رسوا کر دیا! یا کہا: اے مؤمنوں کو ذلیل و رسوا کرنے والے!

آپ نے اس سے فرمایا: میری مذمت نہ کرو، خداوند تم پر رحمت کرے، کیونکہ جب پیغمبر ﷺ نے دیکھا کہ بنی امیہ ان کے منبر پر بیٹھے ہیں تو آنحضرت اس واقعہ سے پریشان ہوئے، پس یہ آیت نازل ہوئی: ''اِنَّا أَعْطَيْنٰاکَ الْکَوْثَرَ''۔[1] یعنی جنت میں ایک نہر۔

''انَّا أَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ. وَمَا أَدْرَاکَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ . لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْر مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ . تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيْهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ . سَلَام ہِیَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ''۔[2]

بیشک ہم نے اسے کو شب قدر میں نازل کیا۔ اور آپ کیا جانیں کہ یہ شب قدر کیا چیز ہے۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس میں فرشتے اور روح القدس اذن خدا کے ساتھ تمام امور کو لے کر نازل ہوتے ہیں۔ اور یہ رات طلوع فجر تک سلامتی ہی سلامتی ہے۔

اے محمد! بنی امیہ اس کے مالک بن جائیں گے!

قاسم کہتے ہیں: میں نے بنی امیہ کی حکومت کو شمار کیا جس کے ہزار مہینہ تھے نہ اس سے کم اور نہ ہی اس سے زیادہ۔[3]

۲۔ سیوطی نے کہا ہے: خطیب نے اپنی تاریخ میں ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا:

رسول خدا ﷺ نے بنی امیہ کو اپنے منبر پر دیکھا تو اس واقعہ سے بہت پریشان ہوئے۔ پس خداوند کریم نے ان پر وحی کی کہ یہ ایک حکومت ہے جو انہیں ملے گی اور پھر یہ آیت نازل ہوئی: ''انَّا أَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ. وَمَا أَدْرَاکَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ . لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْر مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ . تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيْهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ . سَلَام ہِیَ حَتَّى مَطْلَعِ الْفَجْرِ''۔

خطیب نے ابن مسیب سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا: رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

میں نے دیکھا کہ بنی امیہ میرے منبر پر چڑھیں گے، یہ واقعہ میرے لئے بہت ناگوار تھا۔ خدا نے یہ آیت نازل فرمائی ''انَّا أَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ...''۔

---

[1] ۔ سورۂ کوثر، آیت: ۱۔

[2] ۔ سورۂ قدر، آیت: ۵-۱۔

[3] ۔ الدر المنثور: ج۶ ص۳۷۱۔

۳۔ابن اثیر کا بیان ہے: جب (امام) حسن (علیہ السلام) واپس کوفہ گئے تو ایک شخص نے ان سے کہا: اے مسلمانوں کو رسوا کرنے والے!

(امام) حسن (علیہ السلام) نے اس سے فرمایا: میری سرزنش نہ کرو؛ کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ بنی امیہ ایک ایک کرکے ان کے منبر پر چڑھ رہے ہیں تو آپ اس واقعہ سے بہت پریشان ہوئے۔ خداوند عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اِنَّا أَعْطَيْنٰاكَ الْكَوْثَرَ'' یعنی ہم نے تمہیں کوثر عطا کی، جو جنت میں ایک نہر ہے۔

اور یہ آیت نازل فرمائی: ''اِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ. وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ. لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ. تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيْهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ. سَلَامٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ''۔ بنی امیہ تمہارے بعد اس کے مالک بن جائیں گے۔

طبری نے بھی ''تاریخ طبری: ۱۰/ ۵۸''میں یہ روایت نقل کی ہے اور سیوطی نے بھی ''تاریخ خلفاء: ۲۵''میں اسے ترمذی سے نقل کیا ہے۔ حاکم نے اسے اپنی مستدرک میں اور ابن جریر نے اپنی تفسیر میں اس روایت کو نقل کیا ہے۔[1]

بنی امیہ کے بارے میں قرآن کی دوسری پیشنگوئی

قرآن کریم میں بنی امیہ کو شجر ملعونہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور ابن ابی الحدید کے مطابق مؤرخین و محدثین عبداللہ بن عباس (یعنی پیغمبر اکرم ﷺ کے چچا زاد بھائی) سے نقل کرتے ہیں:

ایک رات پیغمبر اکرم ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ بندروں کا ایک گروہ آپ کے منبر پر چڑھ رہا ہے اور اتر رہا ہے۔ اس خواب کے بعد آنحضرت بہت پریشان ہوئے گویا اس خواب سے آپ مطمئن نہیں تھے یہاں تک آپ پر سورہ قدر نازل ہوا جو پیغمبر ﷺ کے لئے سکون کا باعث بنا۔

مفسرین قرآن کی تفسیر کی بناپر درج ذیل آیۂ مبارکہ، رسول اکرم ﷺ کے اسی خواب کی طرف اشارہ ہے کہ خداوند متعال نے فرمایا:

---

[1]۔ معاویہ بن ابی سفیان: ۲۵.

''وَاِذْ قُلْنَالَکَ اِنَّ رَبَّکَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْیَا الَّتِی أَرَیْنَاکَ اِلاَّ فِتْنَةً لِلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِی الْقُرْآنِ وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلاَّ طُغْیَاناً کَبِیْراً''۔[1]

اور جب ہم نے کہہ دیا کہ آپ کا پروردگار تمام لوگوں کے حالات سے باخبر ہے اور جو خواب ہم نے آپ کو دکھلایا ہے وہ صرف لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ ہے جس طرح کہ قرآن میں قابل لعنت شجرہ بھی ایسا ہی ہے اور ہم لوگوں کو ڈراتے رہتے ہیں لیکن ان کی سرکشی بڑھتی ہی جارہی ہے۔[2]

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس خواب کے بعد بہت زیادہ پریشان تھے یہاں تک کہ بعض کہتے ہیں: اس کے بعد تا وقتِ آخر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لبوں پر مسکراہٹ نہیں آئی۔

اس آیت میں شجر ملعونہ (بنی امیہ کے حکمرانوں) کی طرف واضح اشارہ ہوا ہے۔

سنہ ۴۱ ھ میں معاویہ کے ساتھ حضرت امام حسن علیہ السلام کی صلح کے بعد سفیان بن ابی لیلیٰ حضرت امام حسن علیہ السلام کے پاس آیا اور اس نے کہا: اے مؤمنو کو رسوا کرنے والے، تم پر سلام ہو!

حضرت امام حسن علیہ السلام نے فرمایا:

بیٹھو! خدا تم پر رحمت کرے؛ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بنی امیہ کی بادشاہی واضح ہو گئی تھی اور آپ نے خواب میں یوں دیکھا تھا کہ وہ ایک کے بعد ایک آپ کے منبر پر چڑھ رہے ہیں۔اس کام سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت پریشان ہوئے اور خدا نے اس بارے میں قران کریم کی کچھ آیات نازل فرمائیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یوں خطاب ہوا: ''اور جو خواب ہم نے آپ کو دکھلایا ہے وہ صرف لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ ہے جس طرح کہ قرآن میں قابل لعنت شجرہ بھی ایسا ہی ہے...''۔

میں نے اپنے بابا علی علیہ السلام (ان پر خدا کی رحمت ہو) سے سنا کہ آپ نے فرمایا: جلد ہی امت کی خلافت موٹی گردن اور موٹے پیٹ والا شخص سنبھالے گا۔

میں نے پوچھا: وہ کون ہے؟

فرمایا: وہ معاویہ ہے۔

میرے بابا نے مجھ سے فرمایا: قرآن نے بنی امیہ کی حکمرانی اور اس کی مدت کی خبر دی ہے اور خداوند

---

[1] ۔ سورۂ اسراء، آیت: ۶۰.

[2] ۔ اس آیۂ شریفہ میں ایک بہت خوبصورت تلمیح استعمال ہوئی ہے اور وہ ''یزید'' کا نام ہے اور یہ کہ وہ بہت بڑا ظالم و سرکش ہے۔

متعال نے فرمایا ہے: ''شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے'' اور پھر فرمایا: یہ ہزار مہینے بنی امیہ کی مدت حکومت ہے۔[1]

اس روایت میں ایک اور پیشگوئی بھی ہوئی ہے، جو اس کی صحت کی دوسری دلیل ہے اور وہ یہ کہ: بنی امیہ کی مدت ہزار ماہ تک ہو گی اور اس مدت کے دوران خاندان عصمت و طہارت علیہم السلام اور تمام لوگوں پر کیسے کیسے مظالم کئے جائیں گے۔

اہلسنت کے معروف علماء نے متعدد روایات میں بنی امیہ کے فتنہ کے بارے میں قرآن کی کچھ آیات نقل کی ہیں، جو ان سب لوگوں کے لئے عبرت کا باعث ہونی چاہئیں، جو معاویہ اور تمام بنی امیہ کو مثبت نظر سے دیکھتے ہیں۔

ان روایات مس بنی امیہ کو کفر کے امام اور دین کے دشمنوں کے طور پر متعارف کروایا گیا ہے۔ اس بناء پر اہل تسنن میں ایسا گروہ جو معاویہ کو مسلمان اور رسول خداﷺ کا خلیفہ سمجھتا ہے! وہ اپنے عقیدے میں تجدید نظر کریں اور اپنے دل سے ان کی محبت کو نکال دیں۔

کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ خود کو ملت اسلام کا جزء اور رسول خداﷺ کی شریعت کا تابع شمار کرنے والے آپ اور آپ کے خاندان اطہار علیہم السلام کے دشمنوں کا احترام کریں اور انہیں رسول خدا کا جانشین اور خلیفہ سمجھیں؟!

جن لوگوں کے بارے میں پیغمبر اکرمﷺ نے فرمایا کہ میں نے انہیں بندروں اور خنزیروں کی شکل میں دیکھا ہے؛ کیا ان میں آنحضرت کے آئین کی قیادت و رہبری کرنے کی صلاحیت ہے؟!

''تاریخ بغداد'' میں خطیب بغدادی کہتے ہیں: رسول اکرمﷺ نے فرمایا:

أریت بن اُمیّة فی صورة القردة و الخنازیر، یصعدون منبر، فشق ذلک فأنزلت ''اِنَّا اَنْزَلْنٰاهُ فِی لَیْلَةِ الْقَدْرِ''

مجھے بنی امیہ دکھلائے گئے کہ وہ بندروں اور خنزیروں کی شکل میں میرے منبر پر چڑھ رہے تھے، یہ مجھ پر سخت ناگوار گزرا، پس یہ آیت نازل ہوئی: '' بیشک ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا''۔

نیز خطیب بغدادی نے کہا ہے کہ پیغمبر اکرمﷺ نے فرمایا:

---

[1]۔ اعجاز پیغمبر اعظمﷺ در پیشگوئی از حوادث آیندہ: ۳۰۲.

أريت بن اُميّة يصعدون منبر، فشق عليّ فأنزلت ''اِنّٰا اَنْزَلْنٰاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ''[1]

مجھے بنی امیہ دکھلائے گئے کہ وہ میرے منبر پر چڑھ رہے ہیں، اور یہ مجھ پر سخت ناگوار گزرا، پس یہ آیت نازل ہوئی: ''بیشک ہم نے اسے شب قدر میں نازل کیا ہے''۔

سیوطی نے ''الدّر المنثور'' میں نقل کیا ہے:

رأى رسول اللّٰه(ص) بن فلان ينزون على منبره نزو القردة، فساء ذلك، فما استجمع ضاحكاً حتّى مات و أنزل اللّٰه: ''وَمٰا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنٰاكَ اِلاّٰ فِتْنَةً لِلنّٰاسِ''۔

رسول اکرم ﷺ نے دیکھا کہ بنی امیہ ان کے منبر پر بندروں کی طرح اچھل رہے ہیں۔ پس آپ اس سے بہت پریشان ہوئے اور اس واقعہ کے بعد کسی کے ساتھ نہیں مسکرائے یہاں تک کہ اس دنیا سے چلے گئے۔ خداوند کریم نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اور جو خواب ہم نے آپ کو دکھلایا ہے وہ صرف لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ ہے''۔

نیز سیوطی نے روایت کی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا:

أريت بن اميّة على منابر الأرض وسيتملّكونكم فتجدونهم أرباب سوء۔

مجھے بنی امیہ دکھلائے گئے کہ وہ زمین کے منبروں پر چڑھے ہوئے ہیں اور وہ بہت جلد تمہارے مالک بن جائیں گے! اور پھر تم انہیں برے ارباب پاؤ گے۔

واهتمّ رسول اللّٰه(صلى الله عليه و آله و سلم) لذلك: فأنزل اللّٰه: ''وَمٰا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنٰاكَ اِلاّٰ فِتْنَةً لِلنّٰاسِ''۔[2]

پیغمبر اکرم ﷺ اس واقعہ سے بہت پریشان اور غمگین ہوئے پس خداوند کریم نے یہ آیت نازل فرمائی: ''اور جو خواب ہم نے آپ کو دکھلایا ہے وہ صرف لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ ہے''۔

---

[1] ۔ معاویہ بن ابی سفیان: ۳۸، تاریخ بغداد: ۴۴۹۔

[2] ۔ معاویہ بن ابی سفیان: ۲۸، الدّر المنثور: ج۴ ص۱۹۱۔

حکم اور اس کے بیٹوں کے بارے میں قرآن کی پیشنگوئی

بنی امیہ کی حکومت کے بارے میں نقل ہونے والی پیشنگوئیوں میں سے کچھ پیشنگوئیاں ان سب کے بارے میں ہیں اور کچھ پیشنگوئیاں ان میں سے مخصوص افراد کے بارے میں ہیں۔ جیسے ابوسفیان، حکم یا اس کے کسی بیٹے کے بارے میں وارد ہونے والی پیشنگوئیاں۔

ہم اس بارے میں جو روایت ذکر کریں گے، وہ روایت اہلسنت کے مشہور علماء نے اپنی کتابوں میں نقل کی ہے۔

سیوطی نے اپنی تفسیر میں ابن ابی حاتم سے اور اس نے عمر کے بیٹے سے روایت کیا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا:

میں نے حکم بن ابی العاص کے بیٹوں کو اپنے منبر پر دیکھا، گویا وہ بندروں کی طرح تھے، خداوند نے اس بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

''وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلاَّ فِتْنَةً لِلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ''۔[1]

اور جو خواب ہم نے آپ کو دکھلایا ہے وہ صرف لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ ہے جس طرح کہ قرآن میں قابل لعنت شجرہ بھی ایسا ہی ہے۔

''شجر ملعونہ'' سے حکم اور اس کے بیٹے مراد ہیں۔

نیز سیوطی نے عائشہ سے روایت کیا ہے کہ اس نے مروان بن حکم سے کہا:

میں نے رسول خدا ﷺ سے سنا ہے کہ وہ تمہارے باپ اور دادا سے فرما رہے تھے:

انکم الشجرة الملعونة فی القرآن۔

تم ہی وہ شجر ہو جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے۔[2]

آلوسی نے اپنی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

رأیت ولد الحکم بن ابی العاص علی المنابر کأنهم القردة، و أنزل الله تعالی فی ذلک:(وَمَا

---

[1]۔ سورۂ اسراء، آیت: ۶۰۔

[2]۔ معاویہ بن ابی سفیان: ۲۸، الدّر المنثور: ج ۴ ص ۱۹۱۔

جَعَلْنٰا....)، والشجرة الملعونة الحكم وولده۔

میں نے حکم بن ابی العاص کے بیٹوں کو منبروں پر دیکھا گویا وہ بندروں کی طرح تھے۔خداوند نے اس بارے میں یہ آیت ''وَمٰا جَعَلْنٰا...) نازل فرمائی۔اور شجر ملعونہ حکم اور اس کے بیٹے ہیں۔[1]

قرطبیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے:

انه رأى فى المنام بن مروان على منبره نزو القردة، فساء ذلک فقيل: انّما هى الدّنيا أعطوها، فسرّى عنه و ما كان له بمكّة منبر و لكنّه يجوز أن يرى بمكّة رؤيا المنبر بالمدينة۔

رسول اکرم ﷺ نے عالم خواب میں دیکھا کہ بنی مروان آپ کے منبر پر بندروں کی طرح اچھل رہے ہیں۔آپ اس واقعہ سے بہت پریشان ہوئے تو آنحضرت سے کہا گیا کہ یہ دنیا ہے جو انہیں دی جائے گی۔اس سے آپ کا غم ہلکا ہوا اور اس زمانے میں آنحضرت کا مکہ میں کوئی منبر نہیں تھا لیکن آپ نے مکہ میں عالم خواب میں وہی منبر دیکھا تھا، جو مدینہ میں تھا۔[2]

شوکانی نے اپنی تفسیر میں یہ روایت ذکر کی ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا:

رأيت ولد الحكم بن ابى العاص على المنابر كأنهم القردة ،فأنزل الله هذه الآية۔

میں نے حکم بن ابی العاص کے بیٹوں کو منبر پر دیکھا گویا وہ بندروں کی طرح تھے، پس خدا نے یہ آیت : ''وَمٰا جَعَلْنٰا...'' نازل فرمائی۔[3]

فخر رازی نے بھی اپنی تفسیر میں اس آیت مبارکہ کے بارے میں روایت کیا ہے:

...رأى رسول الله(ص)فى المنام انّ ولد مروان يتداولون منبره، فقصّ رؤياه على أبى بكر و عمر و قد خلا فى بيته معهما، فلمّا تفرّقوا سمع رسول الله (ص)الحكم يخبر رسول الله(ص)، فاشتدّ ذلک عليه ۔و ممّا يؤكده هذا التأويل قول عايشه لمروان: لعن الله أباک و أنت ف صلبه، فأنت بعض من لعنه الله۔[4]

---

[1] ۔ معاویہ بن ابی سفیان: ۲۹، روح المعانی: ج ۴ ص ۱۹۱.

[2] ۔ معاویہ بن ابی سفیان: ۳۱، الجامع لأحکام القرآن: ج ۱۰ ص ۲۸۳.

[3] ۔ معاویہ بن ابی سفیان: ۳۱، فتح القدیر: ج ۳ ص ۲۹۸.

[4] ۔ معاویہ بن ابی سفیان: ۳۱، جامع البیان: ج ۹ ص ۱۱۲.

...رسول خداﷺ نے خواب میں دیکھا کہ مروان کے بیٹے آپ کے منبر پر چڑھ رہے ہیں۔آپ نے اپنا خواب ابوبکر اور عمر سے بیان کیا ، جو پیغمبرﷺ کے گھر میں آپ کے ساتھ تنہا تھے۔جب وہ چلے گئے تو رسول خداﷺ نے سنا کہ حکم نے یہ واقعہ پیغمبرﷺ سے نقل کیا ہے۔ یہ واقعہ آپ پر سخت ناگوار گزرا(ان دو افراد نے آپ کا فرمان حکم تک پہنچادیا)اس آیت کی تأویل پر جو چیز تاکید کرتی ہے وہ عائشہ کا مروان سے کہا گیا وہ قول ہے کہ خداوند نے تمہارے باپ پر لعنت کی ہے جب کہ تم اس کے صلب میں تھے پس تم پر بھی خدا کی لعنت ہے۔

سیوطی نے بھی اس آیت کی تأویل میں یہ روایت دوسری عبارت میں نقل کی ہے:

...رأی رسول اللّٰہ(ص)بن الحکم بن أب یالعاص ینزون علی منبرہ نزو القردۃ.فساءہ ذلک.فما استجمع ضاحکاً حتّی مات و أنزل اللّٰہ فی ذلک'' وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلاَّ فِتْنَةً لِلنَّاسِ''[1]

پیغمبر اکرمﷺ نے خواب میں دیکھا کہ آپ کے منبر پر حکم بن ابی العاص کے بیٹے بندروں کی طرح اچھل رہے ہیں۔اس واقعہ کے بعد آپ بہت پریشان ہوئے اور دنیا سے جاتے وقت تک کسی نے آپ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔

زمخشری نے بھی اپنی تفسیر میں اس آیت کی تأویل کو دوسری طرح نقل کیا ہے:اس نے اس آیت مبارکہ'' وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلاَّ فِتْنَةً لِلنَّاسِ'' کے بارے روایت کی ہے:

رأی فی المنام أنّ ولد الحکم یتداولون منبرہ کما یتداول الصبیان الکرّۃ۔[2]

پیغمبر اکرمﷺ نے خواب میں دیکھا کہ حکم کے بیٹے آپ کے منبر پر اس طرح کھیل رہے ہیں کہ جس طرح بچے گیند سے کھیلتے ہیں۔

---

[1]۔ معاویہ بن ابی سفیان: ۳۳،اتاریخ الخلفاء: ۲۶.

[2]۔ معاویہ بن ابی سفیان: ۳۴،الکشاف: ج۲ص۶۷۶.

پیغمبر اکرم ﷺ اور امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی پیشنگوئیوں کے راز

مستقبل کے لوگوں کے لئے پیشنگوئیاں ہی رسول اکرم ﷺ کے ساتھ تعلق اور ان بزرگ ہستیوں کے صحیح عقائد سے آشنا ہونے کا ذریعہ ہیں۔ پیغمبر اکرم ﷺ کے زمانے کو درک نہ کرنے والے اور آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے ارشادات سے مستفید نہ ہونے والے مستقبل کے بارے میں رسول خدا ﷺ کے فرمودات کی طرف رجوع کرکے آنحضرت کے بیان کردہ واقعات کا تجزیہ کر سکتے ہیں اور وہ یہ جان سکتے ہیں کہ آنحضرت کے زمانے کے بعد وقوع پذیر ہونے والے واقعات اور حوادث کے بارے میں رسول خدا ﷺ نے کیا فرمایا ہے۔

ان پیشنگوئیوں اور آئندہ کے حوادث کو بیان کرنے میں خاندان وحی علیہم السلام کا یہ مقصد تھا کہ مستقبل کے لوگ اپنے زمانے میں پیش آنے والے واقعات سے آگاہ ہوں اور کھلی آنکھوں سے ان کا مشاہدہ کریں اور ان کے مقابلے میں ہوشیار رہیں۔

اگرچہ خاندان وحی علیہم السلام نے گذشتہ زمانے میں اپنے پاس موجود لوگوں سے اپنے فرامین بیان کئے لیکن ان کے فرامین ہر اس شخص کے لئے ہیں، جنہوں نے ان حوادث کا سامنا کیا یا مستقبل میں سامنا کریں گے۔اسی طرح اس زمانے کے بعد زندگی گزارنے والے لوگوں کو گذشتہ تاریخ سے آگاہ ہونا چاہئے اور انہیں یہ بھی جاننا چاہئے کہ ان واقعات کے بارے میں رسول خدا ﷺ اور دین خدا کے پیشواؤں کا کیا اعتقاد تھا۔

اس بناء پر جس زمانے کے بارے میں بھی خاندان وحی علیہم السلام نے کسی واقعہ کی پیشنگوئی کی ہو تو اس زمانے میں ور اس زمانے کے بعد زندگی گزارنے والوں کو ان پیشنگوئیوں سے آگاہ ہونا چاہئے تاکہ آنکھیں بند کرکے گمراہی کی دلدل میں دھنستے چلے نہ جائیں اور گمراہ کن سازشوں سے دھوکا نہ کھائیں۔

پس خاندان وحی علیہم السلام کی زبان سے پیشنگوئیوں کو بیان کرنے کا ایک راز یہ ہے کہ آئندہ آنے والے لوگ اپنے زمانے کے حوادث اور واقعات سے آگاہ ہوں اور گمراہ کن سازشوں سے محفوظ رہیں اور گمراہی کی وادی میں قدم نہ رکھیں۔

ایک بہت ہی اہم اور قابل غور نکتہ یہ ہے کہ حدیث لکھنے سے منع کرنے کے اسباب وعلل میں سے ایک

رسول اکرم ﷺ کی احادیث میں پیشنگوئیوں کی نشر و اشاعت کو روکنا تھا۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ کی حدیثوں کی وجہ سے لوگ آئندہ کے حالات اور وقوع پذیر ہونے والے فتنوں سے آگاہ ہو رہے تھے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ پیشنگوئیاں بہت سے افراد کی بیداری کے لئے موثر تھیں۔

رسول اکرم ﷺ کی پیشنگوئیوں سے آگاہ افراد کے لئے یہ حقیقت واضح و روشن ہے اور سب لوگوں کو ان سے آگاہ ہونے کے لئے حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے سپہ سالار جناب عمار یاسر کی شہادت کے بارے میں رسول خدا ﷺ کی پیشنگوئی کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔

ہم آئندہ اس بارے میں بحث کریں گے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ رسول خدا ﷺ کی پیشنگوئیوں سے کس طرح شام کے لشکر میں اختلافات پیدا ہو گئے تھے اور ان میں سے کچھ لوگ امیر المؤمنین حضرت امام علی علیہ السلام کے ساتھ کیوں مل گئے حتی کہ پیشنگوئیوں کے اثرات اتنے گہرے تھے کہ معاویہ اور عمرو عاص کے درمیان بھی اختلافات پیدا ہو گئے اور نزدیک تھا کہ اس کی وجہ سے شام کے لشکر کو شکست کا سامنا کرنا پڑتا۔

بنی امیہ کے بارے میں رسول خدا ﷺ کی پیشنگوئیاں

معاویہ، اس کی حکومت اور بنی امیہ کے پورے خاندان کے بارے میں رسول خدا ﷺ کی پیشنگوئیاں یہ بنیادی نکتہ بیان کرتی ہیں کہ امویوں نے رسول خدا ﷺ کے فرامین کو پس پشت ڈال کر اقتدار اور حکومت کو غصب کرکے کر آنحضرت کے حقیقی جانشینوں کو ان کے حق سے محروم کر دیا۔

انہوں نے مختلف پروپگنڈوں، جعلی اور من گھڑت افواہوں اور سازشوں کے ذریعہ اسلام کے اصولوں سے ناآشنا لوگوں کو دھوکا دیا اور خود کو ان کے سامنے رسول خدا ﷺ کا حقیقی جانشین اور سچے خلفاء کے عنوان سے پیش کیا!

رسول اکرم ﷺ کی پیشنگوئیاں صرف ان لوگوں کی گمراہی کی واضح دلیل نہیں تھیں جنہوں نے امویوں سے دل لگایا اور ان کے ساتھ مل کر دین کی کمر توڑی، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ گمراہ کرنے والے اموی خاندان کی گمراہی کی بھی دلیل تھیں۔

حیرت کا مقام ہے کہ تدوین حدیث رسول خدا ﷺ کے فرمودات کی نشر و اشاعت کو روکنے کے سلسلہ

میں عمر کی تمام تر سختیوں اور ممانعت کے باوجود لوگوں میں آئندہ کے منحوس حوادث کے بارے آنحضرت ﷺ کی پیشنگوئیاں عام ہوئیں جن سے صرف اس زمانے کے سیاستدان ہی نہیں بلکہ عام لوگ بھی آگاہ ہوئے۔

یہاں اس نکتہ کی یاد دہانی کروانا ضروری ہے کہ صرف بزرگ شیعہ علماء نے ہی اپنی کتابوں میں رسول اکرم ﷺ اور امیر المؤمنین حضرت امام علی علیہ السلام کی پیشنگوئیوں کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ اہلسنت کے مؤرخین اور بزرگ علماء نے بھی انہیں اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اور یوں لوگوں کے لئے امویوں کے کردار و رفتار کو پہچاننے اور ان سے آشنا ہونے کے لئے حجت تمام ہو جاتی ہے۔

بنی امیہ کی حکومت کے بارے میں رسول خدا ﷺ کی پیشنگوئی

پیغمبر اکرم ﷺ نے بنی امیہ اور ان کے بعض افراد کے بارے میں کچھ پیشنگوئیاں بیان کی ہیں اور لوگوں کو اسلام کے ساتھ ان کی دشمنی اور نفاق سے آگاہ کیا۔ جناب ابوذر نے معاویہ کے بارے میں آنحضرت کی جو پیشنگوئی نقل کی، ہم یہاں ابن ابی الحدید کے قول کے مطابق کچھ مطالب ذکر کریں گے۔ جب بھی عاص کی اولاد کی تعداد تیس تک پہنچ جائے گی تو اس کے بارے میں رسول اکرم ﷺ نے کچھ مطالب بیان فرمائے ہیں۔ اب ہم ان تیس افراد کے بارے میں اہل سنت کے مشہور مؤرخ یعقوبی کی واضح عبارت سے رسول خدا ﷺ کی پیشنگوئی بیان کرتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں: معاویہ نے عثمان کو خط لکھا کہ تم نے ابوذر کے ذریعے اپنے لئے شام کو تباہ کر لیا۔

پس اس نے اسے خط لکھا کہ اسے بے کجاوہ سواری پر سوار کرو۔

پس جب انہیں مدینہ لایا گیا تو ان کے دونوں زانوں کا گوشت الگ ہو چکا تھا اور جب وہ آئے تو اس کے پاس ایک گروہ موجود تھا، اس نے کہا: مجھ سے کہا گیا ہے کہ تم یہ کہتے ہو: میں نے پیغمبر ﷺ سے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے:

اذا کملت بنو امیّة ثلاثین رجلاً اتّخذوا بلاد اللّٰه دولاً وعباد اللّٰه خولاً، و دین اللّٰه دغلاً۔

جب بھی بنی امیہ کی تعداد تیس افراد تک پہنچ گئی تو وہ خدا کی زمین کو اپنی ملکیت سمجھیں گے۔ خدا کے بندوں کو اپنا خادم اور خدا کے دین کو مکاری و فساد سمجھیں گے۔

انہوں نے کہا: ہاں! میں نے پیغمبر خداﷺ سے سنا تھا کہ آپ نے ایسا ہی فرمایا۔

پھر ان سے کہا: کیا تم لوگوں نے رسول خداﷺ سے کچھ سنا ہے تو بیان کرو؟ پھر انہیں حضرت علی بن ابی طالب علیہا السلام کے پاس بھیج دیا گیا اور آنحضرت اس کے پاس آئے۔

ان سے کہا: اے ابوالحسن! کیا آپ نے پیغمبر خداﷺ سے یہ حدیث سنی ہے جسے ابوذر بیان کر رہے ہیں؟ اور پھر حضرت علی علیہ السلام سے سارا واقعہ بیان کیا گیا۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ہاں!

اس نے کہا: آپ کس طرح گواہی دے رہے ہیں؟

آپ نے فرمایا: رسول خداﷺ کے اس فرمان کی روشنی میں کہ آنحضرت نے فرمایا: ''ما اظلّت الخضراء ولاأقلّت الغبراء ذا لهجة أصدق من ابی ذر'' ۔[1]

آسمان نے سایہ نہیں کیا اور زمین نے کسی کو خود پر جگہ نہیں دی کہ جو ابوذر سے زیادہ سچا ہو۔

پس ابوذر مدینہ میں کچھ دن تک ہی تھے کہ عثمان نے ان کے پاس کسی کو بھیجا اور کہا: خدا کی قسم! تم مدینہ سے باہر چلے جاؤ۔

ابوذر نے کہا: کیا تم مجھے حرم رسول خداﷺ سے نکال رہے ہو؟

کہا: ہاں! جب کہ تم ذلیل وخوار ہو!

ابوذر نے کہا: میں مکہ چلا جاؤں؟

کہا: نہیں۔

پھر کہا: کیا میں بصرہ چلا جاؤں؟

کہا: نہیں۔

ابوذر نے کہا: پس پھر کوفہ چلا جاؤں؟

کہا: نہیں! لیکن ربذہ چلے جاؤ کہ جہاں سے آئے تھے تاکہ وہیں مر جاؤ۔ اے مروان اسے باہر نکال دو اور کسی کو اس سے بات کرنے کی اجازت نہ دو یہاں تک کہ یہ یہاں سے باہر نکل جائے۔

پس ابوذر کو ان کی زوجہ اور بیٹی کے ساتھ اونٹ پر سوار کر کے باہر نکال دیا گیا۔ حضرت علی علیہ

---

[1]۔ نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ۲۸۳

السلام،امام حسن علیہ السلام،امام حسین علیہ السلام، عبداللہ بن جعفر اور عمار بن یاسر ؛ جناب ابوذر سے ملنے کے لئے شہر سے باہر آئے اور جب ابوذر نے حضرت علی علیہ السلام کو دیکھا تو آگے بڑے اور آپ کی دست بوسی کی اور رونا شروع کر دیا اور کہا: میں جب بھی آپ کو اور آپ کے بیٹوں کو دیکھتا ہوں تو مجھے پیغمبر خداﷺ کا فرمان یاد آجاتا ہے اور رونے کے علاوہ میرے پاس اور کوئی چارہ نہیں ہوتا۔

حضرت علی علیہ السلام ان سے بات کرنے کے لئے آگے بڑھے تو مروان نے کہا: امیر المؤمنین ! نے منع کیا ہے کہ کوئی بھی ان کے ساتھ بات نہ کرے۔

حضرت علی علیہ السلام نے تازیانہ اٹھایا اور مروان کے اونٹ پر مارا اور کہا: دور ہو جاؤ؛ خدا تمہیں آگ میں جلائے۔ اور پھر آپ نے جناب ابوذر کو الوداع کیا اور ان کے ساتھ گفتگو کی ،جس کی تفصیلات بہت طولانی ہیں۔[۱،۲]

اس روایت میں پیغمبر اکرمﷺ کے فرمان کی بناء پر جب بنی امیہ کے افراد کی تعداد تیس ہو جائے گی تو وہ نہ صرف ممالک کو اپنا مال ،خدا کے بندوں کو اپنا خادم اور مطیع سمجھیں گے بلکہ اصل دین کو مکاری و فساد قرار دیں گے۔ اور یہ خود اس چیز کی دلیل ہے کہ ان کے اسلام کی کوئی بنیاد نہیں تھی بلکہ وہ صرف ایک ظاہری پہلو تھا۔

سب لوگ جانتے ہیں کہ معاویہ نے خدا کے پاک بندے اور رسول خداﷺ کے محبوب صحابی جناب ابوزر کے ساتھ کیسا سلوک کیا۔

بنی امیہ کی حکومت کے بارے میں ''الغارات'' سے منقول امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی پیشنگوئی

زر بن حبیش کہتے ہیں: امیر المؤمنین حضرت امام علی علیہ السلام نے جنگ نہروان کے ختم ہونے کے بعد لوگوں کو خطبہ دیا اور خدا کی حمد و ثنا اور درود و سلام کے بعد یوں فرمایا:

۱۔ نہج البلاغہ .

۲۔ تاریخ یعقوبی: ج۲ص۶۷.

اے لوگ! میں نے فتنہ کی آگ کو بجھا دیا اور ان کی آنکھیں کھول دیں اور سب پر حقیقت آشکار کر دی۔ میرے علاوہ کسی میں یہ جرأت نہیں تھی کہ خود کو اس فتنہ میں داخل کرے اور یہ فتنہ جنم دینے والوں کے خلاف جنگ و جہاد کے لئے کھڑا ہو۔

(ابن ابی لیلیٰ کی حدیث میں وارد ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:) میرے علاوہ کوئی اور نہیں تھا جو فتنہ کی آنکھیں کھولے اور لوگوں کے لئے حقائق و واقعات آشکار کرے، اگر میں تم لوگوں میں نہ ہوتا تو کوئی بھی اہل جمل و نہروان کے ساتھ جنگ نہ کرتا۔

خدا کی قسم! اگر اپنے برے اعمال سے دستبردار نہ ہوئے اور فساد سے پرہیز نہ کیا تو میں وہ بتادوگا جو اس واقعہ کے بارے میں رسول خداﷺ کی زبان سے سنا تھا، میں کہنے والی باتیں کہوں گا تاکہ مسائل واضح ہو جائیں اور سب پہچانیں جائیں۔

آج جو اہل فتنہ کے ساتھ جنگ کرنے والوں کے لئے حقائق واضح و روشن ہیں اور وہ بصیرت سے جنگ کر رہے ہیں اور وہ یہ جانتے ہیں کہ فتنہ انگیز لوگ گمراہ ہیں اور وہ فتنہ برپا کرنے والوں کے ساتھ جہاد میں ثابت قدم اور راہ راست پر ہیں۔

اس کے بعد حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا: مجھ سے سوال کرو اس سے پہلے کہ تم مجھے کھو دو، میں مر جاؤں یا قتل ہو جاؤں گا؛ بلکہ قتل ہی ہوں گا، اب انتظار میں ہوں تاکہ بدترین شخص میری ڈاڑھی کو خضاب کرے اور میرے سر سے خون بہائے۔

اسی وقت حضرت علی علیہ السلام نے اپنا ہاتھ اپنی ریش مبارک پر پھیرا اور فرمایا: اس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! مجھ سے آج سے لے کر قیامت تک کے آئندہ کے واقعات کے بارے میں پوچھو، میں ہر ایک کا جواب دوں گا اور تم میں سے گمشدہ اور ہدایت یافتہ لوگوں کو مطلع کروں گا۔

اسی وقت ایک شخص اٹھا اور اس نے کہا: یا امیر المؤمنین! مجھے مشکلات کے بارے میں بتائیں۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا:

تم لوگ اس زمانے میں ہو کہ جب بھی کوئی سائل سوال کرے تو اس کے سوال پر غور کرو اور سوال کو عقل و درایت سے بیان کرو اور جب بھی کسی سے کوئی سوال پوچھا جائے تو وہ بھی غور و فکر کے ساتھ اور سوچ سمجھ کر جواب دے۔

اب یہ جان لو کے تمہارے پیچھے بہت بڑے حادثات ہیں اور ایک کے بعد ایک حادثہ رونما ہو گا، یہ

مشکلات اور فتنہ انسان کو اندھا اور سر گردان کر دیں گے اور حق کو باطل کے نیچے پوشیدہ کر دیں گے۔

اس خدا کی قسم جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور مخلوقات کو خلق کیا! اگر تم لوگوں نے مجھے کھو دیا اور ناگوار حادثات پیش آئیں، تمہیں مصیبتیں گھیر لیں اور تم پر بلائیں ٹوٹ پڑیں تو پھر نہ تو سوال کرنے والے سوال کر سکیں گے اور نہ ہی جواب دینے والے جواب دے سکیں گے۔

یہ مصیبتیں اس وقت پیش آئیں گی جب جنگ شدت اختیار کر جائے گی اور سب لوگ اس کی آگ میں گرفتار ہو جائیں گے، اس وقت تم لوگوں پر دنیا تنگ ہو جائے گی اور ہر طرف سے تم پر اور تمہارے خاندان پر بلائیں نازل ہوں گی یہاں تک کہ خدا امور اور حالات میں آسانی پیدا کرے اور باقی بچنے والے نیک افراد ان مصیبتوں سے نجات حاصل کریں۔

اور اب بدر و حنین کے دن پرچم اٹھانے والوں کی مدد کرو تاکہ تمہاری بھی مدد کی جائے اور تمہیں اس کا اجر دیا جائے، ان پر سبقت نہ لو ورنہ مشکلات میں ہلاک ہو جاؤ گے اور منہ کے بل زمین پر گر جاؤ گے۔

یہاں وہ شخص اٹھا اور اس نے کہا: اے امیر المؤمنین! مجھے فتنوں سے آگاہ فرمائیں اور آئندہ کے حادثات کے بارے بیان فرمائیں۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا:

جب فتنوں نے سر اٹھایا تو وہ لوگوں کو شبہ میں ڈال دیں گے اور جب بھی پشت کریں گے تو لوگوں کو آگاہ کر دیں گے اور حقائق کو آشکار کر دیں گے۔ جب بھی سامنا کریں گے تو شبہ پیدا کریں گے اور جب پیٹھ کریں گے تو پہچانیں جائیں گے، فتنوں کی مثال ہواؤں کی طرح ہے جو بعض شہروں میں تو چلتی ہے اور بعض میں نہیں چلتی۔

اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ کہ سب سے خوفناک فتنہ بنی امیہ کا فتنہ ہوگا۔ وہ اندھا اور تاریک فتنہ ہے جس میں کوئی نور و روشنی نہیں ہے، وہ فتنہ ہر جگہ پھیل جائے گا اور ایک گروہ کو مبتلا کر دے گا، جو اہل بصیرت ہوں گے وہ اس فتنہ میں حق کو پالیں گے اور جس کا دل اندھا ہوگا اور جس میں بصیرت نہیں ہو گی اور وہ اس میں گرفتار ہو جائیں گے۔

اس اندھے اور گھیرنے والے فتنہ میں کہ جس میں حق کا کوئی نام و نشان بھی نہیں ہوگا، اہل باطل حق کے طرفداروں پر غلبہ پالیں گے، یہاں تک کہ زمین دشمنی اور ظلم و ستم سے بھر جائے گی اور ہر طرف بدعت پھیل جائے گی اور سب سے پہلے خداوند اس ظلم و ستم کو ختم کرے گا اور اس کے ستونوں اور بنیادوں کو درہم

برہم کر دے گا۔

خدا کی قسم ! بنی امیہ برے حکمران ہیں، میرے بعد وہ تمہیں اپنے دانتوں سے چباڈالیں گے، وہ اپنے منہ سے تمہیں کاٹیں گے، اپنے ہاتھوں اور پاؤں سے تمہیں کچلیں گے اور تمہیں تکلیفیں پہنچائیں گے اور تمہیں خیرات سے منع کریں گے، وہ تمہارے ساتھ ایسا سلوک کریں گے، سب لوگ یا تو ان کی اطاعت کریں یا پھر خاموش رہیں۔

بنی امیہ تم پر ایسی بلائیں نازل کریں گے تاکہ تم سب ان کی طرفداری کرو اور ان کی اطاعت کرو؛ جس طرح ایک غلام اپنے آقا کی اطاعت کرتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے، غلاموں کی عادت یہ ہے کہ جب بھی اپنے مولا و آقا کو دیکھتے ہیں تو اس کی اطاعت کرتے ہیں اور جب بھی اس سے دور ہو جاتے ہیں تو اسے دشنام دیتے ہیں۔

خدا کی قسم ! اگر بنی امیہ تمہیں بیابانوں میں منتشر کر دیں اور تم میں سے ہر کوئی کسی پتھر کے نیچے چھپ جائی تو خداوند تم لوگوں کو ایک دن اکٹھا کرے گا اور وہ دن ان کے لئے بہت برا دن ہو گا۔ تم لوگ میرے بعد منتشر گروہ بن جاؤ گے، جب کہ تم لوگوں کا قبلہ، حج اور عمرہ ایک ہے لیکن دلوں میں ایک دوسرے سے اختلاف ہے اور اس کے بعد اپنی انگلیاں آپس میں ملا دیں۔

ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا: یا امیر المؤمنین ! آپ نے اپنی انگلیاں آپس میں کیوں ملائیں؟

امیر المؤمنین حضرت امام علی علیہ السلام نے فرمایا:

ان میں سے ایک اسے قتل کرے گا اور وہ اس کے پاؤں کاٹ دے گا۔ وہ زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کی طرح ایک دوسرے سے جدا ہو کر گروہ گروہ ہو جائیں گے، انہیں سعادت کا راستہ نہیں ملے گا اور ہدایت کا راستہ بھی نہیں ملے گا۔

اس جماعت کا کوئی راہنما نہیں ہے کہ جو ان کی راہنمائی کرے اور انہیں حق کا راستہ دکھائے۔ ہم اہلبیت ان حادثات اور فتنوں سے نجات پائیں گے اور لوگوں کو فتنوں اور گمراہی کی طرف نہیں ڈھکیلیں گے اور انہیں فساد و تباہی کی طرف نہیں لے کر جائیں گے۔

یہاں ایک شخص پھر کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا: یا امیر المؤمنین؛ ہم اس زمانے میں کون سا کام انجام دیں؟

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا:

جس وقت ہر جگہ فتنہ اور فساد پھیل جائے اور معاشرے میں بدعتیں پیدا ہو جائیں تو تم لوگ اپنے پیغمبر ﷺ کی اہلبیت علیہم السلام کی پیروی کرنا، اگر وہ گھر میں بیٹھیں تو تم بھی اپنے گھروں میں رہنا اور اگر انہوں نے قیام کیا اور تم لوگوں کو بھی جنگ کی دعوت دی تو تم ان کی آواز پر لبیک کہنا اور ان کی مدد کرنا۔

تم لوگ ہوشیار رہنا کہ ان پر سبقت نہ لینا ورنہ اس صورت میں تم زمین پر گر جاؤ گے۔

ایک شخص پھر کھڑا ہوا اور اس نے کہا: اے امیر المؤمنین؛ اس کے بعد کیا ہوگا؟

امیر المؤمنین حضرت امام علی علیہ السلام نے فرمایا:

اس کے بعد خداوند ہم اہلبیت علیہم السلام کے ذریعے فتنوں کو ختم کر دے گا کہ جس طرح گوشت سے کھال کو جدا کرتا ہے۔

میرے بابا اس بہترین کنیز کے فرزند پر قربان ہوں؛ وہ اہل فتنہ، تخریب کاروں اور فساد پھیلانے والوں کو ہلاک کرے گا اور انہیں خوار و ذلیل کرے گا۔ ان کے حلق میں تلخ جام انڈیل دے گا اور سب کو تلوار سے نابود کرے گا اور سب کا خون بہائے گا۔ وہ آٹھ ماہ تک تلوار اپنے کندھے پر رکھ کے جنگ کرے گا۔

اس وقت قریشی یہ خواہش کریں گے کہ کاش ایک لمحے کے لئے میں وہاں ہوتا اور ان کی مدد کرتا، اس دن قریشی کہیں گے: اگر یہ فاطمہ علیہا السلام کی اولاد میں سے ہوتا تو ہم پر اپنا رحم و کرم کرتا اور ہمارا خون نہ بہاتا۔

خداوند اسے بنی امیہ پر مسلط کرے گا اور وہ اسے جہاں بھی ملیں گے، وہ انہیں قتل کرے گا اور ان پر نفرین و لعنت کرے گا۔[1]

امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی یہ بہت ہی اہم پیشگوئی دلالت کرتی ہے کہ فتنوں اور فتنوں کے ذریعے گمراہ کرنے والوں کا سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا یہاں تک کہ قائم آل محمد علیہم السلام کے قیام سے پوری دنیا پر فتنہ گروں کی حکومت کا خاتمہ ہوگا اور کائنات کو پھر سے راہ ہدایت نصیب ہو گی۔

---

[1] ۔ الغارات و شرح اعلام آن: ۳۱.

بنی امیہ کے بارے میں امیر المؤمنین امام علی علیہ السلام کی ایک اور پیشنگوئی

حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ کے ۱۴۴ ویں خطبہ کے آغاز میں پیغمبر اور رسول مبعوث کرنے کی حکمت بیان فرمائی اور پھر خطبہ کے ایک حصہ میں گمراہوں کی پہچان اور عبدالملک کے مظالم کا تذکرہ کیا:

امام علی علیہ السلام نے خطبہ کے آغاز میں فرمایا:

بعث اللّٰہ رسلہ بِما خصّھم بہِ مِن وحیِہِ، وجعلھم حجّۃ لہ علی خلقِہِ، لِئلاّ تجِب الحجّۃ لھم بِتَرکِ الاِعذارِ الیھم، فدعاہم بِلِسانِ الصِّدقِ اِلی سبِیلِ الحقّ۔

....أین الّذِین زعموا أنّھم الرّاسِخون فِی العِلمِ دوننا کذباً وبغیاً علینا؟أَن رفعنا اللّٰہ ووضعھم، وأعطانا وحرمھم، وأَدخلَنا وَأَخرجھم، بِنا یُستعطَی الھُدی، وَیُستجلَی العمی،اِنَّ الْأَئِمَّۃَ مِن قریش غُرِسوا فِی ہذا البطنِ مِن ہاشِم، لا تصلح علی سِواہم، ولا تصلُح الوُلاۃ مِن غیرِہم۔

پروردگار نے مرسلین کرام کو مخصوص وحی سے نواز کر بھیجا اور انہیں اپنے بندوں پر اپنی حجت بنا دیا تا کہ بندوں کی یہ حجت تمام نہ ہونے پائے کہ ان کے عذر کا خاتمہ نہیں کیا گیا۔پروردگار نے ان لوگوں کو اسی لسان صدق کے ذریعہ راہ حق کی طرف دعوت دی ہے۔

....کہاں ہیں وہ لوگ جن کا خیال یہ ہے کہ ہمارے بجائے وہی راسخون فی العلم ہیں؟اور یہ خیال صرف جھوٹ اور ہمارے خلاف بغاوت سے پیدا ہوا ہے کہ خدا نے ہمیں بلند بنا دیا ہے اور انہیں پست رکھا ہے، ہمیں کمالات عنایت فرما دیئے ہیں اور انہیں محروم رکھا ہے، ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر لیا ہے اور انہیں باہر رکھا ہے، ہمارے ہی ذریعہ سے ہدایت طلب کی جاتی ہے اور اندھیروں میں روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ یاد رکھو قریش کے سارے امام جناب ہاشم کی اسی کشف زار میں قرار دیئے گئے ہیں۔[1] اور یہ امامت نہ ان کے علاوہ

---

[1] ۔ امام علیہ السلام کا یہ سخن گویا واقعہ سقیفہ کی طرف اشارہ ہے۔جب انصار نے خلافت کا دعوی کیا تو ابوبکر نے کہا: ''الأئمۃ من قریش'' اور اپنے اس

کسی کو زیب دیتی ہے اور نہ ان سے باہر کوئی ان کا اہل ہو سکتا ہے۔ (ولایت و امامت اور رہبری و قیادت صرف خاندان ہاشم سے مخصوص ہے)

آثروا عاجِلاً، وأَخَّروا آجِلاً، وترکوا صافِیاً، وشرِبوا آجِناً کأنّی أنظرإلی فاسِقِهم وقد صحِب المنکر فأَلِفَه، وَبَسِرَ بِهِ ووافقه، حتی شابت علیهِ مفارِقه، وصُبِغت بِهِ خلائِقه، ثمّ أَقبل مُزبِداً کالتّیارِ لا یبالِی ما غرّق، أو کَوقْع النّارِ فی الهَشیمِ لا یحفِل ما حرّق۔

ان لوگوں (یعنی بنی امیہ) نے حاضر دنیا کو اختیار کر لیا ہے اور دیر میں آنے والی آخرت کو پیچھے ہٹا دیا ہے، صاف پانی کو نظر انداز کر دیا ہے اور گندہ پانی پی لیا ہے، گویا کہ میں ان کے فاسق کو دیکھ رہا ہوں جو منکرات سے مانوس ہے اور برائیوں سے ہم رنگ و ہم آہنگ ہو گیا ہے، یہاں تک کہ اسی ماحول میں اس کے سر کے بال سفید ہو گئے ہیں اور اسی رنگ میں اس کے اخلاقیات رنگ گئے ہیں۔ اس کے بعد ایک سیلاب کی طرح اٹھا ہے جسے اس کی فکر نہیں ہے کہ کس کو ڈبو دیا ہے اور بھوسہ کی ایک آگ ہے جسے اس کی پرواہ نہیں ہے کہ کیا کیا جلا دیا ہے۔

امام علی علیہ السلام نے اس خطبہ میں ایک شخص کو مد نظر رکھا ہے کہ برائی، پلیدی اور ناپاکی اس کی طبیعت کا حصہ بن گئی ہیں، اور آپ کا مورد نظر شخص ذات و صفات کے لحاظ سے ناپاک اور بد طینت ہے اور اسی بد طینتی کے ساتھ وہ بوڑھا ہو جائے گا۔

ان دونوں طرح کے اشخاص میں فرق ہے جو کبھی جہالت و نادانی یا دنیا طلبی یا غرور کی وجہ سے کوئی ناپسندیدہ کام انجام دے اور اپنے گناہ کی طرف متوجہ ہو کر توبہ کرے اور وہ اپنے انجام دیئے گئے گناہوں پر پشیمان ہو، اور وہ جو ناپسندیدہ کام اور برائیاں انجام دے، وہ اس کی شخصیت کا حصہ بن جائیں تو اس صورت میں وہ اپنے اعمال کی طرف متوجہ نہیں ہوتا اور اپنے کام کی برائی اور اچھائی کو سمجھنے سے عاجز ہو جاتا ہے۔

ہندو شاہ نے ''تجارب السلف'' میں کہا ہے: ایک دن عبدالملک مروان نے سعید بن مسیب سے کہا: میں ایسا بن گیا ہوں کہ اگر کوئی اچھا کام کروں تو خوش نہیں ہوتا اور اگر کوئی شر برپا کروں تو میں غمگین نہیں ہوتا۔

سعید نے کہا: ''الآن تکامل فیک موت القلب''

کلام سے اس نے انصار کے دعوی کو رد کیا۔ امام علیہ السلام فرماتے ہیں: جی ہاں! امام قریش سے ہیں لیکن قریش کے کسی بھی طائفہ سے نہیں بلکہ صرف خاندان ہاشم سے ہیں۔ امیر المؤمنین علی علیہ السلام باپ کی طرف سے بھی اور ماں کی طرف سے بھی ہاشمی ہیں۔

اب تمہارے دل کی موت مکمل ہو گئی ہے۔

عبدالملک مروان وہ شخص ہے جس نے اپنی حکومت کے اکیس سالوں کے دوران بے شمار شرمناک کام انجام دیئے ہیں، جن میں سے ایک حجاج بن یوسف ثقفی کو منتخب کرنا تھا جو عراق کی حکومت کے لئے عرب کا مشہور خونخوار تھا۔

حجاج کے قید خانہ میں کئی ہزار قیدی تھے جن میں سے اکثر سادات بنی ہاشم، قرآن کے قاری، اسلام کے فقہاء اور امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے شیعہ تھے۔اس نے حکم دیا تھا کہ زندان میں قیدیوں کو نمک یا چونا ملا پانی دیا جائے اور کھانے کے لئے گدھے کا فضلہ دیا جائے۔[1]

اس کا دوسرا گناہ خانہ کعبہ کو آگ لگانا اور اسے ویران کرنا تھا۔

امام علی علیہ السلام کی نظر میں فاسق سے کون مراد ہے؟اس کے بارے میں نہج البلاغہ کے شارحین نے مختلف اقوال بیان کئے ہیں۔ابن میثم کہتے ہیں: ممکن ہے فاسق سے ان کی مراد عبدالملک مروان ہو، اس صورت میں اس ضمیر سے بنی امیہ مراد ہیں۔

لیکن ابن ابی الحدید کہتے ہیں: میرے نزدیک بعید نہیں ہے کہ فاسق سے وہ لوگ مراد ہوں جنہیں صحابی تو کہا جاتا ہے لیکن ان کی روش بہت بری تھی جیسے مغیرۃ بن شعبہ، عمروعاص، مروان بن حکم، معاویہ اور کچھ دوسرے لوگ...۔

ممکن ہے کہ امام علی علیہ السلام کی مراد وہی معاویہ بن ابی سفیان ہو کیونکہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد معاویہ نے بیس سال تک حکومت کی اور اس مدت کے دوران اس نے بے شمار گناہ اور منکرات انجام دیئے اور وہ کبھی بھی اپنے اعمال پر پشیمان نہیں ہوا کیونکہ پلیدی و ناپاکی اس کی فطرت ثانیہ اور اس کی ذات کا حصہ بن چکی تھی۔

حضرت علی علیہ السلام کی حیات میں معاویہ نے جنگ صفین شروع کی، جس میں بے شمار مسلمان قتل ہوئے اور امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد اس نے حکم دیا کہ تمام مساجد اور منبروں سے خلیفۂ مسلمین پر سبّ و شتم کیا جائے اور یہ گناہ عظیم ساٹھ (۶۰) سال تک رائج رہا یہاں تک کہ عمر بن عبدالعزیز نے اس گناہ کو ختم کیا۔

---

[1] ۔ تجارب السلف ہندوشاہ نخجوانی: ۷۵.

معاویہ نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں یزید کو اپنا جانشین بنایا جو کھلے عام گناہ انجام دیتا تھا اور کسی شرم وحیاء کے بغیر بڑی بے باکی سے یہ گناہ انجام دیا کرتا تھا۔

کہتے ہیں: جب معاویہ ثانی (یعنی اسی معاویہ کا پوتا) کو حکومت ملی تو وہ چالیس یا اس سے کچھ زیادہ دنوں کے بعد شام کی مسجد میں منبر پر گیا اور اس نے کہا: اے لوگو! جو کام میرے آباء واجداد کرتے تھے چاہے وہ حق تھا یا باطل، میں اب اس سے زیادہ انجام نہیں دے سکتا، تم لوگ جسے چاہو معین کر لو۔ یہ کہہ کر وہ منبر سے نیچے اتر آیا اور اپنے گھر جا کر اس نے اپنا دروازہ بند کر لیا یہاں تک کہ مر گیا یا قتل ہو گیا۔اس کی اسی بات کی وجہ سے بنی سفیان سے حکومت بنی مروان کی طرف منتقل ہوئی۔

لیکن معاویہ بن ابی سفیان میں اتنی بھی شرافت، شرم اور انصاف نہیں تھا اور اس نے اپنے ناپاک اور پلید بیٹے یزید کے لئے مکر وفریب اور درہم و دینار کے ذریعہ قبائل کے سربراہوں سے بیعت لے لی اور انہیں مسلمانوں کی سر پر سوار کر دیا۔ معاویہ ستّر سال تک زندہ رہا اور حقیقت میں وہ اپنی عمر کے آخری حصہ تک پہنچ چکا تھا، جب امام علیہ السلام نے اس کی طرف اشارہ کیا۔[1]

بنی امیہ کے انجام کے بارے میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی پیشنگوئی

کتاب "پیشنگوئی ھای امیر المؤمنین از فتنہ ھا و حوادث آئندہ" میں لکھتے ہیں: امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ کے ۱۶۶ویں خطبہ میں اپنے بعد اپنے انصار اور شیعوں کے حالات کے بارے میں بیان فرمایا ہے اور پھر بنی امیہ کے انجام کی طرف اشارہ کیا ہے اور چونکہ کہ بنی امیہ کے بارے میں تاریخی ابحاث کسی حد تک گذشتہ ابحاث میں ذکر ہوئیں لہٰذا ہم یہاں خطبہ کے ایک حصہ کے ترجمہ اور بنی امیہ کے انجام کے بارے میں کچھ حوادث اور واقعات کو بیان کرنے پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔ مولائے سخن امیر المؤمنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

---

[1]۔ پیشگوئی ھای امیر المؤمنین علیہ السلام از فتنہ ھا و حوادث آئندہ: ۳۲۲.

اِفترقوا بعد اُلفتِهم، وتشتّتوا عن أصلِهم، فمِنهم آخِذ بِغُصن أَينما مال، مال معه۔ على أنّ اللّٰه تعالى سيجمعهم لِشرّ يوم لِبنِي أُميَّة، كما تجتمِع قَزَع الخرِيفِ يُؤلِّف اللّٰه بينهم، ثم يجعلهم رُكاماً كَرِكامِ السّحابِ، ثم يفتح لهم ابواباً، يسِيلون مِن مستثارِهِم كسيلِ الجنّتينِ، حيث لم تسلم عليهِ قارة ولم تثبت عليهِ أَكمة، ولم يردّ سننه رَصّ طَود، ولا حِداب أرض۔

يُذعذِعهم اللّٰه فِي بطونِ أودِيتِهِ ثمّ يسلكهم ينابِيع فِي الأرضِ، يَأخذ بِهِم مِن قوم حقوق قوم، ويمكّن لِقوم فِي دِيارِ قوم۔وايم اللّٰه؛ ليذوبنّ ما فِي أيدِيهم بعد العلوّ والتمكِينِ، كما تذوب الأليّة على النّارِ...۔

یہ لوگ (یعنی آنحضرت کے پیروکار اور شیعہ) باہمی محبت کے بعد الگ الگ ہو گئے اور اپنی اصل سے جدا ہو گئے۔(شاید یہ شیعوں کے مختلف فرقوں کیسانیہ، علوی اور زیدی کی طرف اشارہ ہو) بعض لوگوں نے ایک شاخ کو پکڑ لیا اور اب اسی کے ساتھ جھکتے رہیں گے (شیعہ امامیہ)۔

یہاں تک کہ خداوند متعال انہیں بنی امیہ کے بدترین دن کے لے جمع کر دے گا جس طرح خریف میں بادل کے ٹکڑے جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کے درمیان محبت پیدا کرے گا پھر انہیں تہ بہ تہ ابر کے ٹکڑوں کی طرح ایک مضبوط گروہ بنادے گا۔ پھر ان کے لئے ایسے دروازوں کو کھول دے گا کہ یہ اپنے ابھرنے کی جگہ سے شہر صبا کے دو باغوں کے اس سیلاب کی طرح بہ نکلیں گے۔[1] جن سے نہ کوئی چٹان محفوظ رہی ہے اور نہ کوئی ٹیلہ ٹھہر سکا ہے، نہ پہاڑ کی چوٹی اس کے دھارے کو موڑ سکی تھی اور نہ زمین کی اونچائی۔ اللہ انہیں گھاٹیوں کے نشیبوں میں متفرق کر دے گا اور پھر انہیں چشموں کے بہاؤ کی طرح زمین میں پھیلا دے گا۔ ان کے ذریعہ ایک قوم کے حقوق دوسری قوم سے حاصل کرے گا اور ایک جماعت کو دوسرے جماعت کے دیار میں اقتدار عطا کرے گا۔

خدا کی قسم! ان کے اقتدار و اختیار کے بعد جو کچھ بھی ان کے ہاتھوں میں ہو گا وہ اس طرح پگھل جائے گا

---

[1]۔ امام علی علیہ السلام اس خطبہ میں فرماتے ہیں: ''یسِیلون مِن مستثارِهِم كسيلِ الجنّتينِ'' شاید یہ اس طرف اشارہ ہو کہ بنی امیہ پر دو طرف سے حملہ کیا جائے گا۔ ایک ایرانیوں کی طرف سے یعنی ابو مسلم خراسانی اور دوسرا حجاز کوفہ وغیرہ کے لوگوں کی طرف سے۔

مؤلف: ممکن ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی مراد بنی امیہ کی آخری حکومت ہو، جو سفیانی کے توسط سے تشکیل پائے گی اور اس پر جناب یمانی اور سید حسنی کی طرف سے حملہ ہو گا۔

جس طرح کہ آگ پر چربی پگھل جاتی ہے۔

... بنی امیہ کی حکومت کی تأسیس سے پہلے امام علی علیہ السلام نے حکومت بنی امیہ کے زوال اور انحطاط کے بارے میں پیشنگوئی فرمائی اور ویسے ہی ہوا جیسے آپ نے فرمایا تھا۔

حجاز میں ابراہیم امام بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس نام کا ایک شخص اپنے سجادہ پر بیٹھا عبادت میں مشغول ہے اور خراسان میں کچھ لوگ اس کے نام پر کام کریں گے اور اپنی جان خطرے میں ڈالیں گے۔

ابراہیم بن محمد (جو ابراہیم امام کے نام سے مشہور ہیں) کا نام ایک ہی دفعہ زبانوں پر آئے گا اور لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں گے۔ مروان حمار اسے گرفتار کرے گا اور اسے ''حرّان'' لے جائے گا اور اسے زندان میں مار دے گا۔ اس کے بھائی منصور اور سفّاح مدینہ سے ''حیر'' کی طرف کوچ کریں گے۔

ابو سلمہ انہیں کے گھر میں خلال چھپائے گا۔ ابو مسلم؛ خراسانیوں کے بہت بڑے لشکر کے ساتھ عراق کی طرف روانہ ہوگا اور خود کو کوفہ پہنچائے گا۔ جب وہ ان دو بھائیوں یعنی منصور اور سفّاح کو دیکھے گا تو ان سے پوچھے گا: تم میں سے کون ابن حارثیّہ ہے؟ سفّاح کے بارے میں بتایا جائے گا اور ابو مسلم خلافت کے عنوان سے اسے سلام کرے گا۔ پھر سفّاح، منصور، کوفہ کے کچھ رہائشی اور خاندان بنی ہاشم میں سے کچھ لوگ کوفہ کی طرف روانہ ہوں گے اور مسجد میں جائیں گے جب کہ ابو مسلم خراسانی ان کے پیش پیش ہوگا دوسری طرف ''حرّان'' میں مروان بطور خلیفۂ اموی حکومت کرے گا جب کہ کوفہ میں لوگ سفّاح کی عباسی خلیفہ کے عنوان سے بیعت کریں گے۔

سنہ ۱۳۲ھ میں تمام مختلف گروہ بنی امیہ کے خلاف متحد ہو جائیں گے۔ مروان حمار جنگ زاب میں شکست کے بعد ایک شہر سے دوسرے شہر بھاگے گا یہاں تک کہ بصرہ میں مارا جائے گا اور اس کا خاندان قید ہو جائے گا اور وہ در بہ در ہوگا۔

مؤرخین کہتے ہیں: بنی امیہ کی مشکلات کے انہیں ایّام میں سے ایک دن مروان اپنے گدھے سے پیشاب کرنے کے لئے اترا اور جب واپس آیا اور اس نے گدھے پر سوار ہونا چاہا تو گدھا اس کے قابو میں نہ آیا اور اس سے بھاگ گیا جب کہ اس کے لشکر والے یہ صورت حال دیکھ رہے تھے۔ اسی وجہ سے مروان بن محمد کو ''مروان حمار'' کا لقب دیا گیا۔ لوگ کہتے تھے: ''ذهبت الدولة ببولة'' یعنی بنی امیہ کی حکومت پیشاب کے ساتھ بہہ گئی۔ چونکہ حقیقت میں اسی دن مروان کی حکومت ختم ہوئی اور وہ یہ بات سمجھ گیا کہ اب زمین و زمان دونوں اس کے ساتھ سازگار نہیں ہیں۔

جنگ زاب (عراق میں موصل کے نزدیک ایک مقام) میں جب بھی مروان اپنی فوج کے کسی دستہ کو لڑنے کا حکم دیتا تھا وہ جواب میں کہتے تھے: کسی دوسرے دستہ کو حکم دو۔اس طرح سے وہ اس کا حکم ماننے سے انکار کرتے رہے۔ بالآخر اس نے اپنے سپہ سالار سے کہا: اٹھو اور جنگ کے لئے جاؤ۔ اس نے جواب میں کہا: میں ہر گز اپنی زندگی ہلاکت میں نہیں ڈالوں گا۔

مروان نے کہا: میں تمہیں یہ کر دوں گا وہ کر دوں گا، اور اسے اس طرح سے دھمکیاں دیں۔

سپہ سالار نے مروان سے کہا: مجھے اچھا لگتا اگر تم میں ایسا کرنے کی طاقت ہوتی۔جب مروان نے جنگ میں اپنے لشکر والوں کی سستی دیکھی تو اس نے لشکر گاہ کے درمیان بہت زیادہ سکّہ رکھ دیئے اور کہا: اے لوگو! جنگ کرو اور اپنے لئے ان سکّوں میں سے اٹھالو۔

سپاہی جنگ کئے بغیر ہی سکّوں پر ٹوٹ پڑے اور سکہ اٹھا کر جانے لگے ۔ کسی شخص نے مروان کو بتایا کہ لوگ سکہ اٹھا کر جا رہے ہیں۔ مروان نے اپنے بیٹے کو حکم دیا کہ فوج کے پیچھے کھڑے ہو جاؤ اور جو بھی ان سکّوں میں سے اٹھا کر جانے لگے اسے قتل کر دو۔

جب مروان کا بیٹا اپنے پرچم کے ساتھ لشکر کے پیچھے روانہ ہوا تو لوگوں نے چلانا شروع کر دیا : شکست! شکست! اور سب کے سب بھاگ گئے اور بھاگتے بھاگتے دجلہ سے بھی گزر گئے۔کہتے ہیں کہ دجلہ میں غرق ہونے والوں کی تعداد قتل ہونے والوں سے زیادہ تھی۔

جب مروان کو ''زاب'' میں شکست ہوئی تو وہ موصل کی طرف روانہ ہو گیا ، لیکن موصل کے لوگوں نے نہر کا پل اٹھا لیا اور اسے وہاں سے گزرنے نہ دیا۔ مروان کے ساتھیوں نے چلا کر کہا: اے موصل کے لوگو! یہ امیر المؤمنین ! ہے جو پل سے گزرنا چاہتا ہے۔

انہوں نے کہا: جھوٹ بولتے ہو، امیر المؤمنین فرار نہیں کرتا، اور انہوں نے مروان کو گالیاں دیں اور کہا: اس خدا کی حمد و ثنا جس نے تم سے طاقت چھین لی اور تمہاری حکومت کو ختم کر دیا اور اہلبیت پیغمبر علیہم السلام کو ہم تک پہنچا دیا۔

جب مروان نے یہ باتیں سنیں تو ''بلد''[1] کی طرف چل پڑا اور وہاں سے حرّان اور حرّان سے دمشق اور

---

[1]۔ بلد، دجلہ کے کنارے موصل سے سات فرسنگ (ایک فرسنگ ساڑھے تین میل کے برابر ہوتا ہے) ایک قدیم شہر ہے۔ (معجم البلدان)

دمشق سے مصر میں داخل ہوا جب کہ عبداللہ بن علی بھی اس کا پیچھا کر رہا تھا۔[1]

آخر کار مروان مصر میں مارا گیا اور اس کا سر کوفہ میں ابوالعباس سفّاح کے پاس بھیج دیا گیا۔ لیکن اس کی عورتیں، بچے اور خاندان والے بنی العباس کے کارندوں سے بچنے کے لئے شہر شہر در بہ در کی ٹھوکریں کھا رہے تھے اور انہوں نے جنوب افریقہ کا راستہ اختیار کر لیا۔

یہ بیچارے تو اپنوں کی لگائی ہوئی آگ میں جل رہے تھے یہ جہاں کہیں بھی جس کسی کے پاس پناہ لیتے تھے وہ لوگ بنی العباس کے خوف سے انہیں خود سے دور کر دیتے تھے۔ سرزمین نوبہ (یعنی سوڈان) میں ان لوگوں پر وحشی اقوام نے حملہ کر دیا اور ان کے پاس جو کچھ تھا، وہ لوٹ لیا۔ خاندان مروان میں سے کچھ لوگ مارے گئے اور کچھ لوگ بھوک پیاس کی وجہ سے جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

یعقوبی کے مطابق ان کی حالت اتنی خراب ہو چکی تھی کہ وہ اپنا پیشاب پیتے تھے تا کہ پیاس کی وجہ سے ہلاک نہ ہو جائیں۔ آل مروان سے کچھ زندہ بچ جانے والے "باب المندب" پہنچ گئے، جب کہ وہ ننگے، بھوکے اور پیاسے تھے۔ وہ کشتی میں کام کرنے والوں کی صورت میں چھپ کر حجاز میں داخل ہوئے اور اسی طرح مخفیانہ طور زندگی گزارتے رہے۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے کلام کا یہی معنی ہے جو آپ نے فرمایا:

خدا کی قسم! ان کے اقتدار اور اختیار کے بعد جو کچھ بھی ان کے ہاتھوں میں ہو گا وہ اس طرح پگھل جائے گا جس طرح کہ آگ پر چربی پگھل جاتی ہے۔[2]

---

[1]۔ تاریخ فخری: ۱۹۸-۱۹۵.

[2]۔ پیشگوئی ھای امیر المؤمنین علیہ السلام: ۳۰۵.

بنی امیہ کے زوال کے بارے میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی ایک اور پیشنگوئی

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے ایک اور پیشنگوئی میں بنی امیہ کے شرمناک انجام کے بارے میں فرمایا ہے:

انّ لبنی امیّة مروداً یجزون فیه ،ولو قد اختلفو فیما بینهم،ثم لو کادتهم الضباع لغلبتهم۔

بیشک بنی امیہ کو مہلت دی گئی ہے؛ جس میں وہ اکڑیں گے اور جب بھی ان کے درمیان اختلاف ہوا تو پھر اگر کبوتر بھی ان سے مکر و حیلہ کریں تو وہ پر غلبہ پا جائیں گے۔

قال الرضی رحمه اللّٰه تعالی:وهذا من افصح الکلام وأغربه،والمِروَدُ هاهنا مفعل من الأرواد،وهو الامهال و الانظار،فکأنّه علیه السلام شبّه المهلة الّتی هم فیها بالمضمار الّذی یجرون فیه الی الغایة،فاذا بلغوا منقطعها انتفض نظامهم بعدها۔

سید رضی کہتے ہیں: یہ فصیح ترین اور غریب ترین سخن ہے، یہاں کلمہ مرود ''ارواد'' کے مصدر سے ہے۔ جس کے معنی مہلت دینا ہے، گویا امام علیہ السلام نے ان کو دی گئی مہلت کو مقبلہ کی جگہ سے تشبیہ دی ہے ،جس کے اختتام تک وہ اکڑیں گے اور جب وہ اپنے اختتام تک پہنچنے لگیں گے تو ان کا نظام علیحدہ ہو جائے گا۔

ابن ابی الحدید اس سخن کی شرح میں کہتے ہیں: یہ سخن واضح طور پر غیبی امور کی خبر دیتا ہے؛ کیونکہ بنی امیہ میں جب تک اختلاف نہیں تھا، ان کی حکومت منظّم تھی۔ ان کی جنگیں بھی دوسرے افراد کے ساتھ تھیں۔ جیسے معاویہ کی صفین میں جنگ، یزید کی اہل مدینہ اور مکہ میں ابن زبیر سے جنگ، مروان کی ضحّاک سے جنگ، عبدالملک کی ابن اشعث اور ابن زبیر سے جنگ، یزید بن عبدالملک کی بنی مہلب سے جنگ اور ہشام کی زید بن علی سے جنگ۔

اور جونہی ولید بن یزید کو حکومت ملی اور اس کے چچا کے بیٹے یزید بن ولید نے اس کے خلاف قیام کیا اور اسے قتل کر دیا تو بنی امیہ کے درمیان بھی اختلاف پیدا ہو گئے اور پھر اس وعدے کا وقت آ پہنچا، اور جنہیں وعدہ

دیا گیا تھا انہوں نے سچ کہا تھا کہ ولید کے قتل ہونے کے ساتھ بنی العباس کی دعوت دینے والوں نے خراسان میں دعوت دینا شروع کی۔

مروان بن محمد خلافت کی طلب میں جزیرہ سے آیا اور ابراہیم بن ولید کو نکال دیا اور بنی امیہ کے کچھ لوگوں کو قتل کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں ملک اور حکومت کا نظام مضطرب اور پراکندہ ہو گیا۔ ہاشمیوں کی حکومت سامنے آئی اور اس نے نشو ونما پائی۔ بنی امیہ کی حکومت زوال کا شکار ہو گئی اور ان کی حکومت کا زوال ابو مسلم کے ہاتھوں انجام پایا کہ ابتدا میں لوگوں میں ناتواں، بینوا اور درویش تھا اور اسی موضوع کے بارے میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے سخن کا مصداق واضح ہو گیا کہ آپ نے فرمایا:

اگر کبوتر بھی ان پر مکر وحیلہ کریں تو وہ ان پر غلبہ پا جائیں گے۔[1]

بنی امیہ اور بنی العباس کے بارے میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی پیشنگوئی

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے ایک دوسرے خطبہ میں بنی امیہ اور بنی العباس کے بارے میں کچھ مطالب بیان فرمائے ہیں:

جو خطبہ "حتّی بعث اللّٰہ محمداً صلّی اللّٰہ علیہ شھیداً و بشیراً و نذیراً" (یہاں تک کہ خدا نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا تا کہ وہ گواہ، خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے ہوں) کی عبارت سے شروع ہوتا ہے، اس میں حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے شکوہ اور قسم کے متعلق عبارت میں کچھ کلمات و تعبیرات کی وضاحت کے بعد تفصیلی طور پر تاریخی بحث بیان کی گئی ہے کہ بنی امیہ بہت جلد حکومت دوسروں کے ہاتھوں میں دیکھیں گے۔ اس کی تفصیلات کچھ یوں ہیں:

امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنے گلہ و شکوہ کو دہراتے ہوئے فرمایا:

---

[1]۔ جلوۂ تاریخ در شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج۸ ص۲۷۲۔

جی ہاں ! دنیا میں تمہارے ہاتھ کھول دیئے گئے ہیں حالانکہ جو حکومت و ریاست کے لائق ہیں ان کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ تمہاری تلواریں اہلبیت کے افراد (جو حقیقت میں رہبر وسالار ہیں) پر غالب اور ان کی تلواریں تم سے دور کی گئی ہیں۔

گویا امیر المؤمنین حضرت امام علی علیہ السلام، حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ کے خاندان کے افراد کے قتل ہونے کی کیفیت کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں کہ جس طرح ان کا مشاہدہ فرمایا اور اس بارے میں خطاب کرتے ہیں اور آپ کے کلام کی بنیاد وہ فکر ہے کہ جو آپ کے ذہن میں آئی۔

پھر آپ نے فرمایا: بیشک ہر خون کا کوئی خونخواہ ہوتا ہے، جو اس کا مطالبہ کرتا ہے اور ہمارے خون کا خونخواہ خدائے احد کے سوا کوئی نہیں ہے کہ جو کسی بھی کام کو انجام دینے سے عاجز و ناتوان نہیں ہے اور کوئی بھی فرار کرنے والا اس سے فرار نہیں کر سکتا۔

اور یہ جو کہا: ''گویا خدا اپنے حق میں حکم کرے گا'' یعنی خداوند ہمارے خون کا مطالبہ کرنے میں کوتاہی نہیں فرمائے گا۔ ایسے حاکم کی طرح جو اپنے بارے میں حکم کرے اور خود ہی قاضی ہو کہ اس صورت میں اپنے حقوق کے بارے میں مبالغہ و کوشش کرے گا۔

پھر حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے قسم کھائی اور واضح الفاظ میں بنی امیہ کا نام لے کر ان سے خطاب کیا اور ذکر فرمایا: وہ بہت جلد دنیا کو دوسروں کے ہاتھوں اور گھروں میں دیکھیں گے اور ان کے دشمن بہت جلد ان کے ہاتھوں سے بادشاہی اور حکومت چھین لیں گے اور پھر جس طرح امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے خبر دی تھی اسی طرح ہوا۔ تقریباً نوے (۹۰) سال تک حکومت ان کے پاس تھی اور پھر خاندان ہاشم کے پاس لوٹ گئی اور خداوند نے ان کے سب سے بڑے دشمن کے ہاتھوں سے ان سے انتقام لیا۔

ابن ابی الحدید کے قول کی رو سے جنگ زاب میں مروان بن محمد کی شکست اور پھر اس کا قتل ہونا:

عبداللہ بن علی بن عبداللہ بن عباس بہت بڑے لشکر کے ساتھ مروان بن محمد (آخری اموی خلیفہ) کا سامنا کرنے اور اس سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہوا اور نہر ''زاب''[1] کے کنارے موصل کے مقام پر ان کا سامنا ہوا۔

اگرچہ مروان بھی بہت بڑے لشکر اور بہت زیادہ افراد کے ساتھ تھا لیکن اسے شکست کا سامنا کرنا پڑا اور

---

[1]۔ اس سے مراد زاب کی بالائی نہر ہے، جو موصل اور اربل کے درمیان ہے۔

بھاگ گیا۔ عبداللہ بن علی نے اس کی لشکر گاہ پر فتح پائی اور اس کے ساتھیوں میں سے بہت سے لوگوں کو قتل کیا۔ مروان نے ڈرتے ہوئے شام کا راستہ اختیار کیا اور عبداللہ بن علی نے اس کا پیچھا کیا۔

مروان مصر چلا گیا تو عبداللہ نے بھی اپنے لشکر کے ساتھ اس کا پیچھا کیا اور اس نے ''بوصیر اشمونین'' (جو صعید مصر کی طرف واقع ہے) میں اسے اور اس کے تمام نزدیکی افراد کو قتل کر دیا۔

عبداللہ بن علی نہر ابی فطرس[1] (جو فلسطین کے نواح میں ہے) کے کنارے بنی امیہ کے اسّی (۸۰) افراد کو مثلہ کیا اور پھر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے انہیں قتل کر دیا۔ حجاز میں اس کے بھائی داؤد بن علی نے بھی ایسا ہی کیا اور تقریباً اسی تعداد کے برابر انہیں قتل کیا اور مختلف صورتوں سے انہیں مثلہ کیا یعنی ان کے اعضاء کاٹ دیئے۔

جب مروان قتل ہو گیا تو اس کے دو بیٹے عبداللہ اور عبید اللہ (جو دونوں اس کے ولی عہد تھے) اس کے ساتھ ہی تھے اور دونوں اپنے مخصوص لوگوں کے ساتھ ''اسوان مصر'' کی طرف بھاگ گئے اور وہاں سے سرزمین نوبہ (سوڈان) کی طرف چلے گئے۔ راستے میں انہیں سخت مشکلات اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا اور عبداللہ بن مروان اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہی قتل ہو گیا اور کچھ لوگ راستے کی زحمتوں اور پیاس کی وجہ سے مر گئے۔

عبیداللہ کچھ لوگوں کے ساتھ سرزمین ''بجۃ'' پہنچ گیا جب کہ جاں بہ لب تھا اور وہ دریائے سرخ سے عبور کرے جدّہ کے ساحل پر پہنچ گیا تھا۔ عبیداللہ اپنے خاندان کے افراد اور رشتہ داروں کے ساتھ چھپ چھپا کے ایک شہر سے دوسرے شہر جا بھاگتا رہا اور وہ بادشاہی کے بعد رعایا کی صورت میں زندگی گزارنے پر بھی خوش تھا۔ عبیداللہ کا انجام یہ ہوا کہ وہ سفاح کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا اور اسے قید کر دیا گیا۔ اس نے سفاح کی خلافت اور منصور و مہدی و ہادی کی حکومت کے زمانے اور رشید کی حکومت کے کچھ زمانے تک اپنی زندگی قید میں ہی گزاری۔

رشید نے اسے زندان سے باہر نکالا جب کہ وہ بوڑھا اور اندھا ہو چکا تھا اور اس سے اس کے بارے میں پوچھا:

---

[1] ۔ صاحب ''مراصد الاطلاع'' نے اس کلمہ میں (ف) کو پیش (ط) کو سکون اور (ر) کو پیش کے ساتھ ذکر کیا ہے اور کہا ہے: یہ رملہ کے نزدیک ہے اور فلسطین میں سے ہے۔

اس نے کہا: اے امیر المؤمنین ! ! جب میں نوجوان اور بینا تھا تو مجھے اس وقت قید کیا گیا تھا اور اب بوڑھے اور اندھے شخص کی صورت میں قید سے باہر لایا گیا ہوں۔

کہا گیا ہے: وہ رشید کے زمانے میں ہی مر گیا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: وہ امین کے زمانے تک زندہ تھا۔

()()()()()

ایک روایت کے مطابق جنگ زاب میں ابراہیم بن ولید بن عبدالملک (جسے خلافت سے معزول کر دیا گیا ہے اور وہ اپنے بھائی کی موت کے بعد یزید بن ولید بن عبدالملک نے اس کے نام خلافت کا خطبہ پڑھا تھا) مروان کے ساتھ تھا اور مارا گیا اور دوسری روایت کے مطابق مروان حمار نے ابراہیم کو اس سے پہلے قتل کیا ہے۔

جب مروان کو جنگ زاب میں شکست ہوئی تو وہ موصل کی طرف بھاگ گیا لیکن موصل کے لوگوں نے اسے شہر میں داخل نہیں ہونے دیا۔ وہ مجبوراً "حران" چلا گیا اور اس کا گھر بھی وہیں تھا۔ اس زمانے میں جب منبروں اور نمازوں سے امیر المؤمنین علی علیہ السلام پر لعن کو ختم کر دیا گیا تھا، حرّان کے لوگوں نے اس بات کو قبول نہ کیا اور انہوں نے کہا: ابوتراب پر لعن کئے بغیر نماز، نماز نہیں ہے!

عبداللہ بن علی نے اپنے لشکر کے ساتھ مروان کا پیچھا کیا اور جیسے ہی وہ حرّان پہنچا تو مروان اس کا مقابلہ کرنے سے بھاگ گیا اور نہر فرات سے بھی گزر گیا۔ عبداللہ بن علی حرّان پہنچا اور اس نے مروان کے محل کو تباہ و برباد کر دیا کہ جس کی تعمیر میں اس نے ایک کروڑ درہم خرچ کئے تھے اور جس میں اس نے اپنا خزانہ اور اپنا مال رکھا تھا۔

مروان اپنے خاندان کے افراد، بنی امیہ اور اپنے خاص لوگوں کے ساتھ نہر ابی فطرس کے کنارے آیا اور عبداللہ بن علی بھی روانہ ہو گیا اور دمشق کے قریب پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ مروان کی طرف سے ولید بن معاویہ بن عبدالملک بن مروان پچاس ہزار جنگجوؤں کے ساتھ دمشق کی حکومت کی طرف روانہ ہوا تھا اور خداوند متعال نے ان کے درمیان یہ تعصب پیدا کر دیا کہ نزاریوں کو یمانیوں پر برتری ہے یا یمانیوں کو نزاریوں پر۔ یوں وہ آپس میں ہی لڑنے لگے اور ولید بن معاویہ مارا گیا۔

کہتے ہیں: وہ عبداللہ بن علی سے جنگ کرتے ہوئے مارا گیا۔

عبداللہ نے دمشق پر قبضہ کر لیا اور یزید بن معاویہ بن مروان اور عبد لجبار بن یزید بن عبدالملک کو گرفتار کر لیا اور انہوں قیدیوں کی صورت میں ابوالعباس سفاح کے پاس بھیج دیا اور اس نے ان دونوں کو قتل کر دیا اور ان کے جسم کو حیرہ میں پھانسی پر لٹکا دیا۔

عبداللہ بن علی نے دمشق میں بھی مروان کے بہت سے رشتہ داروں، ساتھیوں اور بنی امیہ کے پیروکاروں کو قتل کیا۔ پھر وہ نہر ابی فطرس کے کنارے پہنچا اور اس نے وہاں بنی امیہ کے تقریباً اسّی (۸۰) افراد کو قتل کیا۔ یہ واقعہ ذی القعدہ سنہ ۱۳۲ھ میں پیش آیا۔[۱]

بنی امیہ اور بنی العباس کے بارے میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی ایک اور پیشنگوئی

کتاب ''پیشنگوئی ھای امیر المؤمنین علیہ السلام...''میں لکھتے ہیں:

امیر المؤمنین حضرت امام علی علیہ السلام نے ایک دوسرے خطبہ میں قسم کھائی کہ قیامت تک ہونے والے کسی بھی واقعہ کے بارے میں آپ سے سوال کیا جائے تو آپ اس کا جواب دیں گے۔ سو افراد پر مشتمل ہر گروہ (چاہئے وہ ہدایت یافتہ ہوں یا گمراہ) کے بارے میں بتائیں گے اور یہ کہ ان کا رہبر کون ہوگا؟ وہ گروہ کہاں وجود میں آئے گا؟ ان میں سے کون قتل ہوگا؟ اور کون اپنی طبیعی موت مرے گا؟

اس خطبہ کے آخر میں حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا:

اس وقت (یعنی بنی العباس کے ہاتھوں بنی امیہ کی نابودی کے وقت) قریش کی یہ خواہش ہوگی کہ ساری دنیا میرے ہاتھوں میں رکھ دیں تاکہ صرف ایک بار مجھے دیکھ لیں۔ اس مطلب سے گویا آپ نے ابو مسلم خراسانی اور سیاہ لباس پہنے ہوئے لوگوں کے شام میں حملہ اور بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد (جو مروان حمار کے نام سے مشہور ہے) کی نابودی کی خبر دی ہے۔

مؤرخین نے نقل کیا ہے: مروان بن محمد نے جنگ زاب میں جیسے ہی عبداللہ علی بن عبداللہ بن عباس کو خراسانیوں کی صفوں میں اپنے مد مقابل دیکھا تو کہا: اگر اس پرچم کے نیچے اس جوان کی بجائے علی بن ابی طالب علیہما السلام ہوتے تو میں یہ پسند کرتا۔[۲]

---

[۱]۔ جلوۂ تاریخ در شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج ۳ ص ۳۷۳.

[۲]۔ اس خبر کی مزید تفصیلات کے لئے رجوع کریں: کامل التواریخ: ج ۴ ص ۳۳۴. ۳۲۷، نیز مقاتل الطالبین کے آخری حصہ میں بنی امیہ کے دور کے بارے میں صفحہ ۲۶۰ کی طرف رجوع کریں۔

حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے بنی امیہ کی حکومت کے خاتمہ کے بارے میں فرمایا ہے:

خداوند بنی امیہ کے فتنہ کی اس طرح سے سرکوبی کرے گا کہ جیسے گوشت سے کھال اتار لی جائے، خداوندا کسی ایسے شخص کے ذریعہ انہیں خوار کرے گا اور جس طرح سے یہ جبر کرتے ہیں، اسی طرح انہیں نکال دیا جائے گا اور انہیں بلاؤں کا جام پلایا جائے گا۔انہیں تلوار کے علاوہ کوئی تحفہ نہیں دیا جائے گا اور ان کے جسم پر خوف کے علاوہ کوئی لباس نہیں ہوگا۔

اب مختصر طور پر تاریخ یعقوبی سے بنی امیہ کے شرمناک انجام اور ان کے برے دنوں کا تذکرہ کرتے ہیں:

یعقوبی کہتے ہیں:[1] جب سنہ ۱۳۲ھ میں کوفہ میں ابوالعباس سفّاح کی بیعت کی گئی تو کوفہ بنی امیہ کے ہاتھوں سے نکل گیا، مروان بن محمد بنی امیہ کا آخری خلیفہ موصل کے نزدیک زاب کے مقام پر پہنچا تاکہ بنی العباس اور ان کے حامیوں سے جنگ کرے۔پہلے عباسی خلیفہ ابوالعباس سفاح نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کو مروان سے جنگ کے لئے زاب بھیجا۔مروان شکست کھا کر شام لوٹ گیا۔اس دوران مروان شام کے کسی بھی شہر سے نہیں گزر سکتا تھا مگر یہ کہ وہاں کے لوگ اسے تباہ و برباد کر دیتے، بالآخر مروان دمشق پہنچا اور اس کا ارادہ یہ تھا کہ اس شہر میں پناہ لے کہ جو بنی امیہ کی حکومت کا مرکز تھا، لیکن دمشق کے لوگوں نے اسے لوٹ لیا اور تباہ و برباد کر دیا کہ جن میں سے اکثر کا تعلق بنی امیہ میں سے ہی تھا اور قبیلۂ قیس نے ان پر حملہ کر دیا۔

عبداللہ بن علی بھی مروان کا پیچھا کرتا ہوا دمشق آ پہنچا۔اس نے مروان کے جانشین ولید بن معاویہ کو قتل کر دیا۔مروان فلسطین کی طرف بھاگ گیا اور فلسطین کے بعد مصر کی طرف فرار کر گیا اور مصر میں بنی العباس کی دعوت کرنے والوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا اور اس کا سر سفاح کے پاس ''حیرہ'' میں بھیج دیا گیا۔مروان کا کٹا ہوا سر ایک کونے میں رکھ دیا گیا تاکہ اسے سفاح کے پاس بھیجا جاسکے اور اسی دوران ایک بلی نے اس کی زبان نوچ کھائی۔مروان کی عمر ۶۴ اور ایک قول کے مطابق ۶۸ سال تھی اور وہ ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۳۲ھ میں مارا گیا اور اس کی خلافت کی مدت پانچ سال تھی۔

مروان کے چار بیٹے تھے جن کے نام عبدالملک، عبداللہ، عبیداللہ اور محمد تھے۔

مصر کی طرف بھاگتے وقت مروان اپنے خاندان کے اکثر و بیشتر افراد کو بھی اپنے ساتھ لے گیا تھا، اس کے بیٹے عبداللہ اور عبیداللہ، اس کی بیٹیاں اور بہت سی خواتین بھی اس کے ساتھ تھیں۔جب مروان مصر میں

---

[1]۔تاریخ یعقوبی: ج۲ص۳۲۵-۳۲۴.

قتل ہو گیا تو اس کے بیٹوں عبداللہ اور عبیداللہ نے مصر کے شہر صعید میں پناہ لے لی اور وہ وہاں بھی نہ رہ سکے کیونکہ بنی العباس کی حکومت کے حامی ان کا پیچھا کر رہے تھے۔ لہٰذا انہوں نے سرزمین نوبہ (سوڈان) کا راستہ اختیار کر لیا۔

یعقوبی کہتے ہیں: [1]عبداللہ اور عبیداللہ کے ساتھ کچھ عورتیں، اس کی بیٹیاں، بہنیں اور اس کے چچا کی بیٹیاں پیدل اور پریشانی کے عالم میں بھاگ رہیں تھیں، یہاں تک کہ شام کا ایک شخص اس کی بیٹی کے پاس سے گزرا، جو اسے اجنبی لگی اور پھر اچانک اس نے اسے پہچان لیا کہ یہ مروان کی چھ سال کی بیٹی ہے۔ وہ اسے اپنے ساتھ لے گیا اور اسے عبداللہ بن مروان [2] کے حوالہ کر دیا۔

مروانی شہر نوبہ (سوڈان) پہنچ گئے۔ نوبہ کے حاکم نے ان کا احترام کیا۔ مروانیوں نے کہا: ہم شہر نوبہ کے کسی قلعہ میں رہ لیں گے تا کہ ہمیں کوئی پناہ گاہ میسر آجائے اور پھر ہم اپنے ان دشمنوں کا مقابلہ کر سکیں اور لوگوں کو اپنی اطاعت کی دعوت دیں۔ شاید خدا نے ہم سے جو کچھ لے لیا ہے اس کا کچھ حصہ ہمیں پھر سے لوٹا دے۔

نوبہ کے حاکم نے ان سے کہا: ان کوّوں (سیاہ فام) کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن ان کے پاس لباس اور اسلحہ بہت کم ہے۔ مجھے خوف ہے کہ تم ان کے ہاتھوں کچلے نہ جاؤ۔ لہٰذا وہ نوبہ سے حبشہ کی طرف فرار کر گئے اور حبشہ میں کچھ سیاہ فارم لوگوں کی مروانیوں سے لڑائی ہوئی اور عبیداللہ بن مروان اس لڑائی میں مارا گیا اور اس کے ساتھی اسیر ہو گئے۔

ان کے پاس جو کچھ تھا، وہ حبشیوں نے چھین کر انہیں چھوڑ دیا۔ وہ برہنہ اور ننگے پاؤں بیابانوں میں پریشان حال تھے اور پیاس کی وجہ سے وہ مرنے کے قریب تھے، یہاں تک کہ مرد اپنے ہاتھوں میں پیشاب کرتے اور پھر اسے پیتے تھے اور اپنے پیشاب سے ریت کو گوندھ کر کھاتے تھے، یہاں تک کہ وہ عبداللہ بن مروان تک پہنچ گئے۔ ان سے پہلے اس نے بھی مشکلات اور پیاس کی شدت برداشت کی اور اس کے ساتھ کچھ برہنہ عورتیں تھیں، جو سر سے پاؤں تک عریان تھیں اور پیدل چلنے کی وجہ سے ان کے پاؤں اور پیشاب پینے کی وجہ سے ان کے ہونٹ پھٹ چکے تھے، یہاں تک کہ وہ مندب (یمن کے ساحل باب المندب) پہنچے اور ایک

---

[1]۔ تاریخ یعقوبی: ج۲ص۳۲۵-۳۲۴.

[2]۔ ابوالفرج علی بن الحسن اصفہانی، صاحب کتاب "معروف الاگان اور مقاتل الطالبین" اسی عبداللہ بن مروان کے فرزندوں میں سے ہے۔ اس نے کتاب مقاتل میں بنی امیہ پر لعنت کی حالانکہ وہ خود بھی بنی امیہ میں سے تھا۔

مہینہ تک وہاں رہے، لوگوں نے انہیں کچھ چیزیں فراہم کیں۔ پھر وہ وزن اٹھانے والوں اور کشتی پر کام کرنے والوں کی شکل میں چھپ کر مکہ کے قصد سے باہر نکل گئے۔

جیسا کہ کہا گیا ہے: سفاح کا چچا عبداللہ بن علی دمشق میں بنی امیہ کا پیچھا کر رہا تھا یہاں تک کہ وہ نہر ابو فطرس (فلسطین اور اردن کے درمیان ایک مقام) پہنچا۔ اس نے بنی امیہ کو اپنے پاس بلایا اور ان سے کہا: کل مجھ سے کچھ مال لینے کے لئے میرے پاس آؤ۔ اس کے اگلے دن علی الصبح بنی امیہ کے اسّی (۸۰) آدمی عبداللہ کے پاس آئے، اس نے بنی امیہ کے ہر مرد کے اوپر گرز کے ساتھ دو دو شخص معین کر دیئے اور پھر عبداللہ بن علی نے شاعر (جسے اس نے تدارک سے پہلے دیکھا تھا) سے کہا: اپنے اشعار پڑھو۔ عبدی نامی شاعر نے یہ شعر پڑھا:

امّا الدعاۃ الی الجنان فھاشم و بنو امیّۃ من کلاب النار

جنہیں جنت کی طرف دعوت دی جائے گی وہ بنی ہاشم ہیں اور بنی امیہ جہنم کے کتوں میں سے ہیں۔

اموی خلیفہ نعمان بن یزید بن عبدالملک، عبداللہ بن علی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، وہ شاعر پر ناراض ہوا اور اس نے کہا: اے بدبو دار عورت کے بیٹے! تم نے جھوٹ بولا ہے۔ عبداللہ بن علی نے شاعر سے کہا: تم نے صحیح کہا ہے، اپنے اشعار جاری رکھو۔

پھر عبداللہ بن علی نے بنی امیہ کے آدمیوں کی طرف رخ کیا اور انہیں یاد دلایا کہ انہوں نے کس طرح حضرت امام حسین علیہ السلام اور آپ کی اہلبیت علیہم السلام کو قتل کیا تھا۔ پھر اس نے تالی بجائی اور اس کے سپاہیوں نے بنی امیہ کے آدمیوں کے سروں پر گرز مارنے شروع کر دیئے یہاں تک کہ ان اسّی افراد کی جان حلق تک آ گئی۔ ان میں سے کچھ تو نیم مردہ تھے جنہیں اس نے ایک ساتھ رکھ کر ان پر فرش بچھا دیا۔ پھر عبداللہ بن علی اور اس کے ساتھی فرش پر بیٹھ گئے اور ان کے لئے کھانا لایا گیا اور انہوں نے کھانا کھایا۔ جب کہ فرش کے نیچے سے ان میں سے کچھ کے آہ و نالہ کرنے کی آواز سنی جا سکتی تھی، عبداللہ بن علی نے کہا: حسین علیہ السلام کے دن کی طرح کا دن، لیکن یہ دن اس دن کی طرح نہیں ہے۔[1]

---

[1]۔ تاریخ یعقوبی (ترجمہ آیتی): ج۲ص۳۲۵-۳۲۴.

ابوالفرج اصفہانی نے کتاب اغانی کی چوتھی جلد میں بنی امیہ کے کچھ لوگوں کے قتل ہونے کے بارے میں دوسری روایت نقل کی ہے کہ جنہوں نے سفاح سے امان لی تھی، وہ کہتا ہے: زبیر بن بکار نے اپنے چچا سے روایت کی ہے کہ ایک دن سفاح اپنے دربار میں بیٹھا تھا جب کہ اس کے پاس بنی امیہ کے کچھ لوگ بیٹھے تھے۔ کسی شاعر نے سفاح کی شان میں ایک قصیدہ پڑھا، سفاح نے بنی امیہ کے آدمیوں کی طرف دیکھ کر کہا: اس قصیدے کا مقابلہ تمہاری شان میں کہے گئے قصیدوں سے کہاں کیا جا سکتا ہے؟ امویوں میں سے ایک نے کہا: تمہارے بارے میں شعر میں ایسی مدح نہیں کی جیسا شعر قیس الرقیات نے

بنی امیہ کا انجام اور بری عاقبت خود ایک مثنوی بن جائے گی۔ یہ تھی امام علی بن ابی طالب علیہما السلام کی بنی امیہ کی حکومت کے انجام کے بارے میں پیشنگوئی۔ جس میں عقلمندوں کے لئے عبرت ہے۔[1]

حکم کے داخل ہونے کے بارے میں پیغمبر اکرم ﷺ کی پیشنگوئی اور اس پر لعنت

بنی امیہ اس قدر گستاخ اور پست تھے کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے تو پیغمبر اکرم ﷺ کی حیات کے زمانے میں آپ کو تکالیف پہنچائیں اور انہیں اپنے ان پست کاموں پر کوئی شرم و حیا بھی محسوس نہیں ہوتی تھی ، جو ان کے کفر و نفاق کی دلیل ہے۔

ان میں سے ایک "حکم بن عاص" ہے جس پر رسول اکرم ﷺ نے لعنت کی ہے اور اسے "طرید رسول اللہ" (یعنی رسول خدا ﷺ کی طرف سے نکالا گیا) کا لقب ملا۔

کتاب "الاستیعاب" کے مؤلف حکم کے بارے میں کہتے ہیں: ایک دن رسول خدا ﷺ اپنے اصحاب کے درمیان تشریف فرما تھے ، اور اسی دوران آپ نے فرمایا:

اب تمہارے سامنے ایک ملعون شخص داخل ہوگا۔

ہمارے بارے میں کہا اور وہ شعر یہ ہے:

"کوئی چیز بنی امیہ کے لئے ناپسند شمار نہیں کرتے مگر یہ کہ وہ غصہ کے وقت بھی بردباری کرتے ہیں، بیشک وہ بادشاہوں کا معدن ہیں اور عرب صرف انہی کے ذریعہ صلاح تک پہنچیں گے"۔

سفاح غصہ میں آ گیا اور اس نے کہا: اے فلاں ! فلاں تمہاری ماں کو دانتوں سے کاٹے ! گویا اب بھی تمہارے سروں میں خلافت کی ہوس بھری ہوئی ہے۔ پھر اس نے حکم دیا کہ اس کے مأمورین ان کے سروں پر ماریں۔ سفاح کے سپاہیوں نے گرز کے ساتھ اپنی مجلس میں بنی امیہ کے تمام آدمیوں کو مار ڈالا۔ پھر ابوالعباس سفاح نے حکم دیا کہ غذا تیار کی جائے، ان کے جسموں پر فرش بچھایا گیا اور سفاح نے ان پر بیٹھ کر کھانا کھایا جب کہ ان میں سے کچھ زندہ تھے اور وہ آہ و نالہ کر رہے تھے۔ جب اس نے کھانا کھالیا تو سفاح نے کہا: مجھے یاد نہیں ہے کہ میں نے کبھی اس سے بہتر غذا کھائی ہو۔ پھر اس نے حکم دیا کہ مردوں کو گھسیٹ کر اس محل سے باہر لے جاؤ اور انہیں گلی میں پھینک دو۔

یہ خبر بیان کرنے والا کہتا ہے: ہم نے خود دیکھا ہے کہ کتے ان مردوں کو پاؤں سے پکڑ کر ادھر ادھر گھسیٹ رہے تھے جب کہ ان کے جسم پر مہنگے لباس تھے اور آخر کار وہ سڑ گے اور انہیں ایک گڑے میں دفن کر دیا۔ (جلوہ تاریخ در شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج ۳ ص ۱۳۹۴ اغانی سے منقول)

[1]۔ پیشگوئی ھای امیر المؤمنین علیہ السلام از فتنہ ھا و حوادث آئندہ: ۲۰۳.

عبداللہ بن عمرو عاص (عرب کا مشہور مکار و دھوکہ باز اور معاویہ بن ابی سفیان کا یار و مشیر) کہتا ہے: میں بھی اس مجلس میں موجود تھا اور جب میں نے رسول اکرم ﷺ کی یہ بات سنی تو میں پریشان ہو گیا کیونکہ میرا باپ عمرو کپڑے پہن چکا تھا اور وہ رسول خداؐ کے پاس آنا چاہتا تھا، میں نے اپنے آپ سے کہا: کہیں ایسا نہ ہو کہ اب میرا باپ آ جائے، اچانک میں نے دیکھا کہ حکم بن ابی العاص داخل ہوا۔

حکم بن ابی العاص وہی شخص ہے جسے پیغمبر اکرم ﷺ نے مدینہ سے نکال دیا تھا اور مسلمانوں نے اسے ''طرید رسول اللہ'' کا لقب دیا تھا۔ مروان اسی کا بیٹا ہے اور بنی مروان (جنہیں یزید اور مروان کے بعد خلافت ملی اور جنہوں نے سنہ ۶۵ھ سے ۱۳۲ھ تک شام میں حکومت کی) اسی شخص کی نسل میں سے ہیں۔[1] بعض مؤلفین نے اس کا اچھے انداز سے تعارف کروایا ہے اور اس کے برے کاموں سے پردہ اٹھایا ہے اور انہوں نے اس کی رعشہ کی بیماری اور مدینہ سے نکالے جانے کا واقعہ بیان کیا ہے:

حکم بن عاص نے فتح مکہ کے سال مسلمانوں کی طاقت دیکھ کر ظاہری طور پر اسلام قبول کیا۔ لیکن اس کے دماغ میں ہمیشہ پیغمبر اکرم ﷺ کو تکالیف پہنچانے کے خیالات نشوونما پاتے تھے اور وہ مختلف صورتوں میں آنحضرت کو تکلیفیں پہنچاتا تھا۔ تاریخ کی کتابوں میں ذکر ہوا ہے کہ خصوصی خفیہ جلسوں کی تشکیل کے موقع پر یہ جاسوسی کی غرض سے کسی کونے میں چھپ جاتا تھا اور یہ مشرکین و منافقین کے بارے میں رسول اکرم ﷺ اور اصحاب کے منصوبوں سے آگاہ ہو کر اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کے برخلاف انہیں لوگوں میں پھیلا دیتا تھا یا دشمن کو ان کی اطلاع دے دیتا تھا۔

کبھی وہ پیغمبر اکرم ﷺ کے حجرے (جس کا دروازہ مسجد میں کھلتا تھا) کے پیچھے کان لگا کر سنتا تھا اور آنحضرت کی اپنے خاندان کے ساتھ کی جانے والی خصوصی باتیں سنتا تھا اور پھر انہیں منافقین کی محفلوں میں توہین اور تمسخرانہ انداز میں بیان کرتا تھا۔

کبھی وہ کچھ منافقین کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کے پیچھے پیچھے چلتا اور آنحضرت کے چلنے کے انداز کی نقل کرتا اور اپنے ہاتھوں اور سر کو ہلا کر مسخرانہ حرکتوں سے منافقین کو ہنساتا تھا۔

رسول اکرم ﷺ، حکم بن ابی العاص کے گفتار و کردار سے آگاہ تھے لیکن رحمت و بزرگواری کی وجہ سے بیان نہیں فرماتے تھے کہ شاید وہ متنبہ ہو جائے اور اپنا راستہ بدل کر برے کاموں کو چھوڑ دے، لیکن اس نے

---

[1] ۔ اعجاز پیامبر اعظم ﷺ در پیشگوئی از حوادث آئندہ: ۳۸۴.

رسول خداﷺ کے کرم اور برداشت کا الٹا اثر لیا اور روز بروز اس کی گستاخیاں بڑھتی گئیں اور وہ مزید جرأت کے ساتھ اپنی یہ نازیبا حرکات انجام دیتا رہا۔آخر کار نبی رحمتﷺ نے اس کے بارے میں اپنی روش کو بدلنے اور اس کے عمل کا ردّ عمل کے طور پر جواب دینے کا ارادہ کر لیا۔

ایک دن رسول اکرمﷺ راستہ سے گزر رہے تھے۔حکم بن ابی العاص آنحضرت کے پیچھے چل پڑا اور اس نے پہلے کی طرح سر اور ہاتھوں کو ہلا کر تمسخرانہ انداز سے مسخرہ کرنا شروع کر دیا اور اس کے ساتھ موجود منافقین ہنسنے لگے۔اچانک پیغمبر اکرمﷺ پیچھے مڑے اور حکم کے روبرو کھڑے ہو گئے اور شدت سے اس سے فرمایا:

كَذٰلِكَ فَلْتَكُنْ يَا حَكَمُ۔

اے حکم؛جس طرح ہو اسی طرح بن جاؤ۔

حکم بن ابی العاص چونک گیا اور کسی تیاری اور آگاہی کے بغیر ہی اسے رسول خداﷺ کے ردّ عمل کا سامنا کرنا پڑا۔پیغمبر اکرمﷺ کے روبرو ہونے اور آنحضرت کے سخن کو سننے کی وجہ سے اس پر ایسا اثر ہوا کہ وہ رعشہ کی بیماری میں مبتلا ہو گیا اور وہ جو حرکتیں تمسخرانہ انداز میں اپنے ارادہ و اختیار سے انجام دیتا تھا،اب وہی حرکتیں بیماری کی وجہ سے بے اختیاری میں انجام دینے لگا۔

اسے جاسوسی اور قانون و اخلاق کی خلاف ورزی کے جرم میں اجباری طور پر مدینہ سے شہر بدر کرکے طائف کی طرف بھیج دیا گیا۔[1،2]

حکم بن ابی العاص؛یہودیوں،مشرکوں اور منافقوں کا جاسوس

ابن ابی الحدید نے ''شرح نہج البلاغہ'' میں یہ بھی لکھا ہے: رسول اکرمﷺ کی رحلت کے وقت مروان تقریباً آٹھ سال کا تھا۔اور کہا گیا ہے:جب اس کے باپ کو طائف کی طرف نکال دیا گیا تو وہ بھی اس کے ساتھ تھا اور اس وقت وہ ایک بچہ تھا،جسے کسی چیز کی کوئی سمجھ بوجھ نہیں تھی اور مروان نے پیغمبر اکرمﷺ کو نہیں

---

[1]۔ناسخ التواریخ(حالات حضرت سجاد علیہ السلام):ج۱ص۳۰۷.

[2]۔اخلاق از نظر ہمزیستی وارزشھای انسانی:ج۱ص۳۸۲.

دیکھا تھا۔

رسول خداﷺ نے مروان کے باپ حکم کو مدینہ سے نکال کر طائف کی طرف بھیج دیا تھا اور وہ عثمان کو حکومت ملنے تک طائف میں ہی مقیم تھا، لیکن عثمان نے اپنے دور خلافت میں اسے مدینہ واپس بلایا۔

حکم اپنے بیٹے کے ساتھ عثمان کے زمانے میں واپس مدینہ آیا۔ حکم مدینہ میں مر گیا۔ عثمان نے مروان کو اپنا سیکرٹری بنالیا اور اسے اپنے ساتھ ملالیا اور عثمان کے قتل ہونے تک مروان اس پر غالب تھا۔

حکم بن ابی العاص (جو عثمان بن عفان کا چچا ہے) ان افراد میں سے تھا جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے اور ان کے دلوں کی محبت کو حاصل کرنے کے لئے انہیں مال و دولت سے نوازا جاتا تھا۔ عثمان کی حکومت کے زمانے میں اور اس کے قتل ہونے سے کچھ مہینے پہلے حکم مر گیا تھا۔

رسول خداﷺ کے حکم پر حکم بن ابی العاص کو مدینہ سے نکالے جانے پر اختلاف ہے۔ کہا گیا ہے: حکم اپنے مکر و فریب سے چھپ کر پیغمبر اکرمﷺ کی بزرگ اصحاب کے ساتھ کی جانے والی گفتگو کو سنتا تھا اور قریش کے مشرکین یا منافقین اور کفار کے بارے میں بنائے والے منصوبوں سے انہیں آگاہ کر دیتا تھا اور جب اس کا یہ عمل ثابت ہو گیا تو اسے مدینہ سے نکال دیا گیا۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے: وہ چھپ کر پیغمبر اکرمﷺ کی اپنی ازواج کے ساتھ کی جانے والی گفتگو سنتا تھا اور تمام ماجرے کو جاننے کی کوشش کرتا تھا کہ جس کا جاننا جائز نہیں ہے اور پھر وہ یہ سب باتیں مذاق اور مزاح کے طور پر منافقین کے سامنے نقل کیا کرتا تھا۔

کہتے ہیں: وہ کچھ تمسخرانہ حرکتوں سے پیغمبر اکرمﷺ کے چلنے کی نقل کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ پیغمبر اکرمﷺ چلتے وقت آگے کی طرف تھوڑا جھک کر چلتے تھے[1] اور حکم بن ابی العاص بھی چلتے وقت اسی طرح آپ کی نقل کرتا تھا۔ وہ پیغمبر اکرمﷺ سے بغض اور حسد رکھتا تھا۔ ایک دن رسول خداﷺ واپس پلٹے تو آپ نے اسے دیکھا کہ وہ آپ کے پیچھے چل رہا ہے اور اسی طرح تمسخرانہ انداز میں آپ کے چلنے کی نقل کر رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: اے حکم! ایسے ہی ہو جاؤ۔ اسی وقت سے حکم رعشہ کی بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ یہ موضوع عبدالرحمٰن بن حسان بن ثابت نے عبدالرحمٰن بن حکم سے خطاب میں منظوم صورت میں بیان کیا

---

[1] پیغمبر اکرمﷺ کے چلنے کی کیفیت کے بارے میں مزید جاننے کے لئے ترجمہ "طبقات ابن سعد: ۲۸۲" چاپ تہران، ۱۳۶۵ش، اور ترجمہ "دلائل النبوۃ بیہقی: ج۱ص۱۳۵" چاپ تہران، ۱۳۶۱ ش، اور اس پر پیغمبر اکرمﷺ کی لعنت کے بارے میں جاننے کے لئے "النہایۃ ابن اثیر: ج۱ص۳۱۰" کی طرف رجوع فرمائیں۔

ہے اور اس کی مذمت کی ہے: اپنے ملعون باپ کی ہڈیوں پر پتھر برساؤ اور فرض کرو کہ اگر تم پتھر برساؤ گے تو گویا تم نے ایک لرزنے اور کانپنے والے پاگل پر پتھر برسائے ہیں۔ وہ اس حالت میں چلتا تھا کہ اس کا پیٹ تقوا کے کاموں سے خالی اور ناپسندیدہ کردار سے بھرا ہوا تھا۔

''استیعاب'' کے مؤلف کہتے ہیں: عبدالرحمٰن بن حسان نے یہ جو کلام کہا ہے: ''تمہارا ملعون باپ'' اس کی یہ وجہ ہے کہ عائشہ سے ابو خیثمہ اور دوسروں کی مختلف اسناد اور سلسلوں سے روایت ہوا ہے:

جب مروان نے کہا: یہ آیت ''اور جس نے اپنے ماں باپ سے یہ کہا کہ تمہارے لئے حیف ہے کہ تم مجھے اس بات سے ڈراتے ہو کہ میں دوبارہ قبر سے نکالا جاؤں گا حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سی قومیں گزر چکی ہیں اور وہ دونوں فریاد کر رہے تھے کہ یہ بڑی افسوسناک بات ہے بیٹا ایمان لے آ۔ خدا کا وعدہ بالکل سچا ہے تو کہنے لگا کہ یہ سب پرانے لوگوں کے افسانے ہیں''[1] عبدالرحمٰن بن ابوبکر یعنی عائشہ کے بھائی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ عائشہ نے اس سے کہا: اے مروان! یہ تمہارے بارے میں نازل ہوئی ہے اور میں گواہی دیتی ہوں کہ رسول خداﷺ نے تمہارے باپ پر لعنت کی ہے جب کہ تم اس کی پشت میں تھے۔[2]

حکم بن عاص کی طرف سے پیغمبر اسلامﷺ پر روا رکھے جانے والے تمام ظلم و ستم اور اس کے لئے رسول خداﷺ کی تمام نفرت کے باوجود بہت سے اہلسنت علماء کی کتابوں کی بنا پر اہلسنت کے تیسرے خلیفہ عثمان کو اس سے بہت لگاؤ تھا! یہاں تک کہ اس نے آنحضرت کی خدمت میں سفارش کی کہ اسے اور اس کے بیٹے کو مدینہ واپس بلا لیا جائے لیکن آنحضرت نے اس کی بات کی طرف توجہ نہیں کی۔

رسول اکرمﷺ کی رحلت کے بعد اس نے ابوبکر اور پھر عمر سے بھی یہی درخواست کی۔ ان دونوں نے بھی اس کی درخواست قبول نہ کی، لیکن جب وہ خود خلیفہ بنا تو اس نے اسے مدینہ واپس بلا لیا اور اسے بہت سے پیسے اور مال عطا کیا اور اس کے بیٹے مروان کو اپنے کاتب کے طور پر مقرر کیا!

کتاب ''راھبرد اہلسنت بہ مسئلہ امامت'' میں لکھتے ہیں: پیغمبر اکرمﷺ نے حکم بن ابی العاص پر لعنت کی ہے، جو کہ مروان کا باپ ہے اور اسے مدینہ سے نکال کر طائف بھیج دیا گیا تھا۔ اگرچہ عثمان نے اس کے لئے بہت سفارش کی کہ آنحضرت اسے اور اس کی اولاد کو مدینہ آنے کی اجازت دے دیں لیکن آپ نے قبول نہ

---

[1] ۔ سورۂ احقاف، آیت: ۱۷۔

[2] ۔ جلوۂ تاریخ در شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج ۳ ص ۲۶۴۔

فرمایا۔آنحضرت کی رحلت کے بعد ابوبکر اور عمر نے بھی اس کی درخواست قبول نہ کی اور عثمان کی تمام تر التماس اور گزارش کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ یہاں تک کہ حکم ''طرید رسول اللہ'' کے لقب سے مشہور ہو گیا۔[1]

پس عثمان نے اپنی خلافت کے زمانے میں رسول خداﷺ کی مخالفت کی اور حکم کو اس کے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ واپس بلانے کے علاوہ انہیں بہت سا مال و منال عطا کیا اور مروان بن حکم کو اپنا کاتب مقرر کر دیا۔

پس امیر المؤمنین علی علیہ السلام، زبیر، طلحہ، سعد، عبدالرحمٰن اور عمار نے عثمان سے اس بارے میں گفتگو کی لیکن اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا اور اس نے جواب میں یہی عذر پیش کیا کہ میری حکم سے جو قرابت ہے اگر تمہیں میں سے کسی کی ایسی قرابت ہوتی اور جو طاقت میرے پاس ہے وہ تمہارے پاس ہوتی تو تم بھی اسے شہر میں داخل ہونے کی اجازت دے دیتے اور حالانکہ مدینہ کے لوگوں میں حکم سے بھی بدتر لوگ موجود ہیں! پھر وہ سب عثمان کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے۔[2،3]

اس خاندان کے بہت سے افراد پیغمبر اکرمﷺ اور آپ کی اہلبیت اطہار علیہم السلام کے دشمن تھے۔ جو حکم کا بھائی مغیرۃ بن عاص، آنحضرت کا سخت دشمن تھا، اس نے آنحضرت کو شہید کرنے کا ارادہ کیا ہوا تھا لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا، اسی طرح اس کا بھائی حکم بن عاص آنحضرت کی لعنت کا شکار ہوا اور آخر کار عمار کے ہاتھوں واصل جہنم ہو گیا۔

''نفائح العلّام فی سوانح الأیّام'' میں لکھتے ہیں:

مغیرۃ بن عاص پتھر پھینکنے میں بہت ماہر تھا اور اس کا نشانہ کبھی چونکتا نہیں تھا۔جب وہ احد کی طرف جا رہا تھا تو اس نے راستہ میں سے اپنے ساتھ تین پتھر اٹھا لئے اور کہا: ''**بهذه اقتل محمداً**'' میں انہی تین پتھروں سے محمد کو قتل کر دوں گا۔

پس جنگ کے دوران جب اس کی نظر رسول خداﷺ پر پڑی اور دیکھا کہ ''بیده السیف'' یعنی آپ کے دست مبارک میں تلوار ہے تو پہلے اس نے پیغمبر اکرمﷺ کے ہاتھ کا نشانہ لیا اور ان تین پتھروں میں سے

---

[1]۔تاریخ اسلام ذہبی: ج۳ص۳۶۵ اور ۳۶۶،الوافی بالوفیات: ج۱۳ص۱۱۲،الاصابۃ: ج۱ص۳۴۶، الاستیعاب: ج۱ص۳۱۷،عقد الفرید: ج۴ص۲۸، معارف ابن قتیبۃ: ۱۱۲اور ۱۱۹،شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج۱ص۱۹۸، ج۳ص۲۹،ج۶ص۱۴۹اور اسد الغابۃ: ج۲ص۳۴اور ۳۵.

[2]۔ اسد الغابۃ: ج۴ص۳۴۸، مختصر تاریخ دمشق: ج۲۴ص۱۷۲،، طبقات ابن سعد: ج۵ص۳۶،الشافی سید مرتضی: ج ۴ص۲۶۹اور شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج۳ص۳۰اور ۳۱.

[3]۔ راہبر اہلسنت بہ مسئلۂ امامت: ۳۴۹.

ایک پتھر پھینکا، وہ پتھر آنحضرت کے دست مبارک پر ایسا لگا کہ ''**سقط السیف من یدہ الشریفہ**'' آپ کے دست مبارک سے تلوار زمین پر گر گئی۔ اس نے چیخ کر کہا: لات و عزّیٰ کی قسم! محمد مارے گئے۔

اس خبیث کی آواز امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے کانوں تک پہنچی تو آپ نے فرمایا: ''**کذب لعنه الله**'' اس نے جھوٹ بولا ہے، خدا اس پر لعنت کرے۔ پیغمبر اکرم ﷺ قتل نہیں ہوئے۔

پھر اس ملعون نے دوسرا پتھر پھینکا ''**فَاَصَاب جَبْهَتَه**'' اور وہ پتھر آپ کی نورانی پیشانی پر لگا اور اس نے پروردگار کے محل سجود کو تکلیف پہنچائی۔

رسول خدا ﷺ نے اس لعین کے لئے بد دعا کی کہ خدایا! اسے حیران کر۔

لہٰذا جب کفار واپس لوٹے تو پیغمبر اکرم ﷺ کی بد دعا کی وجہ سے ابن عاص معرکہ میں حیران ہو گیا اور وہ وہاں سے فرار نہ کر سکا یہاں تک کہ عمار وہاں پہنچے اور اسے واصل جہنم کر دیا۔[1]

معاویہ ...کے بارے میں رسول خدا ﷺ کی پیشنگوئی

جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ مستقبل کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کی پیشنگوئیاں لوگوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لئے ہیں تا کہ لوگ گمراہ کرنے والے فتنوں سے آشنا ہو کر خود کو ہلاکت و گمراہی سے نجات دیں اور خاندان وحی علیہم السلام کی پناہ میں آ کر اور مکتب اہلبیت علیہم السلام کی پیروی کر کے فکری و روحانی سکون حاصل کریں اور اضطراب، پریشانیوں، وسوسوں اور نادانی سے محفوظ رہیں۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے یہ پیشنگوئیاں مختلف زمانوں میں متعدد خطابات اور مختلف مناسبتوں پر بیان فرمائیں۔ کبھی کلی صورت میں سب کے لئے آئندہ کی خصوصیات بیان فرمائیں اور اپنی رحلت کے زمانے سے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے قیام کے زمانے تک کے فتنوں اور امتحانات کو بیان کیا۔ نبی اکرم ﷺ اس زمانے اور اس کے بعد کے زمانے کے لوگوں کو ان میں گرفتار ہونے سے خبردار کرتے تھے اور کبھی کسی خاص موضوع اور خاص عنوان کو بیان فرماتے تھے اور اس بارے میں لوگوں کو خبردار کرتے تھے۔

---

[1]۔ نفائح العلّام فی سوانح الأیام: ج ۲ ص ۲۱۷۔

آپ کبھی کچھ خاص افراد کا نام لیتے اور لوگوں کو ان سے آشنا کرنے اور ان سے ہوشیار رہنے کے بارے میں بیان کرتے تاکہ لوگ آنحضرت کے فرمان کے نتیجہ میں راہ اور چاہ میں تشخیص دے سکیں اور تاریخ کے مکار افراد کی میٹھی زبان سے دھوکا نہ کھائیں۔

بعض معین اور مخصوص افراد کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کی کچھ پیشگوئیوں میں سے کچھ ایسے فرامین ہیں جو آپ سے جناب عمار کی شخصیت کے بارے میں روایت ہوئے ہیں اور ان میں لوگوں کو وہی راستہ اختیار کرنے کی طرف راغب کیا گیا ہے، جو راستہ جناب عمار نے منتخب کیا ہو۔

اس کے مقابل میں کچھ ایسے افراد کا بھی نام لیا گیا ہے کہ جن کی پیروی کرنے سے رسول خدا ﷺ نے سختی سے منع کیا ہے۔

اب اس روایت پر غور کریں:

ابن ابی الحدید کہتے ہیں: ابن دیزیل نے عبداللہ بن عمر سے، اس نے زید بن حباب سے، اس نے علاء بن جریر عنبری سے، اس نے حکم بن عمیر ثمالی (جس کی ماں ابوسفیان کی بیٹی ہے) سے نقل کیا ہے کہ ایک دن پیغمبر اکرم ﷺ نے اپنے اصحاب کی طرف دیکھ کر فرمایا:

اے ابوبکر! اگر تم خلیفہ بن گئے تو کیا کروگے؟

اس نے کہا: مجھے امید ہے کہ ہرگز ایسا نہیں ہوگا!

رسول خدا ﷺ نے فرمایا: اے عمر! اگر تم خلیفہ بن گئے تو کیا کروگے؟

اس نے کہا: اے کاش! میں سنگسار ہو جاؤں کہ اس صورت میں تو میں شر میں گرفتار ہو جاؤں گا۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: اے عثمان! اگر تم خلیفہ بن گئے تو کیا کروگے؟

عثمان نے کہا: میں خود بھی کھاؤں گا اور دوسروں کو بھی کھلاؤں گا، اموال تقسیم کروں گا اور ظلم و ستم نہیں کروں گا!

رسول خدا ﷺ نے فرمایا: یا علی! اگر آپ خلیفہ بن گئے تو کیا کریں گے؟

فرمایا: اپنے رزق و روزی اور قوت کے مطابق کھاؤں گا اور اپنے قبیلہ (مسلمان) کی حمایت کروں گا اور ایک خرما بھی ہو تو اسے تقسیم کروں گا اور ناموس کو پوشیدہ رکھوں گا۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے ہر ایک جلد ہی حاکم بنے گا اور جلد ہی خدا تمہارے اعمال کو دیکھے گا۔

پھر فرمایا: معاویہ ؛جب تم خلیفہ بنوگے تو کیا کروگے ؟

اس نے کہا: خدااور رسول بہتر جانتے ہیں !

فرمایا: تم ساری بربادی کی جڑاور بنیاد ہو اور ہر طرح کے مظالم کی کلید ہو۔ تم برے کام کو اچھااور اچھے کام کو برا شمار کروگے ؛جیساکہ بچہ بوڑھااور بوڑھا بچہ ہو جائے۔ تمہاری مدت تو کم ہو گی لیکن تمہارے مظالم بڑے ہوں گے !

اسی طرح ابن دیزیل نے عمر بن عون سے، اس نے ہیثم سے، اس نے ابوفلج سے، اس نے عمرو بن میمون سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا ہے: عبداللہ بن مسعود کہتا تھا: کیسا ہو گا کہ جب کسی ایسے فتنہ کو دیکھو کہ جس میں بوڑھا شخص بچہ اور بچہ بوڑھا ہو جائے اور وہ فتنہ اس طرح سے لوگوں میں پھیلے گا کہ وہ اسے سنت سمجھیں گے اور جب فتنہ بدل جائے تو کہا جائے گا یہ برا کام ہے۔

یعنی معاویہ اور اس کے جانشین دین میں بدعت ایجاد کریں گے کہ دین اپنی راہ سے خارج ہو جائے گا اور جب ان کی حکومت ختم ہو گی اور کوئی ان بدعتوں کو ختم کرنا چاہے گا تو لوگ ان بدعتوں سے اتنے مانوس ہو چکے ہوں گے کہ وہ انہیں ختم کرنے کو برا شمار کریں گے۔ جس طرح کہ جب عمر بن عبدالعزیز اپنی حکومت کے زمانے میں نمازوں کے خطبوں میں سے امیر المؤمنین علی علیہ السلام پر سبّ و شتم کو ختم کرے گا تو شام کے لوگوں نے اسے برا شمار کیا۔[1]

اس روایت میں ذکر ہونے والے پیغمبر اکرم ﷺ کے سوالوں کے جواب میں ابوبکر کی خواہش تھی کہ اسے حکومت نہ ملے، عمر نے اس تمنا کا اظہار کیا کہ اے کاش وہ سنگسار ہو جائے لیکن حاکم نہ بنے ورنہ وہ شر میں گرفتار ہو جائے گا اور عثمان نے کھانے کی بات کی اور کہا: میں خود بھی کھاؤں گا اور دوسروں کو بھی کھلاؤں گا.....۔

پہلے دونوں کی باتیں اس چیز پر گواہ ہیں کہ وہ خود کو حکومت کے لائق نہیں سمجھتے تھے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: میں اپنی قوت کے مطابق کھاؤں گا اور مسلمانوں کی حمایت کروں گا اور.....۔

معاویہ نے سوال کے جواب میں ٹال مٹول کی اور اپنے کردار کے بارے میں کچھ نہیں بتاتا۔

---

[1]۔ اعجاز پیامبر اعظم ﷺ در پیشگوئی از حوادث آئندہ: ۳۷۲.

یہ روایت معاویہ کے بھانجے حکم بن عمیر نے نقل کی ہے اور عمر کے بیٹے نے اسے دو واسطوں کے ذریعہ سے روایت کیا ہے۔

اس بناء پر عمر کے بیٹے کی یہ روایت کہ جس میں عمر خود کو خلافت کے لائق نہیں سمجھتا اور جس میں اس نے کہا ہے: اے کاش؛ میں سنگسار ہو جاؤں لیکن مجھے خلافت نہ ملے۔

اے کاش! خود کو مکتب اسلام کا پیروکار اور رسول اکرم ﷺ کا تابع سمجھنے والے تمام مسلمان اہل سنت کی کتابوں میں بھی نقل ہونے والی اس پیشنگوئی سے عبرت لیں اور اپنی آخرت کی اس فنا ہونے والی دنیا کے بدلے نہ بیچیں۔

رسول خدا ﷺ ہمیشہ منبع وحی سے کلام کرتے تھے لہٰذا آپ نے اس اہم پیشنگوئی میں (جس میں تمام مسلمانوں کے لئے بہت بڑا درس ہے) معاویہ کے پس پردہ چہرے اور اس کی مکاری و عیاری کو سب لوگوں پر عیاں کر دیا ہے۔

معاویہ کے بارے میں رسول خدا ﷺ کی ایک اور پیشنگوئی

رسول خدا ﷺ نے معاویہ کے بارے میں ایک دوسری پیشنگوئی بھی کی اور آپ نے یہ پیشنگوئی جناب ابوذر کے بارے میں بیان فرمائی۔ یہ ایک مفصل واقعہ ہے جسے ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں ذکر کیا ہے اور اس میں عثمان کے بدعنوانیوں کے بارے میں بھی اہم مطالب موجود ہیں۔ لہٰذا ہم اسے نقل کرتے ہیں:

عثمان پر اس کے جن کاموں کی وجہ سے اعتراضات کئے گئے تھے، ان میں سے ایک جناب ابوذر کو ربذہ کی طرف شہر بدر کر دینے کا واقعہ ہے۔ یہ بات ابوبکر احمد بن عبدالعزیز جوہری نے کتاب السقیفۃ میں عبدالرزاق سے، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے عکرمہ اور انہوں نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا ہے: جب ابوذر کو ربذہ کی طرف نکال دیا گیا تو عثمان نے حکم دیا کہ عام اعلان کر دیا جائے کہ کوئی بھی ابوذر سے ہم کلام نہ ہو اور نہ ہی انہیں وداع کہنے کے لئے آئے، اور مروان بن حکم کو حکم دیا کہ وہ ابوذر کو مدینہ سے باہر نکال دے۔

اس نے ایسا ہی کیا اور لوگوں نے ابوذر کی مدد کرنے سے اجتناب کیا لیکن حضرت امیر المؤمنین علی علیہ

السلام ،آپ کے بھائی جناب عقیل، حضرت امام حسن علیہ السلام ،امام حسین علیہ السلام اور جناب عمار یاسر، جناب ابوذر کے ساتھ شہر سے باہر آئے اور انہوں نے آپ کو وداع کیا۔

حضرت امام حسن علیہ السلام نے جناب ابوذر سے گفتگو کا آغاز کیا: مروان نے آنحضرت سے کہا: اے حسن! پیچھے ہٹو، کیا تم نہیں جانتے کہ امیر المؤمنین ! نے اس شخص سے بات کرنے سے منع کیا ہے؟! اگر نہیں جانتے تو اب جان لو۔

اسی وقت امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے مروان پر حملہ کیا اور تازیانہ سے اس کی سواری کے دونوں کانوں کے درمیان مار کر فرمایا: دور ہو جا کہ خدا تمہیں آگ میں ڈالے۔

مروان غصہ کے عالم میں عثمان کے پاس واپس لوٹ گیا اور عثمان سے سار واقعہ بیان کیا، اور پھر عثمان حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے ناراض ہو گیا!

جب جناب ابوذر کھڑے ہوئے تو آنحضرات نے انہیں وداع کیا۔ ام ہانی بنت ابوطالب کا آزاد کیا ہوا غلام "ذکوان" (جو حافظ حدیث تھا، قوی حافظہ کا مالک اور ابوذر کے ساتھ تھا) نے کہا ہے: میں نے امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی ابوذر سے ہونے والی گفتگو کو حفظ کر لیا ، جو یہ تھی:

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا:

اے ابوذر ! تم نے خدا کے لئے ناراضگی اختیار کی ہے، یہ قوم تم سے اپنی دنیا کے لئے خوفزدہ تھی اور تم ان سے اپنے دین و آخرت کے لئے خوفزدہ تھے، انہوں نے تمہیں اپنی دشمنی اور بغض کی وجہ سے مشکلات میں ڈالا اور ایسی مصیبت میں گرفتار کر دیا اور تمہیں ایسے خشک صحرا کی طرف بھیج دیا۔ خدا کی قسم ! اگر آسمان و زمین کسی بندے کے لئے بند ہو جائے اور وہ خدا سے ڈرے اور پرہیز گار رہے تو خداوند اس کے لئے ان دونوں سے باہر آنے کا راستہ فراہم کرے گا۔

اے ابوذر ! حق کے علاوہ کوئی چیز بھی تم سے مأنوس نہ ہو اور باطل کے علاوہ تم کسی چیز سے خوفزدہ نہ ہونا۔

پھر امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے اپنے ساتھ موجود افراد سے فرمایا: اپنے چچا سے خدا حافظی کرو۔

اور عقیل سے فرمایا: اپنے بھائی سے خدا حافظی کر لو۔

اس وقت عقیل نے گفتگو کی اور یوں کہا: اے ابوذر ! اب کیا کہیں ! تم جانتے ہو کہ ہم تم سے کتنی محبت کرتے ہیں اور تم بھی ہم کس قدر محبت کرتے ہو، خدا سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو کہ پرہیزگاری ہی کامیابی

ہے،اور صبر کرو کیونکہ صبر ہی کرامت ہے،اور جان لو کہ اگر تم نے صبر کو مشکل سمجھا تو یہ بے تابی کا سبب بنے گا،اور اگر عافیت آنے میں دیر سمجھو تو یہ ناامیدی ہے،اس لئے ناامیدی و بے تابی کو چھوڑ دو۔

پھر حضرت امام حسن علیہ السلام نے یوں فرمایا:

چچا جان! اگر ایسا نہ ہوتا اور یہ امر پسندیدہ نہ ہوتا کہ جو شخص خدا حافظی کہے وہ خاموش رہے اور وداع کرنے والا لوٹ جائے تو تمام غم واندوہ کے ساتھ کلام بھی مختصر ہو جاتا ہے۔آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس قوم نے آپ کے ساتھ کیا کیا؟! اور اب دنیا کو یاد کرنا چھوڑ دیں کہ اس کا انجام اچھا ہوگا اور امید سے اپنے لئے مشکلات کو حل کریں، صبر کریں تاکہ اپنے پیغمبر (ان پر اور ان کی آل پر خدا کا درود ہو) کا دیدار کریں اور وہ آپ سے راضی و خوشنود ہوں۔

پھر حضرت امام حسین علیہ السلام نے یوں فرمایا:

چچا جان! خداوند اس چیز پر قادر ہے، جو کچھ دیکھ رہے ہیں ؛ وہ اسے تبدیل کر دے اور وہ ہر روز ایک نئی شان والا ہے۔اس قوم نے اپنی دنیا کو آپ سے دور کیا اور آپ نے اپنا دین ان سے دور رکھا، انہوں نے آپ سے جو چیز دور کی آپ اس سے بے نیاز ہیں،اور آپ نے ان سے جو چیز دور کر دی انہیں اس کی شدید ضرورت ہے۔اب خدا سے صبر و نصرت طلب کریں، بے تابی نہ کریں اور خدا سے پناہ مانگیں کیونکہ صبر دین اور کرامت میں سے ہے اور لالچ حتی کہ ایک دن کو بھی مقدم نہیں کرتا اور بے تابی موت میں تاخیر نہیں کرتی۔

پھر جناب عمار یاسر نے غصے میں گفتگو کی اور یوں کہا: جس نے تمہیں مصیبت میں ڈالا! خدا اسے آرام و سکون نہ دے اور جس نے تمہیں ڈرایا ،خدا اسے امان نہ دے۔خدا کی قسم! اگر تم ان کی دنیا طلب کرتے اور ان کے ساتھ ہماہنگ ہوتے تو وہ تمہارے لئے دنیا فراہم کر دیتے اور اگر تم ان کے امور پر راضی ہوتے تو وہ تمہیں دوست رکھتے۔ کسی بھی چیز نے لوگوں کو تمہارے کلام اور اعتقاد سے باز نہیں رکھا مگر دنیا پر ان کی رضائیت اور موت سے خوف و بے تابی۔

وہ اس چیز کی طرف مائل ہو گئے کہ جس کی طرف ان کے بادشاہ مائل ہوتے ہیں، اور بادشاہی اسی کی ہے جو فاتح ہو۔[1] لوگوں نے اپنا دین انہیں بخش دیا اور اس قوم نے انہیں اپنی دنیا دے دی اور وہ اس دنیا اور اس دنیا میں نقصان اٹھانے والے بن گئے، بیشک یہ آشکار نقصان ہے۔

---

[1]۔ یہ ایک ضرب المثل ہے۔

جناب ابوذر جو کہ بوڑھے ہو چکے تھے، بہت روئے اور انہوں نے کہا: اے خاندان رحمت! خدا آپ پر رحمت کرے! میں جب بھی آپ لوگوں کو دیکھتا ہوں تو مجھے رسول خداﷺ کی یاد آتی ہے، مدینہ میں آپ کے علاوہ میرے لئے نہ تو کوئی سہارا اور آرام تھا اور نہ ہے۔ اب عثمان پر حجاز میں میرا وجود گراں گزر رہا ہے، جس طرح شام میں میرا وجود معاویہ پر گراں گزر رہا تھا۔ عثمان نہیں چاہتا تھا کہ میں اس کے بھائی اور خالہ زاد بھائی کے جوار میں ان دو شہروں میں سے ایک میں رہوں[1]، کیونکہ کہیں میں ان دو شہروں کے لوگوں کو ان کے خلاف نہ بھڑکاؤں۔ اس نے مجھے ایسی سرزمین کی طرف بھیج دیا ہے کہ جہاں خدا کے علاوہ کوئی میری نصرت کرنے والا اور میرا دفاع کرنے والا نہ ہوگا اور خدا کی قسم! میں خدا کے علاوہ کسی کی ہمنشینی نہیں چاہتا اور مجھے خدا کے علاوہ کسی کا خوف نہیں ہے۔[2]

سیرت نگاروں، مؤرخوں اور راویوں میں سے اکثر کا یہی خیال ہے کہ عثمان نے پہلے ابوذر کو شام کی طرف جلا وطن کر دیا تھا اور جب معاویہ نے ان کی شکایت کی تو انہیں واپس مدینہ بلا لیا اور چونکہ وہ جس طرح شام میں اعتراض کرتے تھے، اسی طرح انہوں نے مدینہ میں بھی اعتراضات کئے لہٰذا انہیں ربذہ کی طرف جلا وطن دیا گیا۔

اصل واقعہ کچھ یوں ہے: چونکہ عثمان نے مروان بن حکم اور دوسرے لوگوں کو بہت زیادہ مال عطا کیا تھا اور اس میں سے کچھ حصہ زید بن ثابت سے مخصوص کیا تھا، ابوذر گلی کوچوں میں لوگوں کے درمیان کہتے تھے۔ کافروں کو دردناک عذاب کا مزہ چکھاؤ اور بلند آواز سے یہ آیت پڑھتے تھے: "وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلاَ يُنفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ"۔[3]

اور جو لوگ سونے چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے۔ پیغمبر، آپ انہیں دردناک عذاب کی بشارت دے دیں۔

عثمان کو بارہا اس کی خبر دی گئی اور وہ خاموش رہا اور اس کے بعد عثمان نے اپنے ایک رشتہ دار اور اپنے

---

[1]۔ ظاہراً یہاں دو شہروں سے بصرہ اور مصر مراد ہیں۔ مصر کا حاکم عبداللہ بن سد بن ابی شرح کہ جو عثمان کا رضاعی بھائی تھا اور بصرہ کا حاکم عبداللہ بن عامر کہ جو عثمان کی خالہ کا بیٹا تھا، ان دونوں کے حالات زندگی، مشکلات اور گندے کردار کے بارے میں مزید جاننے کے لئے "اسد الغابۃ: ج ۳ ص ۱۷۴ اور ۱۹۲" کی طرف رجوع کریں۔

[2]۔ یہ واقعہ کتاب "السقیفۃ" (جوہری متوفی ۳۲۳ھ) میں تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔

[3]۔ سورۂ توبہ، آیت: ۳۴.

آزاد کئے ہوئے غلام کو ابوذر کے پاس بھیجا اور کہا: تمہارے بارے میں مجھ تک جو خبریں پہنچ رہی ہیں، اب ان سے دستبردار ہو جاؤ۔

ابوذر نے کہا: کیا عثمان مجھے کتاب خداوند کی تلاوت کرنے اور حکم خدا کو پامال کرنے والے کے عیب بیان کرنے سے منع کر رہا ہے؟ خدا کی قسم! اگر میں عثمان کی ناراضگی مول لے کر خداوند کریم کو راضی کر لوں تو یہ میرے لئے اس سے بہتر اور پسندیدہ ہے کہ میں عثمان کی رضائیت سے خدا کو ناراض کروں۔ یہ پیغام سن کر عثمان سخت غصہ میں آگیا اور اس نے اس بات کو ذہن نشین کر لیا جب کہ ظاہری طور پر وہ صبر سے کام لے رہا تھا، یہاں تک کہ ایک دن عثمان لوگوں کے درمیان تھا تو اس نے پوچھا: کیا امام کے لئے ایسا کرنا جائز ہے کہ وہ خدا کے مال سے کچھ قرض لے لئے اور پھر جب چاہئے اسے واپس کر دے؟

کعب الأحبار نے کہا: اس کام میں کوئی حرج نہیں ہے!

ابوذر نے کہا: اے دو یہودیوں کے بیٹے؛ کیا تم ہمارا دین ہمیں کو سکھا رہے ہو؟

عثمان نے ابوذر سے کہا: تم نے مجھے اور میرے دوستوں کو بہت اذیت پہنچائی ہے، اب بس تم شام کی طرف چلے جاؤ۔

عثمان نے جناب ابوزر کو مدینہ سے جلاوطن کر کے شام کی طرف بھیج دیا۔ ابوذر؛ معاویہ کے کرتوتوں کو بھی برا بھلا کہتے تھے۔ ایک دن معاویہ نے ان کے لئے تین سو دینار بھیجے۔

ابوذر نے معاویہ کے قاصد سے کہا: اگر یہ میرا مقرر شدہ مال ہے جس سے اس سال تم نے مجھے محروم رکھا تو میں یہ قبول کروں گا اور اگر یہ صلہ و بخشش ہے تو مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا اسے واپس لے جاؤ۔

اس کے بعد معاویہ نے دمشق میں سبز محل بنوایا! جناب ابوذر نے معاویہ سے کہا: اگر تم نے یہ محل خدا کے مال سے بنوایا ہے تو یہ خیانت ہے اور اگر تم نے اپنے مال سے بنوایا ہے تو یہ اسراف ہے۔

وہ شام میں کہتے تھے: خدا کی قسم! ایسے امور رونما ہوئے ہیں کہ جنہیں میں نہیں جانتا، اور خدا کی قسم! نہ تو وہ خدا کی کتاب میں ہیں اور نہ ہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں۔ خدا کی قسم! بیشک میں دیکھ رہا ہوں کہ چراغ حق بجھ جائے گا اور باطل زندہ ہو جائے گا اور میں اس سچے کو دیکھ رہا ہوں جسے جھٹلایا جائے گا اور بے تقویٰ لوگوں کو منتخب کیا جائے گا اور دوسروں کو نیک لوگوں پر ترجیح دی جاتی ہے۔

حبیب بن مسلمہ فہری نے معاویہ سے کہا: ابوذر تمہارے لئے شام کو تباہ کر دے گا، شام کے لوگوں سے

ملو اور اگر تمہیں شام کی ضرورت ہے تو اس کے بارے میں کچھ سوچو۔

ابو عثمان جاحظ کتاب ''السفیانیۃ'' میں جلام بن جندل غفاری سے نقل کرتے ہیں کہ اس نے کہا:

میں معاویہ کا غلام تھا اور عثمان کے زمانے میں مجھے قنسرین اور عواصم[1] میں مقرر کیا گیا تھا۔ ایک دن میں معاویہ کے پاس آیا تا کہ اس سے اپنے امور کے بارے میں پوچھوں، اچانک میں نے سنا کے معاویہ کے دربار کے دروازے پر کوئی چلا رہا تھا اور کہہ رہا تھا: اونٹوں کی یہ قطار پہنچ گئی جس پر آگ حمل کی جائے گی، خدایا! جو امر بہ معروف کرتے ہیں اور خود اس پر عمل نہیں کرتے اور جو نہی از منکر کرتے ہیں اور خود اسے انجام دیتے ہیں ان پر لعنت فرما۔

معاویہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، اس کا رنگ بدل گیا اور اس نے کہا: اے جلام! کیا تم اس چلانے والے شخص کو جانتے ہو؟

میں نے کہا: ہر گز نہیں۔

کہا: کون جندب بن جنادۃ سے میری جان چھڑا سکتا ہے؟ ہر روز وہ میرے دربار کے دروازے پر آتا ہے اور یہی بات کہتا ہے، جواب تم نے سنی ہے۔

پھر کہا: ابوذر کو میرے پاس لایا جائے۔

جناب ابوذر غفاری کو کچھ لوگ کھینچتے ہوئے لے کر آئے! اور انہیں معاویہ کے سامنے کھڑا کر دیا، معاویہ نے ان سے کہا: اے خدا اور رسول خدا کے دشمن! ہر دن تم میرے سامنے آتے ہو اور ایسے ہی کرتے ہو؟ بیشک اگر میں امیر المؤمنین عثمان! کی اجازت کے بغیر اصحاب محمد (ﷺ) میں سے کسی کو قتل کر سکتا تو بلا شک و شبہ میں تمہیں قتل کر دیتا، اور اب میں تمہارے بارے میں اس سے اجازت لے لوں گا!

جلام کہتا ہے: میں ابوذر کا دیدار کرنا چاہتا تھا چونکہ وہ میری قوم میں سے تھے، جب میں نے انہیں دیکھا تو مجھے گندمی رنگ کا ایک کمزور شخص نظر آیا جن کے چہرے کی ہڈیاں بھی ظاہر تھیں اور کمر جھکی ہوئی تھی۔

انہوں نے معاویہ کی طرف رخ کیا اور کہا: میں خدا اور رسول خدا ﷺ کا دشمن نہیں ہوں؛ بلکہ تو اور تیرا باپ، تم دونوں خدا اور رسول خدا ﷺ کے دشمن ہو، جنہوں نے ظاہری طور پر اسلام قبول کیا اور اپنے کفر کو چھپا لیا اور رسول خدا ﷺ نے تم پر لعنت کی ہے اور کئی بار تم پر نفرین کی ہے کہ تمہارا کبھی پیٹ نہ بھرے

---

[1]۔ واصم، حلب کے نزدیک ایک قلعہ ہے۔ معجم البلدان: ج۶ ص ۲۳۷.

اور میں نے خود سنا کہ رسول خداﷺ نے فرمایا:

جب بھی موٹی آنکھوں والا اور موٹی گردن والا (جو کھاتا رہے گا لیکن کبھی سیر نہیں ہوتا) شخص میری امت کا حکمران بن جائے تو میری امت کو اس سے ہوشیار رہنا چاہئے۔

معاویہ نے کہا: میں وہ شخص نہیں ہوں۔

ابوزر نے کہا: نہیں! تم ہی وہ شخص ہو، رسول خداﷺ نے مجھے اس بارے میں بتایا ہے اور ایک بار تم آنحضرت کے پاس سے گزرے تھے تو میں سنا کہ آنحضرت نے فرمایا:

اے خدا! اس پر لعنت فرما اور اسے خاک کے علاوہ کسی اور چیز سے سیر نہ فرما۔

اور میں نے پیغمبر اکرمﷺ سے یہ بھی سنا کہ آپ نے فرمایا:

معاویہ کا ٹھکانا جہنم میں ہے۔

معاویہ ہنسا اور اس نے ابوذر کو قید کرنے کا حکم دیا اور اس کے بارے میں عثمان کو لکھا۔

عثمان نے معاویہ کے جواب میں لکھا: جندب کو منہ زور اور سرکش ترین سواری پر بٹھا کر میرے پاس بھیج دو اور اسے کسی ایسے شخص کے ساتھ بھیجو کہ جو شب و روز اسے تکلیف پہنچاتا رہے!

معاویہ نے ابوزر کو ایک بوڑھے اونٹ پر پالان کے بغیر سوار کیا اور اسے مدینہ بھیج دیا جب کہ ان کی ران کا گوشت راستے کی سختیوں کی وجہ سے الگ ہو گیا تھا۔

جب ابوذر مدینہ پہنچے تو عثمان نے انہیں پیغام دیا: تم جہاں جانا چاہو چلے جاؤ۔

جناب ابوذر نے کہا: کیا میں مکہ کی طرف چلا جاؤں؟

عثمان نے کہا: نہیں۔

ابوذر نے کہا: بیت المقدس کی طرف چلا جاؤں؟

کہا: نہیں۔

کہا: کیا میں ان دو شہروں میں سے کسی ایک کی طرف چلا جاؤں؟

عثمان نے کہا: نہیں بلکہ میں خود تمہیں ربذہ کی طرف جلاوطن کر رہا ہوں۔

عثمان نے ابوذر کو ربذہ کی طرف جلاوطن کر دیا اور وہ آخر تک وہیں تھے، یہاں تک کہ ان کا انتقال ہو گیا۔

واقدی کی روایت میں ذکر ہوا ہے کہ جب ابوذر، عثمان کے پاس آئے تو عثمان نے ان کے لئے ایک شعر پڑھا، جو یوں تھا: خداوند قین کی آنکھوں کو کبھی روشن نہ کرنا اور کبھی اسے خوبصورتی نہ دینا اور جب بھی ہمارا آمنا

سامنا ہوتا ہے تو ہمارا تحیت و سلام غصہ اور ناراضگی ہے۔

ابوذر نے کہا: میرا کبھی بھی ''قین'' نام نہیں تھا۔

دوسری روایت میں آیا ہے کہ عثمان نے ابوذر کے نام کو مصغّر کیا اور کہا: اے جنیدب! خدا تمہاری آنکھوں کو کبھی روشن نہ کرے۔

ابوذر نے کہا: میرا نام جندب ہے اور رسول خداﷺ نے مجھے ''عبداللہ'' کا نام عطا کیا ہے اور میں نے اپنے لئے وہی نام منتخب کیا ہے، جو نام پیغمبرﷺ نے مجھے دیا ہے۔

عثمان نے کہا: تم وہی ہو جس کا یہ خیال ہے کہ ہم نے کہا ہے: خدا کے ہاتھ بندھے ہیں اور خداوند فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں؟

ابوذر نے کہا: اگر تم لوگوں کا ایسا عقیدہ نہ ہوتا تو خدا کا مال خدا کے بندوں پر خرچ کرتے، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول خداﷺ سے سنا تھا کہ آپ نے فرمایا:

جب ابوالعاص کے بیٹوں کی تعداد تیس تک پہنچ جائے تو وہ خدا کے مال کو اپنا مال، خدا کے بندوں کو اپنا غلام اور خدا کے دین کو تباہی کا وسیلہ قرار دیں گے۔[1]

عثمان نے حاضرین سے کہا: کیا تم نے یہ بات رسول خداﷺ سے سنی ہے؟

انہوں نے کہا: نہیں

عثمان نے کہا: ابوذر؛ وای ہو تم پر! تم رسول خداﷺ کی طرف جھوٹ کی نسبت دے رہے ہو؟

ابوذر نے لوگوں کی طرف رخ کرکے کہا: کیا تم نہیں جانتے کہ میں سچ بولتا ہوں؟!

انہوں نے کہا: خدا کی قسم! نہیں۔

عثمان نے کہا: علی (علیہ السلام) کو میرے پاس بلاؤ اور جیسے ہی امیر المؤمنین علی علیہ السلام آئے تو عثمان نے ابوذر سے کہا: ابوالعاص کے بیٹوں کے بارے میں اپنی حدیث علی (علیہ السلام) سے بیان کرو۔

ابوذر نے وہ حدیث دوبارہ بیان کی۔

عثمان نے امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے کہا: کیا آپ نے رسول خداﷺ سے یہ حدیث سنی ہے؟

فرمایا: نہیں؛ لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ ابوذر سچ بول رہے ہیں۔

---

[1]۔ یہ حدیث ''النہایۃ ابن اثیر: ج ۲ ص ۱۸۸ اور ۱۴۰'' میں بھی ذکر ہوئی ہے۔

عثمان نے کہا: تم اس کی سچائی سے کیسے آگاہ ہو؟

فرمایا: میں نے خود رسول خداﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: آسمان نے ابوذر سے زیادہ کسی سچے انسان پر سایہ نہیں کیا اور زمین نے اس سے زیادہ کسی سچے انسان کو خود پر حمل نہیں کیا۔[1]

وہاں پر موجود لوگوں نے کہا: ہم سب نے یہ حدیث رسول خداﷺ سے سنی ہے۔

ابوذر نے کہا: میں تمہارے لئے پیغمبر اکرمﷺ سے سنی حدیث بیان کرتا ہوں لیکن تم مجھ پر تہمت لگاتے ہو، میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میں ایسی زندگی گزاروں گا کہ مجھے اصحاب محمدﷺ سے ایسا سننے کو ملے گا!

واقدی نے ایک دوسری روایت میں اپنی سند سے صہبان (اسلمیوں سے وابستہ) سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا ہے: جس دن ابوذر کو عثمان کے پاس لائے تو میں نے دیکھا کہ عثمان نے ابوذر سے کہا: تم وہی ہو کہ جس نے یہ یہ کام کئے ہیں؟

ابوزر نے کہا: میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں اور تم سوچ رہے ہو کہ میں خیانت کر رہا ہوں، میں تمہارے دوستوں کو نصیحت کر رہا ہوں جیسا کہ وہ سوچتے ہیں۔

عثمان نے کہا: تم جھوٹ بول رہے ہو، تم فتنہ برپا کرنا چاہتے ہو اور فتنہ طلب ہو اور تم نے ہمارے لئے شام کو تباہ کر دیا ہے!

ابوذر نے کہا: اپنے وودوستوں کی روش کی پیروی کرو تا کہ کوئی بھی تم پر بات نہ کرے۔

عثمان نے کہا: اے بے مادر! تمہارا اس بات سے کیا سروکار ہے؟

ابوذر نے کہا: خدا کی قسم! میرے پاس امر بہ معروف اور نہی از منکر کے علاوہ کوئی دلیل نہیں ہے۔

عثمان نے غصہ کے عالم میں ان سے کہا: اس بوڑھے اور جھوٹے آدمی کے بارے میں میری رہنمائی کرو کہ میں اس کا کیا کروں؟ اسے ماروں، قید میں ڈال دوں، قتل کر دوں یا اسے اسلامی ممالک سے نکال دوں کہ اس نے مسلمانوں کی جماعت کو منتشر کر دیا ہے؟!

امیر المؤمنین علی علیہ السلام وہاں موجود تھے، آپ نے فرمایا:

---

[1]۔ یہ حدیث شیعہ اور سنیوں کی مختلف کتابوں میں آئی ہے۔ بحار الانوار مرحوم علامہ مجلسی: ج ۲۲ ص ۳۹۳، نئی چاپ کہ جس میں مختلف منابع بھی لائے گے ہیں اور النہایۃ ابن اثیر: ج ۲ ص ۴۲۔

میں اس بارے میں تمہاری اس طرح سے رہنمائی کرتا ہوں کہ جس طرح مؤمن آل فرعون نے کہا: ''اور اگر جھوٹا ہے تو اس کے جھوٹ کا عذاب اس کے سر ہوگا اور اگر سچا نکل آیا تو جن باتوں سے ڈرا رہا ہے وہ مصیبتیں تم پر نازل بھی ہو سکتی ہیں۔ بیشک اللہ کسی زیادتی کرنے والے اور جھوٹے کی رہنمائی نہیں کرتا ہے''۔[1]

عثمان نے امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو بہت تند جواب دیا اور آنحضرت نے بھی ویسا ہی جواب دیا اور ہم ان دونوں جوابوں کا تذکرہ نہیں کرتے کیونکہ ان میں مذمت کی گئی ہے۔

واقدی کہتا ہے: اس کے بعد عثمان نے لوگوں کو ابوذر کے ساتھ اٹھنے بیٹھے اور گفتگو کرنے سے منع کر دیا اور انہوں نے کچھ عرصہ اسی طرح گزارا۔ پھر انہیں عثمان کے پاس لایا گیا اور جب وہ عثمان کے سامنے کھڑے ہوئے تو انہوں نے عثمان سے کہا: اے وای ہو تم پر! کیا تم نے رسول خداﷺ، ابوبکر اور عمر کو نہیں دیکھا؟ کیا تمہارا طریقۂ کار انہیں کے طریقۂ کار کی طرح ہے؟ تم مجھ پر اس طرح ظلم و ستم کر رہے ہو جس طرح ظالم ظلم کرتے ہیں۔

عثمان نے کہا: میرے سامنے سے اور میری ریاستوں سے دور چلے جاؤ۔

ابوذر نے کہا: ہاں؛ تمہاری ہمسائیگی میرے لے کتنی ناخوشگوار ہے، بتاؤ میں کہاں چلا جاؤں؟

کہا: جہاں چاہو چلے جاؤ۔

ابوذر نے کہا: شام چلے جاؤں، جو جہاد کی سرزمین ہے؟

عثمان نے کہا: میں نے تمہیں شام سے یہاں اسی لئے بلایا تھا کہ تم نے شام کو تباہ کر دیا تھا اور اب میں تمہیں دوبارہ وہیں بھیج دوں؟

ابوذر نے کہا: عراق چلا جاؤں؟

کہا: نہیں، اگر تم عراق چلے گے تو تم ایسی قوم کے پاس چلے جاؤ گے جو رہبروں اور حکمرانوں پر شک و شبہ کرتے ہیں اور انہیں طعنہ دیتے ہیں۔

ابوذر نے کہا: کیا میں مصر کی طرف چلا جاؤں؟

عثمان نے کہا: نہیں۔

ابوزر نے کہا: تو پھر میں کہاں جاؤں؟

---

[1]۔ سورہ غافر، آیت: ۲۸۔

کہا: صحرا کی طرف چلے جاؤ۔

ابوذر نے کہا: تم کہتے ہو کہ ہجرت کے بعد پھر سے عرب صحرا نشین ہو جائیں؟

کہا: ہاں!

ابوذر نے کہا: میں نجد کے بادیہ کی طرف جا سکتا ہوں؟

عثمان نے کہا: نہیں؛ مشرق سے دو چلے جاؤ اور اس راستہ سے جاؤ اور ربذہ سے آگے مت جاؤ۔

جناب ابوذر ربذہ کی طرف چلے گئے۔

واقدی نے اسی طرح مالک بن ابی الرجال اور موسی بن مسیرۃ سے نقل کیا ہے کہ ابوالأسود دئلی نے کہا ہے:

میں ابوذر کو دیکھنا چاہتا تھا تاکہ میں ان سے ربذہ کی طرف جانے کا سبب پوچھوں؛ میں ان کے پاس گیا اور میں نے کہا: کیا آپ مجھے بتائیں گے کہ آپ مدینہ سے اپنی مرضی سے چلے آئے ہیں یا کسی نے آپ کو آنے پر مجبور کیا ہے؟

کہا: میں مسلمانوں کی ایک سرحد کے کنارے پر تھا اور دفاع کر رہا تھا، میں مدینہ واپس گیا اور میں نے کہا کہ یہ ہجرت اور میرے دوستوں کی جگہ ہے اور میں مدینہ سے بھی یہاں آ گیا کہ تم دیکھ رہے ہو۔

پھر کہا: پیغمبر اکرم ﷺ کے زمانے میں ایک رات میں مسجد میں سو رہا تھا کہ پیغمبر اکرم ﷺ میرے پاس سے گزرے اور اپنے پاؤں سے مجھے مارا اور فرمایا: میں یہ نہ دیکھوں کہ مسجد میں ہی سو رہے ہو۔

میں نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں! مجھ پر نیند نے غلبہ کر دیا تھا اور آنکھ لگ گئی اور میں مسجد میں ہی سو گیا۔

فرمایا: تم اس وقت کیا کرو گے جب تمہیں اس مسجد سے نکال کر جلاوطن کر دیا جائے گا؟

میں نے کہا: میں اس صورت میں شام چلا جاؤں گا، جو مقدس سرزمین اور جہاد کی جگہ ہے۔

فرمایا: اگر تمہیں شام سے بھی نکال دیں تو تم کیا کرو گے؟

میں نے کہا: میں اسی مسجد میں واپس آ جاؤں گا۔

فرمایا: اگر پھر تمہیں اس مسجد سے نکال دیں تو کیا کرو گے؟

میں نے کہا: میں اپنی تلوار نکال کر ان کے ساتھ لڑوں گا۔

فرمایا: کیا اس کام میں تمہاری رہنمائی کروں؟ وہ تمہیں جہاں کھینچیں ان کے ساتھ چلے جاؤ اور ان کے

فرمانبردا بنو اور ان کی سنو۔

میں نے سنا اور اطاعت کی اور اب بھی سن رہا ہوں اور اطاعت کر رہا ہوں ،اور خدا کی قسم ! عثمان اس حال میں خدا سے ملے گا جب کہ وہ میرا مجرم ہوگا۔[1]

اس گذشتہ واقعہ میں جناب ابوذر نے معاویہ کے مستقبل کے بارے میں پیغمبر اکرم ﷺ سے تین روایات نقل کی ہیں جو معاویہ کے گمراہ ہونے ،لعنت و نفرین کے حقدار ہونے اور عذاب جہنم کے مستحق ہونے کی واضح دلیل ہیں۔

ان سب کے باوجود رسول خدا ﷺ کی سنت کی پیروی کرنے کا دعویٰ کرنے والوں میں سے کچھ لوگ معاویہ کو کیوں پسند کرتے ہیں ؟!

کیا پیغمبر اکرم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا: ''امت کو اس سے ہوشیار رہنا چاہئے''؟

کیا انہیں سب سے زیادہ سچے شخص یعنی جناب ابوذر کی باتوں پر بھی یقین نہیں ہے؟!

کیا عثمان نے رسول خدا ﷺ کے محبوب ترین صحابی جناب ابوذر کو اس شہر سے، اس دیار میں صرف اس لئے جلاوطن نہیں کر دیا تھا کہ وہ عثمان پر اعتراض کرتے تھے کہ عثمان اپنے داماد مروان اور اپنے دوسرے چہیتے لوگوں کو بیت المال سے مال عطا کرتا تھا؟!

کیا عثمان کا یہ فعل بھی سنت رسول خدا ﷺ کی پیروی تھا؟!

کیوں عثمان نے معاویہ کو شام کی حکمرانی پر باقی رکھا جب کہ رسول خدا ﷺ نے بارہا اس پر لعنت و نفرین کی ہے؟ رسول خدا ﷺ کے فرمان کی رو سے کیا عثمان کو اس کا پیٹ چیر دینا چاہئے تھا یا اسے گورنر بنانا چاہئے تھا؟

ان سوالوں کے جوابات جاننے کے لئے پیشنگوئیوں کے ان واقعات کی طرف توجہ کریں:

---

[1]۔ جلوۂ تاریخ در شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج ۴ ص ۲۰۴.

معاویہ کے بارے میں رسول خداﷺ کی ایک دوسری پیشنگوئی

یونس بن خباب نے انس بن مالک سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: میں رسول خداﷺ کے ساتھ تھا، علی علیہ السلام بھی میرے ساتھ تھے، ہم ایک باغ کے پاس سے گزرے تو علی علیہ السلام نے فرمایا:

یارسول اللہ ﷺ! آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ کتنا خوبصورت باغ ہے؟

پیغمبر ﷺ نے فرمایا: اے علی! جنت میں تمہارا باغ اس سے کہیں زیادہ آباد ہے۔

ہم سات باغات کے پاس سے گزرے، علی علیہ السلام نے ہر بار وہی بات کی اور رسول خداﷺ نے بھی وہی جواب دیا۔ پھر پیغمبرﷺ کھڑے ہوئے تو ہم بھی کھڑے ہو گئے، پیغمبر خداﷺ اپنا سر مبارک علی علیہ السلام کے کندھے پر رکھ کر رونے لگے۔ علی علیہ السلام نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! آپ کس وجہ سے رو رہے ہیں؟

فرمایا: ایک قوم کے دل میں اتنا بغض و کینہ ہے کہ وہ تمہارے لئے آشکار نہیں کرتے مگر میرے جانے کے بعد وہ اپنا کینہ آشکار کریں گے۔

علی علیہ السلام نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! کیا میں کندھے پر تلوار نہ رکھ لوں اور انہیں نیست و نابود نہ کردوں؟

فرمایا: بہتر یہ ہے کہ صبر کرو۔

کہا: اگر میں صبر کروں تو کیا ہوگا؟

فرمایا: تمہیں مشکلات اور مشقّت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

کتاب ''الغارات'' کے مؤلف نے اعمش سے اور انہوں نے انس بن مالک سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے پیغمبر اکرمﷺ سے سنا کہ آپ نے فرمایا:

جلد ہی میری امت کا ایک شخص حاکم بنے گا، جس کا گلا اور پیٹ موٹا ہوگا، وہ بہت زیادہ کھائے گا لیکن اس کا پیٹ نہیں بھرے گا، اس کے کندھوں پر جن وانس کے گناہ ہوں گے، ایک دن وہ ریاست کی جستجو کرے گا اور جب بھی اسے ریاست مل گئی تو اس کا پیٹ چیر دینا۔

وہ کہتا ہے: اس وقت رسول خداﷺ کے ہاتھ میں چھڑی تھی اور آپ اس کے ذریعہ معاویہ کے پیٹ کی طرف اشارہ کر رہے تھے۔

نیز ابو جعفر اسکافی۔صاحب کتاب ''المعیار والموازنۃ''۔کہتے ہیں:ایک دن پیغمبر اکرم ﷺ حضرت فاطمہؑ زہرا علیہا السلام کے گھر تشریف لائے،امیر المؤمنین علی علیہ السلام سو رہے تھے،حضرت فاطمہؑ زہرا علیہا السلام نے آپ کو اٹھانا چاہا تو پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا:

انہیں سونے دو کیونکہ انہیں میرے بعد بہت لمبی راتیں جاگ کر گزارنی ہیں،ان سے بغض وکینہ رکھنے کی وجہ سے میرے خاندان پر کیا کیا ظلم وستم کیا جائے گا۔

حضرت فاطمہؑ زہرا علیہا السلام روئیں تو پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا:

مت رو!تم دونوں میرے ساتھ ہوگے اور میرے نزدیک صاحب شرف وکرامت ہو۔

ابو سعید خدری کہتے ہیں:ایک دن پیغمبر اکرم ﷺ اپنے بعد علی علیہ السلام پر ٹوٹنے والی مصائب، مشکلات اور مصیبتوں کو بیان کر رہے تھے اور اس بارے میں آپ نے بہت وضاحت کی،امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے عرض کیا:

یا رسول اللہ!میں آپ کو آپ کے اہلبیت کے حق کی قسم دیتا ہوں کہ خدا کی بارگاہ میں دعا کریں اور یہ طلب کریں کہ آپ سے پہلے میری روح قبض کی جائے۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا:یہ کیسے ممکن ہے کہ میں تمہاری مدتِ حیات کے بارے میں سوال کروں، جو مقدر ومقرر ہو چکی ہے؟

علی علیہ السلام نے فرمایا:یا رسول اللہ!آپ نے مجھے جن سے جنگ کرنے کا حکم دیا ہے میں ان کے ساتھ کس سلسلہ میں جنگ کروں؟

فرمایا:جب وہ دین میں بدعتیں پیدا کریں۔[1]

اس روایت کے مطابق معاویہ کے کندھوں پر جنّ وانس کے گناہوں کا بوجھ ہے اور لوگوں کی یہ ذمہ داری تھی کہ جب بھی وہ انہیں ملتا وہ اس کا پیٹ پھاڑ دیتے!

روایت کے آخری حصہ سے یہ استفادہ کیا جاتا ہے کہ حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی معاویہ سے جنگ دین میں پیدا کی گئی اس کی بدعتوں کی وجہ سے تھی اور امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے رسول خدا ﷺ کے حکم پر اس سے جنگ کی ہے۔

---

[1]۔ اعجاز پیغمبر اعظم ﷺ در پیشگوئی از حوادث آئندہ:۳۸۰.

اہل سنت کے چوتھے خلیفہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے معاویہ سے جنگ کی ، لیکن اہلسنت کے دوسرے تین خلفاء نے کیوں معاویہ سے دوستی رکھی اور حتی دو خلفاء نے تو اسے شام کے حکمرانی بھی دے دی؟!

کیا ان کے اس عمل نے اسے حجاز پر قبضہ کرنے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر پر بیٹھے کا موقع فراہم نہیں کیا ہے؟

معاویہ کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک اور پیشنگوئی

نصر نے عبدالعزیز سے، حبیب بن ابی ثابت اور منذر بن ثوری سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا: محمد بن حنفیّہ کہتے تھے: فتح مکہ کے دن جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی فوج کے ساتھ درّہ کے اوپر اور نیچے سے مکہ میں داخل ہو رہے تھے اور سپاہ اسلام نے پورے درّہ کو گھیر لیا تھا تو یہ دونوں (ابوسفیان اور معاویہ) تسلیم ہوئے تا کہ اپنے لئے ساتھی فراہم کر سکیں۔

اسی طرح نصر نے حکم بن ظہیر ،اسماعیل ، حسن بصری اور نیز حکم کے قول سے، عاصم ابی النجود سے، زر بن جیش سے اور عبداللہ بن مسعود سے نقل کیا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جب بھی معاویہ بن ابی سفیان کو دیکھو کہ وہ میرے منبر پر بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے تو اس کی گردن اڑا دو۔

حسن بصری کہتا ہیں: خدا کی قسم !انہوں نے ایسا نہیں کیا اور کامیاب نہیں ہوئے۔[1]

---

[1]۔ابن ابی الحدید حسن بصری کے بارے میں کہتے ہیں: وہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے دشمنی رکھتا تھا اور لوگوں کو امام علیہ السلام کی مدد کرنے سے روکتا تھا۔ وہ وسوسہ میں مبتلا تھا۔ ایک دن وضو کرتے وقت اپنے ہاتھوں اور پاؤں پر بہت زیادہ پانی ڈال رہا تھا تو، امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے اسے دیکھا اور فرمایا: اے حسن ! تم بہت زیادہ پانی گرا رہے ہو؟

اس نے کہا: امیر المؤمنین علیہ السلام نے مسلمانوں کا جو خون زمین پر بہایا ہے، وہ اس سے کہیں زیادہ ہے!

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے پوچھا: کیا اس کام نے تمہیں غمگین کیا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔

آپ نے فرمایا: ہمیشہ اسی طرح غمگین ہی رہو۔

کہتے ہیں: اس کے بعد حسن بصری مرتے دم تک غمگین اور بدمزاج تھا۔

اسی طرح نصر بن مزاحم اپنی کتاب ''صفین'' میں کہتے ہیں: جنگ صفین کے دوران ایک شخص نے عمار یاسر سے کہا: اے ابوالیقظان! کیا پیغمبر ﷺ نے نہیں فرمایا تھا کہ لوگوں کے ساتھ جنگ کرو یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں اور جب وہ مسلمان ہو جائیں تو ان کا خون اور مال محفوظ ہے؟

عمار نے کہا: ہاں! ایسا ہی ہے، لیکن خدا کی قسم! یہ مسلمان نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے ظاہری طور پر اسلام قبول کیا اور ان کے سینوں میں کفر پوشیدہ ہے تا کہ اسلام کا اظہار کر کے انہیں ساتھی مل جائیں۔[1]

اس واقعہ میں رسول خدا ﷺ نے مدینہ پر معاویہ کے تسلط اور اس کے آنحضرت کے منبر پر بیٹھنے کی پیشنگوئی فرمائی اور لوگوں کو حکم دیا کہ جب بھی تم لوگ دیکھو کہ معاویہ میرے منبر پر بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے تو اسے مار دو۔ لیکن افسوس پیغمبر کے اس حکم پر بھی عمل نہ ہوا۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان ہو جائے تو اس کا خون اور مال محفوظ ہے اور قابل احترام ہوتا ہے، اس بناء پر پیغمبر اکرم ﷺ کا معاویہ کو قتل کرنے کا حکم دینا اس چیز کی دلیل ہے کہ معاویہ ایمان نہیں لایا تھا اور اسی طرح اپنے کفر پر باقی تھا۔

اب ہم جو واقعہ بیان کریں گے وہ اسی حقیقت کی دلیل ہے کہ معاویہ اور ابوسفیان کے ظاہری طور پر اسلام قبول کرنے کے بعد بھی پیغمبر اسلام نے ان پر لعنت و نفرین کی ہے۔

معاویہ کے بارے میں رسول خدا ﷺ کی دو مزید پیشنگوئیاں

ابو عبداللہ بصری متکلّم معتزلی نے نصر بن عاصم لیثی اور ان کے والد سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے تھے: ہم رسول خدا ﷺ کی مسجد میں داخل ہوئے، ہم نے دیکھا کہ لوگ کہہ رہے ہیں: ہم خدا اور رسول خدا ﷺ کے غضب سے پناہ مانگتے ہیں۔

ہم نے کہا: کیا ہوا ہے؟

انہوں نے کہا: ابھی معاویہ اٹھا اور اس نے ابوسفیان کا ہاتھ پکڑا اور وہ دونوں مسجد سے باہر چلے گئے۔ اسی وقت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

[1]۔ اعجاز پیغمبر اعظم ﷺ در پیشگوئی از حوادث آئندہ: ۳۷۷.

خداوند تابع و متبوع پر لعنت کرے! میری امت کو اس معاویہ کی طرف سے کتنے سخت دن دیکھنے پڑیں گے!

نیز علاء بن حریز قشیری نے روایت کی ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے معاویہ سے فرمایا:

اے معاویہ! بیشک تم بدعت کو سنت اور برائیوں کو پسندیدہ بنا دوگے، تمہاری خوراک بہت زیادہ اور تمہارے ظلم بہت بڑے ہوں ہیں۔[1]

پہلی پیشنگوئی میں رسول خدا ﷺ نے ابوسفیان اور معاویہ پر اپنی لعنت کی ہے اور معاویہ کے ہاتھوں اپنی امت پر آنے والی سختیوں کے بارے میں پیشنگوئی کی ہے۔ رسول خدا ﷺ نے لوگوں کے سامنے انتہائی غصہ کے عالم میں یہ فرمان بیان فرمایا۔

دوسری پیشنگوئی میں رسول خدا ﷺ نے معاویہ کو نہ صرف بدعت گزار قرار دیا بلکہ اس کے علاوہ فرمایا: تم اپنا برا کردار لوگوں کے سامنے اچھا کرکے پیش کروگے اور لوگوں پر بہت ظلم و ستم کروگے۔

ایک اور پیشنگوئی میں رسول خدا ﷺ نے عمروعاص کو معاویہ کا اہم یار و مددگار قرار دیا ہے کہ جب یہ اکٹھے ہو جائیں گے تو مکاری اور دھوکہ کے علاوہ ان کا کوئی کام نہیں ہوگا! اسی لئے فرمایا: جب بھی ان دونوں کو اکٹھا دیکھو تو ان دونوں میں جدائی پیدا کرو۔ ایک دن یہ دونوں بلند آواز سے گانا گا رہے تھے اور اس وجہ سے بھی رسول خدا ﷺ نے ان دونوں پر نفرین کی اور خدا سے دعا کی کہ ان دونوں کو اہل جہنم میں سے قرار دے۔

عبداللہ بن عمرو عاص کی زبانی معاویہ کے بارے میں رسول ﷺ کی ایک اور پیشنگوئی

یہ واقعہ قاضی ابو حنیفہ نعمان مغربی نے کتاب ''المناقب والمثالب'' میں اس طرح بیان کیا ہے: عبداللہ بن عمروعاص کہتا ہے: میں رسول خدا کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور کچھ اصحاب بھی آنحضرت کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے سنا کہ آپ نے فرمایا:

---

[1]۔ عجاز پیغمبر اعظم ﷺ در پیشگوئی از حوادث آئندہ: ۳۷۹.

اوّل طالع یطلع علیکم من هذا الفجّ، یموت علی غیر ملّت۔

اس راستہ سے جو شخص سب سے پہلے داخل ہوگا، وہ میری ملت پر نہیں مرے گا۔

عبداللہ بن عمرو عاص نے کہا: جب میں اپنے باپ سے مل کر آیا تھا تو وہ بھی رسول خداﷺ کے پاس آنے کے لئے کپڑے پہن رہا تھا، اس وجہ سے مسلسل میری نگاہیں اس راستہ پر جمی ہوئیں تھیں اور خوف کے مارے میری ایسی حالت تھی جیسے کسی نے اپنا پیشاب روک رکھا ہو کہ کہیں یہ نہ ہو کہ داخل ہونے والا میرا باپ ہو، یہاں تک کہ معاویہ داخل ہوا، پس رسول خداﷺ نے فرمایا: یہ وہی شخص ہے۔[1]

پھر وہ لکھتے ہیں: ابن عباس نے عبداللہ بن عمرو عاص کی یہ بات سنی تو اس نے کہا: عبداللہ بن عمرو عاص نے یہ حدیث نقل کرنے کے باوجود کس طرح معاویہ کے ساتھ مل کر علی علیہ السلام سے جنگ کی؟

عبداللہ کے پاس اپنے لئے (نہ کہ دوسروں کے نزدیک) عذر تھا! جس سے ابن عباس بے خبر تھے اور وہ عذر یہ تھا: کہا گیا ہے کہ وہ ایک دن کسی گروہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ وہاں سے حسین بن علی علیہما السلام کا گزر ہوا۔ عبداللہ بن عمرو نے کہا: آگاہ ہو جاؤ! خدا کی قسم! یہ اہل آسمان کے نزدیک اہل زمین میں سب سے زیادہ محبوب فرد ہے۔ انہوں نے جنگ صفین میں میرے ساتھ کوئی بات نہیں کی اور اگر یہ میرے ساتھ بات کرتے اور مجھ سے راضی ہوتے تو یہ میرے لئے سرخ رنگ کے اونٹ سے زیادہ بہتر تھا۔

پھر عبداللہ بن عمرو نے کسی کو امام حسین علیہ السلام کے پاس بھیجا تاکہ آنحضرت کی رضائیت حاصل کر سکے اور اس نے امام حسین علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ کہا، اس کے بارے میں آپ کو بتائے اور آنحضرت کی حدمت میں شرفیاب ہونے کے لئے اجازت طلب کرے۔

امام حسین علیہ السلام نے اجازت دی اور وہ امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امام حسین علیہ السلام نے اس سے فرمایا:

تم جانتے ہو کہ میں آسمان والوں کے نزدیک زمین والوں میں سب سے زیادہ محبوب ہوں اور تم نے رسول خداﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: حسن اور حسین جوانان جنت کے سردار ہیں اور ان کے بابا ان دونوں سے بہتر ہیں، لیکن پھر بھی تم نے ان کے خلاف جنگ کی؟!

عبداللہ بن عمرو نے کہا: خدا کی قسم! اے فرزند رسول خداﷺ! مجھے اس کام پر مجبور نہیں کیا مگر

---

[1]۔ المناقب والمثالب: ۲۱۹.

رسول خداﷺ کے اس فرمان نے جو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ جب عمرو نے آنحضرت کے پاس آ کر میری شکایت کی اور کہا: وہ دن کو روزہ رکھتا ہے اور رات کو نمازیں پڑھتا ہے اور میں نے اسے حکم دیا ہے کہ یہ رواداری سے کام لے لیکن یہ نہیں مانتا۔

پیغمبر اکرمﷺ نے مجھ سے فرمایا: اپنے باپ کی اطاعت کرو۔ پس وہ معاویہ کے پاس گیا اور اس نے مجھے بھی حکم دیا کہ میں بھی اس کے ساتھ جاؤں۔ لہٰذا میں نے اس کی اطاعت کی جیسا کہ رسول خداﷺ نے حکم دیا تھا۔

امام حسین علیہ السلام نے اس سے فرمایا:

أولم تسمع قول اللّٰه عزوجلّ فی کتابه و قد أمر ببرّ الوالدین .ثمّ قال:(وَإِن جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْم فَلَا تُطِعْهُمَا)[1] و قول رسول اللّٰه: انّما الطّاعة فی المعروف؟

کیا تم نے خداوند کا کتاب خدا میں یہ قول نہیں سنا کہ جس میں ماں باپ سے نیکی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور پھر فرمایا: ''اور اگر وہ کسی ایسی شے کو میرا شریک بنانے پر مجبور کریں جس کا تمہیں علم نہیں ہے تو خبردار ان کی اطاعت نہ کرنا''۔ اور کیا تم نے رسول خداﷺ کا یہ فرمان نہیں سنا کہ آپ نے فرمایا: اطاعت صرف اچھے اور نیک کاموں میں ہے (نہ کہ برے کاموں میں)؟

عبداللہ بن عمرو نے کہا: میں نے یہ سنا تھا لیکن خدا کی قسم جیسے گویا اسے نہیں سنا تھا۔[2]

جی ہاں؛ شیطان گمراہوں کو گمراہ کرنے کی اتنی کوشش کرتا ہے کہ انہوں نے جو چیز دیکھی یا سنی ہوتی ہے ، وہ ایسے ہو جاتی ہے کہ گویا انہوں نے نہ تو دیکھی ہے اور نہ ہی سنی ہے۔ چونکہ وہ غافل ہیں اس لئے وہ انہیں غفلت و گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے۔

---

[1]۔ سورۂ عنکبوت، آیت: ۸.

[2]۔ المناقب والمثالب: ۲۲۰، مناقب آل ابی طالب: ج ۳ ص ۲۲۸، مسند احمد میں کچھ اختصار کے ساتھ: ج ۲ ص ۱۶۴، تاریخ دمشق: ۲۷۸۳۱.

معاویہ اور عمرو عاص کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشنگوئی

کتاب ''معاویہ و تاریخ'' میں لکھتے ہیں: طبرانی نے کبیر میں اور ابن عساکر نے شدّاد بن اوس سے روایت کی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جب بھی معاویہ اور عمرو عاص کو اکٹھے دیکھو تو ان دونوں کے درمیان جدائی ڈالو؛ خدا کی قسم! یہ دونوں جب بھی اکٹھے ہوں گے تو مکاری اور دھوکے کے علاوہ کچھ نہیں کریں گے۔

احمد بن حنبل نے مسند میں، اور ابویعلی نے ابوبرزہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک گانے کی آواز آئی، آنحضرت نے فرمایا:

دیکھو! یہ آواز کہاں سے آرہی ہے؟

میں اوپر گیا اور میں نے دیکھا کہ معاویہ اور عمرو عاص گانا گا رہے تھے۔ میں نے واپس آکر سارا واقعہ آنحضرت کی خدمت میں عرض کیا تو آپ نے فرمایا:

خداوندا! ان دونوں کو فتنہ میں داخل کر۔ پروردگارا! انہیں آگ میں ڈال دے۔

طبرانی نے یہ حدیث مسند کبیر میں ابن عباس سے روایت کی ہے۔[1]

معاویہ کے بارے میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی پیشنگوئی

مرحوم سلطان الواعظین شیرازی لکھتے ہیں: اگر آپ ''نہج البلاغہ'' (جو امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے خطبات، مکتوبات اور کلمات قصار کا مجموعہ ہے) کا غور سے مطالعہ کریں تو آپ کو مختلف واقعات، حوادث، بڑے بادشاہوں کے حالات، صاحب زنج کے خروج، مغلوں کے غالب آنے، چنگیز خان کی سلطنت، ظالم خلفاء کے حالات اور شیعوں کے ساتھ ان کے معاملات کے بارے میں آپ کی بیان کی گئی غیب کی بہت سی خبریں ملیں گی۔ خاص طور پر شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید کی پہلی جلد کے صفحہ ۲۰۸ سے ۲۱۱ تک یہ تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔

---

[1]۔ معاویہ و تاریخ: ۱۷۵.

سلیمان بن ابراہیم قندوزی المعروف بہ خواجہ کلان بلخی حنفی نے بھی ''ینابیع المودّۃ'' کے چودہویں باب کے آغاز میں امام علی علیہ السلام کے کچھ خطبات اور پیشنگوئیاں بیان کی ہیں جو آپ کے کثرت علم پر دلالت کرتی ہیں۔ان کا مطالعہ کریں تاکہ حقیقت واضح ہو جائے۔

معاویہ کے غلبہ پانے اور اس ملعون کے مظالم کے بارے میں پیشنگوئی:

ان میں سے ایک پیشنگوئی میں آپ کا کوفہ والوں کو ان پر معاویہ علیہ الہاویہ کے غلبہ پانے اور انہیں امیر المؤمنین علی علیہ السلام پر لعن اور سبّ و شتم کرنے کے حکم کے بارے بتایا ہے۔چنانچہ آپ نے جس طرح بتایا تھا، بعد میں اسی طرح رونما ہوا۔منجملہ آپ نے فرمایا:

أما أنّه سیظهر علیکم بعدی رجل رحب البلعوم مندحق البطن،یأکل ما یجد ویطلب مالایجد، فاقتلوه ولن تقتلوه۔

ألا؛وَانّه سیأمرکم بسبّی والبرائة منّی؛ فأمّاالسبّ فسبّونی،فانّه لی زکوة ولکم نجاة۔ وأمّاالبرائة،فلا تتبرّؤا منّی،فانّی ولدت علی الفطرة و سبقت الی الایمان والهجرة۔

جلدی ہی میرے بعد تم لوگوں پر موٹی گردن والا اور باہر نکلے ہوئے پیٹ والا آدمی غالب آئے گا،اسے جو ملے گا وہ کھالے گا اور اسے جو چیز نہیں ملے گی وہ اسے طلب کرے گا؛پس اسے قتل کر دینا لیکن تم اسے ہر گز قتل نہیں کروگے۔

آگاہ ہو جاؤ! جلد ہی وہ شخص تمہیں مجھ پر سبّ و شتم کرنے اور مجھ سے سے بیزاری کا اظہار کرنے کا حکم دے گا۔میں تمہیں سبّ و شتم کرنے کی اجازت دیتا ہوں (چونکہ وہ زبانی ہے) کیونکہ یہ سبّ و شتم میرے لئے پاکیزگی اور تمہارے لئے (اس ملعون کے شرّ سے) نجات ہے۔لیکن مجھ سے بیزاری کا ظہار نہ کرنا (چونکہ یہ ایک قلبی امر ہے) کیونکہ میں فطرت (توحید و اسلام) پر متولد ہوا ہوں ، (یہ جملہ اشارہ ہے کہ آپ کے والدین مؤمن تھے) اور میں نے آنحضرت کے ساتھ ایمان اور ہجرت میں سبقت لی ہے۔(۱)

۱۔زیادہ کھانے والے شخص سے حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی مراد معاویہ علیہ الہاویہ ہے کیونکہ ابن ابی الحدید ''شرح نہج البلاغہ (چاپ مصر): ج ۳ص۳۵۱''میں کہتے ہیں: معاویہ زیادہ کھاتا تھا اور وہ تاریخ میں زیادہ کھانے والے کے نام سے مشہور ہے۔''وکان یأکل فی الیوم سبع أکلات'' (جیساکہ زمخشری نے کتاب ''ربیع الأبرار''میں کہاہے) وہ دن میں سات مرتبہ کھانا کھاتا تھا اور ہر مرتبہ اتنا زیادہ کھاتا تھا کہ وہ دستر خوان کے ساتھ ہی لیٹ جاتا تھا اور آواز دیتا تھا:''یا غلام !ارفع۔فواللّٰہ ما شبعت ولکن مللت''اے غلام !آؤ اور یہ دستر خوان لے جاؤ خدا کی قسم !میں تھک گیا ہوں لیکن ابھی تک سیر نہیں ہوا۔

ابن ابی الحدید نے ''شرح نہج البلاغہ (چاپ مصر): ج ا ص ۳۶۵'' اور دوسروں نے اہلسنت کے بزرگ علماء سے تصدیق کی ہے کہ وہ لعین، معاویہ بن ابی سفیان ہی تھا کہ جب وہ غالب آیا اور اس کی خلافت محکم ہو گئی تو اس نے لوگوں کو امیر المؤمنین علی علیہ السلام پر سبّ و شتم کرنے اور آپ سے بیزاری کا اظہار کرنے کا حکم دیا۔ آٹھ سال تک مسلمانوں میں یہ قبیح فعل رائج رہا اور وہ ظالمانہ طور پر عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کے زمانے تک محراب و منبر حتی کہ نماز جمعہ کے خطبوں میں بھی امیر المؤمنین علی علیہ السلام پر سبّ و شتم کرتے تھے۔ پھر اس وقت کے اس اموی خلیفہ نے صالحانہ سوجھ بوجھ سے سبّ و شتم کو ختم کیا اور لوگوں کو اس قبیح فعل کی انجام دہی سے منع کیا۔[1]

یہ ملعون ان لوگوں میں سے تھا کہ جسے ''جوع الکلاب'' کی بیماری لاحق تھی۔ (قدیم طب میں اس بیماری کے بارے میں لکھا ہے کہ اس بیماری کے دوران بیمار کے معدہ میں ایسی حرارت ہوتی ہے کہ چاہے جو غذا مری کے ذریعہ معدہ تک پہنچے لیکن پھر بھی وہ بخارات میں تبدیل ہو جائے گی اور اس کا نفع و نقصان معلوم نہیں ہوگا)۔

اس کا زیادہ کھانا ایک ضرب المثل بن گئی۔ ہر زیادہ کھانے والے شخص کو اس سے تشبیہ دیتے تھے۔ ایک شاعر نے زیادہ کھانے والے اپنے ایک دوست کی خوبصورت انداز میں مذمت کی ہے اور اس بارے میں یوں کہا ہے:

وصاحب لی بطنه کالهاویة　　کأنّ فی امعائه معاویة

میرا ایک ایسا دوست ہے جس کا پیٹ ہاویہ کی طرح ہے کہ جیسے اس کی انتڑیوں میں معاویہ بیٹھا ہو۔

ہاویہ، جہنم کے طبقہ کا نام ہے، چونکہ جہنم کافروں کو قبول کرنے سے سیر نہیں ہو گی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا ہے: جہنم سے کہا جائے گا: (بَلِ امْتَلَأْتِ فَتَقُولُ ہَلْ مِن مَّزِیدٍ) (سورۂ ق، آیت: ۳۰) ''کیا تو بھر گیا ہے؟ تو وہ کہے گا کہ کیا کچھ اور مل سکتا ہے؟'' یہ اشارہ ہے کہ جہنم کبھی بھی کافروں کو قبول کرنے سے سیر نہیں ہوگا۔

[1]۔ شب ہای پشاور: ۹۴۰.

عمر بن عبدالعزیز کے کئی چہرے تھے اور اس نے صرف منبروں سے امیر المؤمنین علی علیہ السلام پر سبّ و شتم کرنے سے منع کیا اور منبروں کے علاوہ ہر کسی کو امیر المؤمنین علی علیہ السلام پر سبّ و شتم کرنے کی کھلی چھوٹ دی تھی لیکن اگر کوئی معاویہ پر لعنت کرتا تھا تو اسے عمر بن عبدالعزیز کے حکم پر تازیانے کانے پڑتے تھے!!

کتاب ''الغارات'' کی روایت کے مطابق شامیوں کی فتح کے بارے میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی پیشنگوئی

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے اہل کوفہ سے فرمایا:
تم لوگوں پر شامی غلبہ پالیں گے۔
انہوں نے کہا: آپ کو یہ کہاں سے معلوم ہوا؟
فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ ان کا کام بڑھتا چلا گیا ہے لیکن تمہاری آگ بجھ چکی ہے، وہ کوشش کر رہے ہیں اور تم لوگ مست ہو، وہ متحد ہیں لیکن تم لوگ پراکندہ ہو، وہ اپنے امیر کی اطاعت کرتے ہیں لیکن تم لوگ اپنے امیر کی ایک نہیں سنتے۔ خدا کی قسم! اگر وہ تم پر غلبہ پالیں تو میرے بعد وہ تمہارے ساتھ بہت برا سلوک کریں گے۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ تمہارے شہروں پر قبضہ کر لیں گے، تمہارا مال اور غنائم اپنی طرف لئے جائیں گے، گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگوں میں سے کچھ تو چھپکلی کی طرح زمین پر گھسیٹے چلے جاؤ گے اور بڑے آرام سے ایک دوسرے کی طرف حرکت کرو گے، وہ تمہارا کوئی بھی حق ادا نہیں کریں گے اور خدا کے محترمات کا بھی خیال نہیں کریں گے۔

گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ تمہارے قاریوں کو قتل کر دیں گے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ تمہیں محروم کر دیں گے اور تمہیں اپنے پاس نہیں آنے دیں گے، وہ لوگ شامیوں کو تو آنے دیں گے لیکن تمہیں مسترد کر دیں گے۔ اس وقت جب تم لوگوں نے محرومیت اور بدعتوں کو دیکھا اور جب تم پر تلواریں چلائی گئیں تو تم لوگ پچھتاؤ گے اور تم محزون اور غمزدہ ہو گے؛ کہ ہم نے کیوں ان سے جہاد نہیں کیا، لیکن اس وقت پچھتانے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔[1]

---

[1]۔ الغارات و شرح اعلام آن: ۲۷۷.

اس بارے میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی ایک اور پیشنگوئی

ابن ابی الحدید نے "ولئن أمهل اللّٰه الظالم فلن يفوت أخذه وهو له بالمرصاد"[1] کی عبارت سے شروع ہونے والے خطبہ میں کلمات کی تشریح کرنے کے بعد یوں بیان کیا ہے:

امیر المؤمنین علی علیہ السلام قسم کھاتے ہیں کہ شامی، عراق کے لوگوں پر ضرور کامیاب ہو جائیں گے اور اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ وہ حق پر اور عراقی باطل پر ہیں، بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ اپنے امیر کے زیادہ مطیع و فرمانبردار ہیں۔

جنگ میں فتح کا دارومدار فوج کی کمانڈ اور اس کے امور کو منظّم رکھنے پر ہوتا ہے نہ کہ کامیابی کا دارومدار حق پر ہوتا ہے۔ اگر عقیدے کے لحاظ سے کوئی لشکر حق پر ہو لیکن ان کی آراء مختلف ہوں اور وہ اپنے سپہ سالار کی فرمانبرداری نہ کریں تو اس جنگ میں ان سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے ہم نے کئی بار دیکھا ہے کہ مشرک، اہل توحید پر فتح پا جاتے ہیں۔

پھر امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے اس بارے میں ایک لطیف نکتہ نقل کیا ہے اور فرمایا ہے:

عام طور پر عرف میں یہ ہوتا ہے کہ رعایا حاکم کے ظلم و ستم سے ڈرتی ہے جب کہ میں خود پر اپنی رعایا کے ستم سے خوفزدہ ہوں۔

جو کوئی بھی امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے دورۂ خلافت کے حالات پر غور کرے تو وہ یہ سمجھ جائے گا کہ آپ کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اور آپ کے دل میں جو کچھ تھا آپ وہ نہیں کر سکے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو حق و حقیقت سمجھنے والے بہت کم تھے اور اکثر لوگوں کا آپ کے بارے میں ویسا عقیدہ نہیں تھا کہ جیسا ہونا چاہئے تھا اور وہ آپ سے پہلے خلفاء کو آپ سے افضل سمجھتے تھے اور ان کا یہ خیال تھا کہ افضلیت بھی خلافت کی ترتیب کے لحاظ سے ہے۔ ان کی نئی نسل بھی اپنے آباء و اجداد کی تقلید کرتی تھی اور ان کا یہ کہنا تھا: اگر ہمارے آباء و اجداد ان کی فضیلت سے آگاہ ہوتے تو انہیں دوسروں پر مقدم کرتے اور وہ لوگ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو پہلے خلفاء کی رعایا اور پیروکار سمجھتے تھے! آپ کے ساتھ جنگ کرنے والوں میں سے بھی اکثر کی بنیاد تعصب، جوش، تکبر اور عربی گھمنڈ تھا نہ کہ وہ

---

[1]۔ "فرض کرو کہ اگر خداوند ظالم کو مہلت دے لیکن ان کا مؤاخذہ کرنے سے باز نہیں آئے گا اور خداوند اس کے لئے کمین میں ہے"۔

عقیدے اور دین کی وجہ سے جنگ کر رہے تھے۔امیر المؤمنین علی علیہ السلام انہیں مجبوراً برداشت کر رہے تھے اور آپ جو کچھ چاہتے تھے اس کا اظہار نہیں کر سکتے تھے۔[1]

''الغارات'' سے منقول امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی دوسری پیشنگوئی

کتاب ''الغارات''میں لکھتے ہیں: امیر المؤمنین علی علیہ السلام ہر دن مسجد کوفہ میں ایک مقام پر تشریف فرما ہوتے تھے اور صبح کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک تسبیح و تہلیل میں مصروف رہتے تھے۔سورج طلوع ہونے کے بعد آپ منبر پر تشریف لاتے اور اپنی انگلیاں اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پر مارتے تھے اور فرماتے: صرف کوفہ باقی رہ گیا ہے، جس میں میرا حکم چلتا ہے۔اور فرمایا:

لعمر أبیک الخیر یا عمرو انّنی　　علی وضر من ذا الاناء قلیل

آپ نے ایک دوسری حدیث میں فرمایا:

اے کوفہ !اب صرف تم ہی میرے پاس ہو،کاش ! تو بھی نہ ہوتا اور مجھے اپنے طوفانوں سے پریشان نہ کرتا۔اے کوفہ ! تمہارا منہ کالا ہو۔

نیز آپ نے فرمایا: اے لوگو ! بسر بن ارطاۃ یمن پر ظاہر ہوا اور اب عبید اللہ عباس اور سعید بن نمران آگئے ہیں۔میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ قوم اپنے اتحاد و اتفاق کی وجہ سے کامیاب ہو جائے گی اور باطل غالب آجائے گا؛لیکن تم لوگ حق پر ہوتے ہوئے بھی بکھرے ہوئے ہو۔وہ لوگ اپنے رہبر کی اطاعت کرتے ہیں لیکن تم لوگ اپنے امام کی بات نہیں سنتے۔وہ امانتوں کی حفاظت کرتے ہیں لیکن تم لوگ امانت میں خیانت کرتے ہو۔

میں نے فلاں شخص کو ولی بنایا اور اس نے خیانت کی، مسلمانوں کے مال اور غنائم لے کر معاویہ کی طرف چلا گیا۔دوسرے کو حاکم بنایا تو اس نے بھی اسی کی طرح خیانت کی۔اب مجھے اتنا بھی اعتماد نہیں ہے کہ میں ایک

---

[1]۔ جلوۂ تاریخ در نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج ۳ ص ۳۷۰.

تازیانہ بھی تم لوگوں کے پاس بطور امانت رکھوں۔

میں گرمیوں میں تم لوگوں سے کہوں کہ جہاد کے لئے جاؤ تو کہتے ہو: اب موسم گرم ہے، کچھ تأخیر کر دیں تاکہ گرمیاں گزر جائیں۔ اگر سردیوں میں جنگ پر جانے کا حکم دوں تو کہتے ہو کہ ابھی موسم سرد ہے، کچھ مدت کے لئے رک جائیں تاکہ سردیاں گزر جائیں۔

خدایا! وہ مجھ سے تھک گئے ہیں اور میں ان سے تھک گیا ہوں، مجھے ان سے بہتر (امت) عطا کر اور ان پر مجھ سے برا (حاکم) مسلط کر۔ ان کے دل کو پانی کر دے، جس طرح نمک پانی میں گھل ہو جاتا ہے۔

حارث بن سلیمان کہتے ہیں: امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا:

یہ قوم تم لوگوں پر غالب آئے گی؛ کیونکہ تم لوگ متحد نہیں ہو اور حق کا دفاع نہیں کرتے ہو، لیکن وہ لوگ اپنے باطل پر متحد ہیں۔ جب بھی تم لوگوں میں کوئی ایسا امام ہو، جو لوگوں میں عدالت سے کام لے اور مال تقسیم کرنے میں سب کو یکساں دیکھے تو اس کی اطاعت کرو اور اس کی باتوں کو سنو۔ لوگوں میں نظم و ضبط نہیں پایا جاتا مگر یہ کہ ان میں کوئی امام ہو، خواہ وہ امام اچھا عمل کرے یا برا عمل کرے۔ اگر وہ نیک کام کرے تو اس کے اپنے لئے بھی اچھا ہے اور لوگوں کے لئے بھی اور اگر بدکار ہو تو اس کی حکومت میں مؤمن خدا کی عبادت میں مشغول ہو جائیں اور فاسق و فاجر اس وقت تک کام کرتے رہیں گے جب تک ان کے لئے معین ہوا ہو۔

اے لوگو! میرے جانے کے بعد تم لوگوں کو حکم دیا جائے گا کہ مجھ پر سبّ و شتم کرو اور مجھ سے بیزاری و برائت اختیار کرو۔ جو بھی مجھ پر سبّ و شتم کرنا چاہے اس میں کوئی مانع نہیں ہے، لیکن مجھ سے برائت اختیار نہ کرنا کیونکہ میرا دین اسلام ہے۔

ابو عبدالرحمٰن سلمی کہتے ہیں: لوگ ایک دوسرے سے ملے اور انہوں نے ایک دوسرے کی مذمت کی اور شیعہ آپس میں ایک دوسرے سے گفتگو کرنے میں مشغول ہو گئے، اشراف اور بزرگ افراد آپس میں مشورہ کرنے میں مصروف ہو گئے اور پھر وہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے پاس آئے اور انہوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ کسی شخص کو معین کریں اور اس کے ساتھ ایک لشکر بھیج دیں تاکہ اسے سبق سکھا سکیں، اور اس کے بعد بھی آپ جو حکم دیں گے ہم اس کی اطاعت کریں گے اور آپ کی خوشنودی کے برخلاف کوئی فعل انجام نہیں دیں گے۔

حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا:

میں نے اس مرد کے پیچھے ایک شخص کو بھیجا ہے اور وہ واپس نہیں آئے گا مگر یہ کہ ان میں سے کوئی ایک

دوسرے کو مار دے اور اسے اس ملک سے باہر نکال دے، اب تم لوگ استقامت کا مظاہرہ کرو اور میری باتوں کو سنو اور خود کو شامیوں سے جنگ کرنے کے لئے تیار کرو۔

اسی دوران سعید بن قیس ہمدانی اٹھے اور انہوں نے کہا: یا امیر المؤمنین علی علیہ السلام ؛خدا کی قسم ! اگر آپ ہمیں قسطنطنیہ یا روم کی طرف پیدل بھی بھیج دیں اور ہمیں کوئی تنخواہ اور کوئی فائدہ بھی نہ دیں پھر بھی میں اور میری قوم آپ کی مخالفت نہیں کرے گی۔

امیر المؤمنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

تم سچ کہہ رہے ہو، خدا تمہیں جزاء خیر عطا فرمائے۔

اس کے بعد زیاد بن خصفہ اور وعلۃ بن مخدوع کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا: یا امیر المؤمنین ! ہم آپ کے شیعہ ہیں اور آپ کا حکم مانتے ہیں اور آپ کے ساتھ ہماری کوئی مخالفت نہیں ہے۔

فرمایا: ہاں ! تم سچ کہہ رہے ہو اور اب خود کو شام جانے کے لئے تیار کرو۔

لوگوں نے اپنی اطاعت کا اعلان کیا اور آپ نے فرمایا: کسی ایسے شخص کے بارے میں بتاؤ جو عراقی سرحدوں کی طرف سے لوگوں کو جنگ کی دعوت دے۔

سعید بن قیس نے کہا: خدا کی قسم ! عربوں کے اس جنگی امور کے لئے ایسے شخص کے بارے میں بتاتا ہوں جو مکمل طور پر آپ کا دفاع کرے گا اور آپ کے دشمنوں سے سختی سے پیش آئے گا۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا: وہ شخص کون ہے؟

کہا: معقل بن قیس ریاحی۔

آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے اسے بلایا اور اور کوفہ کی سرحد کی طرف بھیجا اور ابھی تک وہ واپس نہیں آیا تھا کہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام شہید ہو گئے۔[1]

---

[1]۔ الغارات و شرح اعلام آن: ۳۳۳.

کتاب ''مروج الذہب'' سے منقول امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی پیشنگوئی

معاویہ نے اپنے دوستوں میں سے کسی کو کوفہ بھیجا تھا تاکہ مروان اسے وہاں پہنچائے۔اس بارے میں لوگوں نے بہت زیادہ باتیں کیں یہاں تک کہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام تک یہ بات پہنچی اور آپ نے اپنی ایک نشست میں فرمایا:

تم لوگ معاویہ کی موت کے بارے میں بہت باتیں کر رہے ہو؛خدا کی قسم ! وہ تب تک نہیں مرے گا کہ جب تک میری سلطنت میں بھی تصرف نہ کر لے۔ جگر خور کا یہ بیٹا مجھ سے یہ سننا چاہتا ہے اور اس نے کسی کو بھیجا ہے تاکہ وہ اپنی موت کی خبر پھیلائے اور اپنے مستقبل کے بارے میں میرے نظریہ کو یقین سے جان لے؟

پھر آپ نے بہت سے کلمات ارشاد فرمائے اور پھر معاویہ اور اس کی نسل میں سے یزید و مروان اور اس کے بیٹوں کا تذکرہ کیا اور پھر حجاج اور ان لوگوں کے ساتھ ہونے والے تشدد کو بیان فرمایا۔

لوگ رونے لگے اور ان کے گریہ وزاری کی آوازیں بلند ہوتی گئیں اور ان میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا: یا امیر المؤمنین ! آپ نے بہت بڑے حادثات کے بارے میں بتایا ہے، آپ کو خدا کی قسم ! کیا یہ سب واقع ہوں گے؟

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم ! یہ سب واقع ہوں گے اور مجھ سے جھوٹ نہیں بتایا گیا اور میں بھی جھوٹ نہیں بولتا۔

بعض لوگوں نے کہا: یا امیر المؤمنین ! یہ سب کب واقع ہوگا؟

فرمایا: جب یہ رنگین ہو جائے۔اور پھر آپ نے اپنا ایک ہاتھ اپنی ڈاڑھی مبارک اور دوسرا ہاتھ سر اقدس پر رکھا اور لوگوں نے بہت گریہ کیا۔اس کے بعد آپ نے فرمایا: ابھی مت رو کیونکہ تمہیں میرے بعد بہت رونا ہے؟

اس کے بعد کوفہ کے اکثر لوگوں نے مخفی طور پر معاویہ کو اپنے بارے میں خط لکھا اور وہ اس کی حوصلہ افزائی کا وسیلہ بنے ! ابھی کچھ دن ہی گزرے تھے کہ یہ سانحہ (امیر المؤمنین امام علی علیہ السلام کی شہادت)

رونما ہوا۔[1]

جنگ صفین میں جناب عمار یاسر کی شہادت کے بارے میں رسول خدا ﷺ کی پیشنگوئی

جناب عمار یاسر کی شہادت کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کی پیشنگوئی اور اس کے اثرات کو بیان کرنے سے پہلے ہم جناب عمار یاسر کی عظمت کے بارے میں کچھ مطالب ذکر کرتے ہیں:

جناب عمار یاسر نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی تھی اور آپ جنگ بدر، احد، خندق اور بیعت رضوان میں رسول اکرم ﷺ کے ہمراہ تھے، آپ نے اسلام کا دفاع کیا اور خدا کی راہ میں جہاد کیا اور مشرکوں سے جنگ کی۔ رسول خدا ﷺ نے جناب عمار یاسر کے بارے میں بات کرتے ہوئے فرمایا:

صحیح راستہ عمار سے سیکھو اور ان کی پیروی کرو۔

خالد بن ولید کہتا ہے: میرے اور عمار کے درمیان گفتگو ہوئی اور میں نے ان کے ساتھ غصہ سے بات کی تو عمار، رسول خدا ﷺ کے پاس گئے اور میری شکایت کی، خالد بھی گیا اور اس نے بھی شکایت کی اور عمار کے بارے میں کچھ سخت کلمات کہے، پیغمبر اکرم ﷺ خاموش ہو گئے اور آپ نے کچھ نہیں کیا۔ اسی دوران عمار بن یاسر رونے لگے۔

عمار نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے خالد کی باتیں سنی کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

اس وقت رسول خدا ﷺ نے سر اٹھایا اور فرمایا:

جو بھی عمار سے دشمنی رکھے، اس نے خدا سے دشمنی کی اور جو بھی عمار کو ناراض کرے اس نے خدا کو ناراض کیا۔

خالد نے کہا: میں پیغمبر خدا ﷺ کے پاس سے اٹھ کر باہر چلا گیا اور میں نے عمار سے صلح کر لی اور ان کی

---

[1]۔ مروج الذہب: ج۱ ص۷۷۷۔

رضائیت حاصل کرلی۔[1]

رسول اکرم ﷺ مدینہ میں ابوایوب انصاری کے گھر گئے اور ان کے ساتھ زمین خریدی، جس میں مسجد اور اپنا گھر بنایا۔[2]

ابن اسحاق نے مسجد بنانے کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے خاص طور پر عمار کا نام ذکر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: جب عمار یاسر داخل ہوئے تو ان کے کندھوں پر بہت زیادہ اینٹیں رکھی ہوئی تھیں۔

انہوں ے کہا: یارسول اللہ! انہوں نے مجھے مارڈالا؛ یہ جو چیز خود نہیں اٹھا سکتے وہ میرے کندھوں پر رکھ دیتے ہیں۔

ام سلمہ - پیغمبر اکرم ﷺ کی زوجہ - کہتی ہیں: میں نے دیکھا کہ رسول خدا ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے ان کے سر سے بوجھ کو اتارا جب کہ ان کے گھنگریالے بال تھے..... اور فرمایا:

یہ تمہیں قتل نہیں کریں گے؛ بلکہ ایک باغی گروہ (سرکش اور ظالم) تمہیں قتل کرے گا۔[3]

یہ ہے رسول اکرم ﷺ کا وہ مشہور فرمان جو آپ نے اپنے اس صحابی کے بارے میں ارشاد فرمایا جس نے فداکاری میں اپنی جان سے بھی دریغ نہ کیا۔

اس مرحلہ کا دقیق مطالعہ کرنے سے آپ پیغمبر اکرم ﷺ کے اس عظیم صحابی کے بارے میں آنحضرت کے فرامین کو جان سکتے ہیں اور کسی حد تک ان کی شخصیت کی معرفت بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ان میں سے کچھ موارد یہ ہیں:

ان کا بینظیر کردار و رفتار اور سب سے بڑھ کر رسول اکرم ﷺ سے ان کا مضبوط تعلق بہت اہمیت کا حامل ہے۔ زہری کی روایت کی بنیاد پر جناب عمار نے جس زمین پر اپنا گھر بنایا تھا، وہ زمین انہیں رسول خدا ﷺ نے عطا کی تھی۔[4]

جب مسلمانوں کے درمیان عقیدے کی بنیاد پر اخوت و بھائی چارہ کا اعلان ہوا تو اس موقع پر انصار میں سے

---

[1]۔ الغارات و شرح اعلام آن: ۴۹۲.

[2]۔ السیرۃ النبویّۃ: ج۴ ص۱۰۶.

[3]۔ السیرۃ النبویّۃ: ج۲ ص۱۰۲ .

[4]۔ الطبقات الکبری: ج۳ ص۲۵۰.

ایک جلیل القدر صحابی جناب حزیفہ بن یمان کو عمار کا بھائی قرار دیا گیا۔[۱،۲]

اس بناء پر رسول خداﷺ کے صحابیوں میں سے عمار یاسر ایک نمایاں چہرہ ہیں، جنہیں مسلمانوں میں بہت زیادہ محبوبیت حاصل ہے۔

رسول خداﷺ نے جناب عمار یاسر کے ماضی، شہرت، محبوبیت اور تمام خصوصیت کی وجہ سے لوگوں میں عمار کی شہادت کی کیفیت کے بارے میں پیشنگوئی بیان فرمائی تاکہ اس کے ذریعہ تمام مسلمان حق و باطل کو ایک دوسرے سے تشخیص دے سکیں اور یہ جان لیں کہ جس گروہ میں بھی عمار ہوں گے وہ راہ حق پر ہوگا اور دوسرا گروہ گمراہی وضلالت کی راہ پر گامزن ہوگا۔

جناب عمار کی ایک خصوصیت آپ کی خطابت تھی۔آپ اپنے خطاب کی طاقت سے حقائق کو واضح کرتے تھے اور دلیل و برہان کے ذریعہ افراد کی رہنمائی کرتے تھے۔ حق کی حمایت کی راہ میں انہیں کوئی خوف و ملال نہیں تھا اور وہ کسی سے بھی خوفزدہ نہیں ہوتے تھے۔وہ اپنے کلام اور خطاب کی تأثیر سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے۔

ابن ابی الحدید نے نصر بن مزاحم سے جنگ صفین میں جناب عمار یاسر کی جانب سے لوگوں کی رہنمائی کرنے کے واقعہ کو اس طرح سے بیان کیا ہے:

جنگ صفین میں جناب عمار کی جانب سے لوگوں کی رہنمائی

نصر بن مزاحم کہتے ہیں: یحییٰ بن یعلی نے صباح مزنی سے اور انہوں نے حارث بن حصن سے، زید بن ابی رجاء سے اور انہوں نے اسماء بن حکیم فزاری سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے:

ہم جنگ صفین میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے ساتھ اور عمار یاسر کے زیر پرچم تھے۔ظہر کے وقت ہم نے سرخ چادر سے اپنے لئے سایہ فراہم کیا ہوا تھا۔صفوں کے پیچھے سے ایک شخص گزر رہا تھا کہ جیسے وہ انہیں شمار کر رہا ہو، وہ شخص آگے بڑھا اور میرے پاس آکر اس نے مجھ سے پوچھا: تم میں سے عمار یاسر کون ہے؟

---

[۱]۔الطبقات الکبری: ج۳ص۲۵۰.

[۲]۔رفتار شناسی امام علی علیہ السلام در آئنۂ تاریخ: ۱۹۶.

عمار نے کہا: میں عمار ہوں۔

اس نے پوچھا: تم وہی ہو؛ جس کا دشمن ابویقظان ہے؟

کہا: ہاں

اس شخص نے کہا: میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں کیا سب کے سامنے کہوں یا تنہائی میں؟

عمار نے کہا: تم جس طرح چاہو کہہ سکتے ہو۔

اس نے کہا: میں سب کے سامنے کہتا ہوں۔

عمار نے کہا: کہو۔

ہم جس حق پر ہیں، اس کی وجہ سے میں اپنے خاندان سے نکل آیا ہوں اور مجھے اس گروہ کے گمراہ ہونے میں بھی کوئی شک نہیں ہے اور میں جانتا ہوں کہ وہ باطل پر ہیں اور کل رات تک میں اسی حال میں تھا لیکن کل رات میں نے خواب دیکھا کہ ایک فرشتہ آیا اور اس نے اذان دی اور اس نے گواہی دی کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد ﷺ خدا کے رسول ہیں اور اذان کے ساتھ نماز قائم ہو گئی، ان کے مؤذن نے بھی ایسے ہی اذان دی اور پھر نماز کی صفیں بن گئیں، ہم نے ایک ساتھ نماز ادا کی اور ایک ساتھ قرآن کی تلاوت کی اور ایک ساتھ دعا پڑھی۔ کل رات سے میں شک میں مبتلا ہوں اور یہ خدا ہی جانتا ہے کہ میں نے کس حال میں رات گزاری ہے اور مجھ پر کیا گزری۔ جب رات سے صبح ہوئی تو میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی خدمت میں گیا اور یہ سارا واقعہ آپ کی خدمت میں بیان کیا۔

آپ نے فرمایا: کیا تم نے عمار یاسر کو دیکھا ہے؟

میں نے کہا: نہیں۔

فرمایا: ان سے ملو اور دیکھو کہ وہ کیا کہتے ہیں اور ان کے فرمان کی پیروی کرو۔

لہٰذا اس کام کے لئے میں آپ کے پاس آیا ہوں

عمار نے اس سے کہا: کیا تم اس شخص کو جانتے ہو جو میرے سامنے سیاہ رنگ کا پرچم تھامے کھڑا ہے؟ وہ عمرو عاص کا پرچم ہے اور میں نے پیغمبر اکرم ﷺ کے ساتھ مل کر تین مرتبہ اس کا مقابلہ کیا ہے اور اس سے جنگ کی ہے اور یہ چوتھی مرتبہ ہے اور پہلے کی بنسبت اس بار نہ صرف بہتر ہے بلکہ یہ ان سب سے زیادہ

بدتر اور تباہ کرنے والا ہے۔ کیا تم نے خود جنگ بدر، احد اور حنین[1] میں شرکت کی تھی یا تمہارے باپ نے شرکت کی تھی کہ جس نے تمہیں یہ بتایا ہے؟

اس نے کہا: نہیں۔

عمار نے کہا: ہمارا مقام اور پرچم وہی مقام اور وہی پرچم ہے جو رسول خداﷺ کا جنگ بدر، احد اور حنین میں تھا اور اس گروہ کا پرچم وہی احزاب کے مشرکوں کا پرچم ہے۔

کیا تم وہ لشکر اور اس میں موجود افراد کو دیکھ رہے ہو؟ خدا کی قسم! میں یہ پسند کرتا ہوں کہ ان سب لوگوں کا اور معاویہ کے ساتھ مل کر ہمارے علم کے خلاف جنگ کرنے کے لئے آنے والوں اور ہم سے الگ ہونے والوں (جن کے ہم معتقد تھے اور ہم ایک ہی جسم تھے) کا سر کاٹ دوں اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دوں۔ خدا کی قسم! ان سب کا خون بہانا چڑیا کا خون بہانے سے بھی زیادہ حلال ہے۔ کیا تم چڑیا کا خون بہانا حرام سمجھتے ہو؟

اس نے کہا: نہیں! بلکہ یہ حلال ہے۔

عمار نے کہا: اسی طرح ان کا خون بھی حلال ہے۔ کیا میں نے تمہارے لئے یہ مسئلہ واضح کر دیا۔

اس نے کہا: جی ہاں۔

عمار نے کہا: اب جسے چاہتے ہو منتخب کر لو۔

وہ شخص واپس لوٹ گیا، عمار یاسر نے دوبارہ اسے بلایا اور کہا: بیشک بہت جلد ممکن ہے کہ یہ اپنی تلواروں سے تم پر ایسا وار کریں کہ تمہارے باطل کے پیروکار بھی شک و تردید کا شکار ہو جائیں اور کہیں: اگر یہ حق پر نہ ہوتے تو ہم پر کبھی کامیاب نہ ہوتے۔

خدا کی قسم! یہ لوگ مکھی کی آنکھ کو آلود کرنے والے تنکے کے برابر بھی حق پر نہیں ہیں۔ اور خدا کی قسم! اگر ہم اپنی تلواروں سے ان پر ایسا وار کریں کہ انہیں ہجر[2] کے صحراؤں تک بھگا دیں تو پھر بھی ہم یہ جانتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں اور یہ باطل پر۔[3]

---

[1] ۔ حالانکہ متن اور کتاب ''وقعۃ الصفین'' میں اسی طرح سے ذکر ہوا ہے لیکن حنین کی بجائے احزاب صحیح ہے کیونکہ جنگ حنین میں عمرو عاص ظاہری طور پر مسلمان ہو چکا تھا۔ وہ فتح خیبر کے سال مسلمان ہوا تھا۔

[2] ۔ ہجر: بحرین کی وہی سرزمین ہے کہ جہاں کی کھجوریں زیادہ اور اچھی ہونے کے لحاظ سے مشہور ہیں۔ ترجمہ ''تقویم البلدان: ۱۳۷''

[3] ۔ جلوۂ تاریخ در شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج ۳ ص ۱۳۵ .

جنگ صفین میں جناب عمار کا خطاب اور عمرو عاص پر اعتراض

قابل توجہ بات یہ ہے کہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے لشکر کے سپہ سالار عمار یاسر نہ صرف اپنے کلام سے عراق کی فوج کی رہنمائی کرتے تھے بلکہ اپنی پوری توانائی کے ساتھ شام کے لشکر اور عمرو عاص جیسے افراد سے سے خطاب کرتے تھے اور انہیں ان کے شر مناک انجام سے خبر دار کرتے تھے۔

ابن ابی الحدید نے نصر بن مزاحم منقری سے نقل کیا ہے:

جنگ صفین میں عمار یاسر کھڑے ہوئے اور کہا: اے خدا کے بندو! میرے ساتھ مل کر اس قوم سے جنگ کرنے کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور یہ ایسے ظالم شخص کے خون کا مطالبہ کر رہے ہیں جو خود ظلم و ستم کرتا تھا۔ بیشک اسے اچھے لوگوں نے قتل کیا ہے جو اسے ظلم و ستم اور تجاوز کرنے سے منع کرتے تھے اور اسے نیکی کا حکم دیتے تھے۔ اگر دنیا کے بدلے ان لوگوں کا دین بھی چلا جائے تو یہ پھر بھی اسے کوئی اہمیت نہ دیتے، یہ ہم پر اعتراض کرتے ہیں اور کہتے ہیں: اسے کیوں قتل کیا؟

ہم نے کہا: دین میں پیدا کی گئی اس کی بدعتوں کی وجہ سے اسے قتل کیا ہے۔

وہ کہتے ہیں: اس نے کوئی بدعت ایجاد نہیں کی تھی اور اس کی یہ وجہ ہے کہ اس نے ان کے ہاتھوں میں دنیا دے دی تھی؛ کہ جیسے یہ صرف کھاتے اور چرتے ہیں اور اگر پہاڑ بھی آپس میں ایک دوسرے سے ٹکرا کے بکھر جائیں تو یہ اسے بھی کوئی اہمیت نہیں دیں گے۔

خدا کی قسم! میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ یہ خون کا مطالبہ کر رہے ہیں لیکن اس قوم نے دنیا داری کا مزہ چکھا ہے اور اس کو شیریں پایا ہے۔ جب کہ یہ جانتے ہیں کہ اگر صاحب حق ان کے اوپر حاکم ہو جائے تو جو یہ کھاتے اور چرتے ہیں، اس کے اور ان کے درمیان حائل ہو جائے گا، اس قوم کا اسلام میں کوئی سابقہ نہیں ہے جس کی وجہ سے یہ حکومت کے حقدار ہوں۔ انہوں نے اپنے پیروکاروں کو دھوکہ دیا ہے اور انہیں صرف سبز باغ دکھائے ہیں تا کہ وہ یہ کہیں کہ ہمارا پیشوا مظلوم مارا گیا ہے اور اس کے ذریعے یہ جابر بادشاہ بن جائیں۔ اور یہ ایسا دھوکہ ہے جس کی آڑھ میں یہ وہاں تک پہنچ گئے ہیں کہ جہاں تم انہیں دیکھ رہے ہو، اور اگر یہ دھوکہ و فریب نہ ہوتا تو کوئی ایک بھی شخص ان کی بیعت نہ کرتا۔

خدایا! اگر تو ہماری مدد کرے، اور ہمیشہ ہماری مدد کرتا ہے اور اگر تو انہیں حکومت دے تو بندوں میں ان کی پیدا کی گئی بدعتوں کی وجہ سے (آخرت) میں انہیں دردناک عذاب دے۔

پھر عمار وہاں سے چلے ،جب کہ آپ کے ساتھی بھی آپ کے ہمراہ تھے اور جب آپ عمرو عاص کے قریب پہنچے تو اس سے کہا: اے عمرو! تم نے مصر (کی حکومت) کے لئے اپنا دین بیچ دیا؟ بد بختی تمہارے ساتھ ہو کہ تم کب سے اسلام سے یہی لینے کے لئے پر تول رہے تھے۔

عمار یاسر نے پھر بیان کیا: پروردگارا! تو خود جانتا ہے کہ اگر میں یہ جان لوں کہ تیری رضا و خوشنودی اس میں ہے کہ میں اس دریا میں کود جاؤں، تو میں کود جاؤں گا۔

خدایا! تو جانتا ہے کہ اگر میں یہ جان لوں کہ تیری رضا اس میں ہے کہ میں اپنی تلوار کی نوک اپنے پیٹ پر رکھ کے اس پر ٹیک لگاؤں تا کہ وہ میری پشت سے باہر نکل آئے، تو میں ایسا ہی کروں گا۔

پروردگارا! تو نے مجھے جو کچھ سکھایا اسی کے مطابق میں یہ جانتا ہوں کہ آج اس گروہ کے خلاف جہاد کرنے سے بہتر کوئی اور کام نہیں ہے کہ جسے میں انجام دوں اور اگر میں یہ جان لوں کہ کوئی دوسرا کام تیری رضائیت کا باعث ہے تو میں وہی انجام دوں گا۔

نصر کہتے ہیں: عمرو بن سعید نے شعبی سے میرے لئے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا ہے: جناب عمار بن یاسر نے عبداللہ بن عمرو عاص کو آواز دی اور کہا: تم نے دنیا کے بدلے اپنا دین بیچ دیا اور وہ بھی خدا و اسلام کے دشمن (معاویہ) کے کہنے پر، اور تم نے اپنے باپ کی ہوا و ہوس کے لئے تباہی اختیار کر لی ہے۔

اس نے کہا: ایسا نہیں ہے، بلکہ میں شہید مظلوم عثمان کا خون کا تقاضا رہا ہوں!

عمار نے کہا: ہر گز ایسا نہیں ہے۔ میں تمہارے بارے میں جو کچھ جانتا ہوں اس کی رو سے میں گواہی دیتا ہوں کہ تم اپنے کسی بھی کام سے خدا کی رضائیت نہیں چاہتے اور جان لو کہ اگر آج تم قتل نہ بھی ہوئے تو کل مر جاؤ گے، اور دیکھ لو کہ جب خدا اپنے بندوں کو ان کے نیت کے اعتبار سے اجر دے گا تو تمہاری کیا نیت ہو گی؟[1]

جس طرح ہم یہ بیان کریں گے کہ کچھ سنی علماء جیسے سیوطی نے اپنی کتابوں میں وضاحت کی ہے کہ جناب عمار یاسر کی شہادت کے بارے میں رسول خداﷺ کی پیشنگوئیاں متواتر احادیث میں سے ہیں۔ یعنی اس حدیث کے روای اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا اس روایت کو نقل کرنے میں جھوٹ پر اجماع اور ان کے بارے میں یہ کہنا محال ہے کہ انہوں نے جھوٹ بولا ہے۔

قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ حتی یہ حدیث عمرو عاص بلکہ معاویہ سے بھی نقل ہوئی ہے!! اگرچہ انہوں نے

---

[1]۔ جلوۂ تاریخ در شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج ۳ ص ۱۳۱۔

خود یہ روایت نقل کی ہے لیکن اس کے باوجود انہوں نے اس پر اعتنا نہیں کی اور اس کے برخلاف عمل کیا ہے!

اس حدیث سے آگاہ ہونے کے باوجود ان کا حضرت رسول اکرم ﷺ کے فرمان کے بر خلاف عمل کرنا، آپ کی خلافت وجانشینی کے مسئلہ میں ان کی جانب سے رسول خدا ﷺ کی مخالفت کی دلیل ہے۔

جناب عمار یاسر کے قتل کے بارے میں شبث بن ربعی کی معاویہ سے گفتگو

شبث بن ربعی نے جنگ صفین میں معاویہ سے اپنی ملاقات کے اہم اور قابل توجہ واقعہ کے بارے میں نقل کیا ہے کہ وہ کسی صورت میں جناب عمار کے قتل سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھا۔

ابن اثیر نے یہ واقعہ اپنی کتاب میں یوں بیان کیا ہے:

شبث بن ربعی نے معاویہ سے کہا: کیا تم عمار بن یاسر کو قتل کرنا پسند کرتے ہو؟

معاویہ نے کہا: کون سی چیز مجھے اس کام سے روک سکتی ہے؟! اگر سمیہ کا بیٹا میرے ہاتھ آئے تو میں اسے عثمان کے غلام کے سامنے قتل کردوں۔

شبث نے کہا: اس خدا کی قسم! جس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے، تمہاری یہ خواہش پوری نہیں ہوگی مگر یہ کہ بہت سے سر تن سے جدا ہو جائیں اور زمین وآسمان کے کنارے تم پر تنگ ہو جائیں۔

معاویہ نے کہا: اگر ایسا ہوا تو تجھ پر زیادہ تنگ ہو جائیں گے۔[1]

اس نکتہ کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ معاویہ نے بھی پیغمبر اکرم ﷺ کی یہ متواتر روایت نقل کی ہے کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا: عمار کو ظالم و ستمگر گروہ قتل کرے گا۔ پس جب شبث بن ربعی نے کہا: کیا تم عمار بن یاسر کو قتل کرنا پسند کرتے ہو؟ تو معاویہ نے کہا: کون سی چیز مجھے اس کام سے روک سکتی ہے؟! اس بات سے رسول خدا ﷺ کے فرمان کے سامنے معاویہ کی واضح وآشکار مخالفت ثابت ہو جاتی ہے۔

جنگ صفین میں جناب عمار کے قتل کے بارے میں معاویہ نے شبث بن ربعی کو دورانِ گفتگو جو جواب

---

[1]۔ تاریخ کامل ابن اثیر: ج۵ ص۱۸۶۹۔

دیا ہے ؛ اس میں اہم نکتہ موجود ہے کہ معاویہ نے حتی رسول خداﷺ کے فرمان اور عمار کے قاتلوں کے بارے میں آپ کی پیشنگوئی کو بھی کوئی اہمیت نہیں دی۔

جناب عمار کی عظمت، درخشاں کارنامہ اور نمایاں چہرہ سب کے نزدیک ثابت ہے لیکن معاویہ نے اپنے ناپاک اور مذموم مقاصد تک پہنچنے اور حکومت و طاقت کے حصول کے لئے ان کا خون بہایا اور خود کو جہنم کی طرف روانہ کیا۔

جناب عمار کی شخصیت اتنی جلیل القدر اور اہمیت کی حامل ہے کہ ان کے زمانے میں سب سے زیادہ ظالم اور خونخوار شخص یعنی حجاج بن یوسف ثقفی بھی اس بات کا معتقد تھا: اگر دنیا کے سب لوگ عمار کو قتل کرنے میں شریک ہوں تو وہ سب کے سب جہنم میں جائیں گے۔

اہلسنت علماء میں سے ابن اثیر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

بعض کہتے ہیں: جناب عمار کا قاتل ابوالغازیہ، حجاج بن یوسف ثقفی کے زمانے تک زندہ تھا۔ وہ ایک دن حجاج کے پاس گیا۔ حجاج نے اس کا احترام کیا اور پوچھا: تم نے سمیہ کے بیٹے (عمار) کو قتل کیا ہے؟

اس نے کہا: ہاں۔

حجاج نے کہا: جو کوئی بھی روز قیامت کسی بزرگ شخص کو دیکھنا چاہئے تو اس شخص کو دیکھے کہ اس نے سمیہ کے بیٹے کو قتل کیا ہے!

اس دوران ابوالغازیہ نے حجاج سے کچھ تقاضا کیا۔ لیکن حجاج نے وہ پورا نہ کیا۔

ابوالغازیہ نے کہا: ہم ان کے لئے دنیا ہموار کر رہے ہیں اور وہ ہمیں اس میں سے ایک پائی بھی نہیں دیتے اور پھر گمان کرتے ہیں کہ ہم روز قیامت بزرگوار ہوں گے!

حجاج نے کہا: ہاں خدا کی قسم! جس کے دانت احد کے پہاڑ، اس کی ران وَرِقام کے پہاڑ اور اس کا گروہ مدینہ ورِبذہ کی طرح ہو، وہ قیامت کے دن بزرگوار بن جائے گا! خدا کی قسم! اگر روئے زمین کے تمام لوگ عمار کے خون میں شریک ہوتے تو سب کے سب جہنم میں جاتے۔

عبدالرحمٰن سلمی کہتے ہیں: جب عمار قتل ہو گئے تو میں یہ دیکھنے کے لئے معاویہ کی فوج میں گیا کہ کیا جناب عمار کے قتل کی وجہ سے ان میں بھی اسی طرح شور مچا ہوا ہے کہ جس طرح ہم میں شور برپا تھا؟

معاویہ کے سپاہیوں کے ساتھ ہمارا یہ حال تھا کہ جب بھی جنگ کی آگ ٹھنڈی ہو جاتی تھی تو وہ ہمارے ساتھ بات چیت کرتے تھے اور ہم ان کے ساتھ بات چیت کرتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ معاویہ، عمرو

عاص، ابوالأعور اور عبداللہ بن عمرو گفتگو میں مصروف تھے۔

میں نے اپنا گھوڑا ان کی طرف دوڑایا تاکہ ان کی کسی بات سے محروم نہ رہ جاؤں۔ عبداللہ بن عمرو بن عاص نے اپنے باپ سے کہا: بابا جان! آپ نے اس شخص کو آج کے دن قتل کیا ہے، کیا آپ جانتے ہیں پیغمبر اکرم ﷺ نے کیا فرمایا تھا؟

اس نے کہا: کیا فرمایا تھا؟

کہا: کیا اس طرح نہیں تھا کہ جب مسجد نبوی تعمیر کی جارہی تھی تو لوگ ہر دفعہ ایک اینٹ اٹھاتے تھے اور عمار ہر بار دو اینٹیں اٹھاتے تھے اور زیادہ کام کرنے کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو گئے تو پیغمبر اکرم ﷺ ان کی بالین کے پاس آئے اور ان کے چہرے سے گرد و خاک صاف کرنے کے بعد فرمایا:

اے سمیہ کے بیٹے! شاباش ہے تجھ پر، دوسرے ہر مرتبہ ایک اینٹ اٹھاتے ہیں اور تو ہر بار دو اینٹیں اٹھاتا ہے لیکن ان سب کے باوجود ظالموں کا لشکر تمہیں قتل کر دے گا۔

عمرو عاص نے معاویہ سے کہا: دیکھ رہے ہو کہ میرا بیٹا عبداللہ کیا کہہ رہا ہے؟

معاویہ نے پوچھا: کیا کہہ رہا ہے؟

عمرو نے اس سے بھی یہی واقعہ بیان کیا۔ معاویہ نے کہا: کیا ہم نے اسے قتل کیا ہے؟! اسے اس نے قتل تک پہنچایا ہے جو اسے اس جنگ میں لے کر آیا!!

شامی اپنے خیموں سے باہر آئے اور سب نے کہا: بیشک عمار کو اس نے قتل تک پہنچایا جو اسے اس جنگ میں لے کر آیا!!

میں یہ نہیں جانتا تھا کہ کون زیادہ حیرت زدہ ہیں، وہ یا یہ؟[1]

آپ جناب عمار کے بارے میں اس دور کے ظالم اور خونخوار شخص حجاج بن یوسف کے قول سے بھی آگاہ ہوئے۔ معاویہ کے لشکر کے رہنماؤں میں سے عبداللہ بن عمرو عاص کا بھی عمار یاسر کے قتل کے بارے میں ایسا ہی موقف تھا۔ اب اس واقعہ کی طرف توجہ کریں:

جناب عمار کے قتل ہو جانے کے بعد دو افراد کے درمیان جنگ میں جناب عمار کے لباس اور لوازمات کے بارے میں نزاع و اختلاف ہو گیا، وہ دونوں عبداللہ بن عاص کے پاس آئے تاکہ وہ ان کا اختلاف ختم کر دے۔

---

[1]۔ تاریخ کامل ابن اثیر: ج۵ ص۱۸۹۵۔

عبداللہ نے کہا: وای ہو تم پر! میرے پاس سے دور ہو جاؤ، رسول خداﷺ نے فرمایا تھا:
قریش کو عمار سے کیا کام؟ عمار انہیں جنت کی طرف دعوت دے رہے ہیں اور وہ اسے آگ کی طرف دعوت دے رہے ہیں، ان کا قاتل اور ان کے لباس ولوازمات لے جانے والے جہنمی ہیں۔[1]

جناب عمار کی شہادت کے بارے میں متواتر حدیث

جناب عمار کی شہادت کے بارے میں روایات تواتر کی حد تک ہیں اور کئی اہلسنت علماء نے اس کی تصریح کی ہے۔ ابوبکر، عمر، عثمان، عائشہ، معاویہ، عمرو عاص، حجاج اور اہلسنت کے دوسرے بے شمار بزرگوں اور رہبروں نے یہ روایت نقل کی ہے۔اسی طرح بخاری اور مسلم جیسے افراد نے یہ روایت اپنی صحاح میں ذکر کی ہے۔اب ہم ان کے کچھ نمونے بیان کرتے ہیں:

بخاری نے اپنی صحیح میں عکرمہ سے روایت نقل کی ہے کہ اس نے کہا: ابن عباس نے مجھے اور اپنے بیٹے علی سے کہا: ابوسعید کے پاس جاؤ اور اس کی احادیث سنو۔

عکرمہ کہتے ہیں: ہم ابوسعید کے پاس گئے جب کہ وہ اپنے باغ میں باغبانی میں مصروف تھا۔ابوسعید نے ہمیں دیکھنے کے بعد اپنی عباء اٹھائی اور ایک کونے میں بیٹھ گیا۔

باتوں باتوں میں رسول اکرمﷺ کی مسجد کی تعمیر کی بات آئی تو ابوسعید نے کہا: ہم ہر بار ایک اینٹ اٹھا کر لے جاتے تھے لیکن عمار دو اینٹیں اٹھاتے تھے، اس دوران پیغمبر اکرمﷺ متوجہ ہوئے تو آپ نے ان کے کپڑوں کی خاک جھاڑی اور فرمایا:

عمار کو ظالم و ستمگر گروہ قتل کرے گا؛ عمار انہوں جنت کی طرف دعوت دیں گے لیکن "فئہ باغیہ" (یعنی باغی گروہ) انہیں جہنم کی طرف دعوت دیں گے۔

اس روایت کو مسلم، طبرانی، ترمذی، حاکم، احمد بن حنبل اور دوسروں نے روایت کیا ہے اور جلال الدین سیوطی نے اس حدیث کو متواتر روایات میں سے قرار دیا ہے۔

سیوطی کہتے ہیں: شیخین نے یہ روایت ابوسعید سے، مسلم نے ابوقتادہ سے، ام سلمہ اور ابویعلی سے، احمد

---

[1]۔ الغارات و شرح اعلام آن: ۵۱۴۔

نے عمار سے ،ان کے بیٹے اور عمرو بن حزم اور حزیمہ ذوالشاد تین سے، طبرانی نے عثمان سے،انس اور ابوہریرہ سے، حاکم نے حذیفہ اور ابن مسعود ، رفای نے ابورافع سے،ابن عساکر نے جابر بن عبداللہ سے اور جابر بن سمرہ،ابن عباس، معاویہ، زید بن اوفی،ابوالیسر کعب بن عمرو، زیاد کعب بن مالک،ابوامامہ سے ، عائشہ اور ابن ابی شیبہ نے عمرو بن عاص اور اس کے بیٹے عبداللہ سے نقل کی ہے۔

شافعی کہتے ہیں: صحابیوں میں سے یہ ستائیس افراد ہیں جنہوں نے یہ حدیث روایت کی ہے اور ان میں حزیمہ بھی شامل ہیں جو صحابیوں کی جگہ شمار کئے جاتے ہیں۔

حافظ ابن عبدالبر کہتے ہیں: متواتر رویات میں سے ہے کہ رسول خداﷺ نے فرمایا:

عمار کو ظالموں اور ستمگروں کا گروہ (فئہ باغیہ) قتل کرے گا۔

یہ موضوع اخبار غیبیہ میں سے ہے اور در حقیقت یہ آپ کی نبوت کی نشانیوں میں سے ہے اور اس کا شمار صحیح ترین روایات میں ہوتا ہے۔

ابن دحیہ کہتے ہیں: کسی نے بھی اس حدیث پر کوئی اشکال و اعتراض نہیں کیا اور اگر یہ حدیث صحیح نہ ہوتی تو معاویہ اسے ردّ کر دیتا اور اس کا انکار کر دیتا۔

ابن حر کا کہنا ہے: اس روایت کو اصحاب کے ایک گروہ نے نقل کیا ہے اور ان کا نام ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: اخبار غیبیہ میں سے شمار کی جانے والی اس حدیث میں واضح طور پر نبوت کی نشانیاں موجود ہیں اور یہ عمار کے لئے بھی بہت بڑی فضیلت ہے۔

سب لوگ جانتے ہیں کہ جناب عمار جنگ صفین میں قتل ہوئے،اور عمار صفین میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی فوج میں تھے اور معاویہ کے طرفداروں نے آپ کو قتل کیا۔اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معاویہ "باغی" تھا جو لوگوں کو جہنم کی طرف دعوت دیتا تھا اور جو لوگوں کو جہنم کی طرف بلائے وہ لعنت کا حقدار ہے اور وہ قیامت کے دن بے یارومددگار اور عذاب میں گرفتار ہو گا اور کالے چہرے کے ساتھ محشور ہوگا۔قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

"وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يُنصَرُونَ. وَأَتْبَعْنَاهُمْ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُم مِّنَ الْمَقْبُوحِينَ"۔[1]

---

[1]۔ سورۂ قصص،آیت: ۴۱ اور ۴۲۔

اور ہم نے ان لوگوں کو جہنم کی طرف دعوت دینے والا پیشوا قرار دے دیا ہے اور قیامت کے دن ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔اور دنیا میں بھی ہم نے ان کے پیچھے لعنت کو لگا دیا ہے اور قیامت کے دن بھی ان کا شمار ان لوگوں میں ہوگا جن کے چہرے بگاڑ دیئے جائیں گے۔

اس آیت میں ''مقبوح'' سے وہ شخص مراد ہے جو خیر سے دور ہو۔

معاویہ نے صفین کے دن مکر و فریب سے کام لیا تا کہ اس حدیث کے مضمون سے اپنا دامن بچا سکے اور اس پر اس کے صحابی کوئی اعتراض نہ کریں، لہٰذا اس نے کہا:

میں نے اسے (عمار) قتل نہیں کیا بلکہ اسے اس نے قتل کیا ، جس نے انہیں ان کے گھر سے باہر نکالا اور جو انہیں اس جنگ میں لے کر آئے !اس فریب اور دھوکہ کے ذریعہ اس نے اپنے ساتھیوں کی بغاوت سے نجات حاصل کی۔

حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے اس کے ردّ میں فرمایا:

اگر ایسی بات ہے تو پھر اس بناء پر سید الشہداء حمزہ کے قاتل رسول خدا ﷺ ہوں گے کیونکہ وہ انہیں گھر سے باہر لے کر آئے اور انہیں جنگ احد میں شریک کیا اور آخر کار وہ قتل ہو گئے۔

اس کلام کے بعد معاویہ لاجواب ہو گیا اور اس بات کا کوئی جواب نہ دے سکا۔

معاویہ بہت چالاک ، مکار اور دھوکہ باز تھا،اس نے دوسری مرتبہ پھر حدیث کا دوسرا معنی کیا اور کہا: جی ہاں !فرقۂ باغیہ ہم ہی ہیں، جنہوں نے عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے قیام کیا۔

معاویہ نے باغیہ کو ''بغای'' سے لیا ، جس کے معنی طلب کرنا ہے اور اس طرح اس نے دوسری مرتبہ اپنے ساتھیوں کو قانع کیا۔لیکن معاویہ نے دونوں معنی میں خطا کی ہے۔پہلا معنی تو واضح ہے اور اسے ردّ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور دوسرے معنی میں اگر ''باغیہ'' کے معنی ''طلب کرنے والا'' ہو تو اس کا کوئی ربط نہیں ہے کیونکہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: عمار انہیں جنت کی طرف عوت دیتے ہیں اور وہ عمار کو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں۔اور یہ واضح ہے کہ یہاں ''باغیہ'' مذموم بغی کے معنی میں ہے۔ جس سے خدا نے منع کیا ہے جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: ''وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاء وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ''[1] اس ''بغی'' کا طلب کے معنی کے ساتھ کوئی ربط نہیں ہے۔

---

[1]۔ سورۂ نحل،آیت: ۹۰.

پھر وہ کہتا ہے: میرے نزدیک یہ مسلّم ہے کہ معاویہ اپنی مخصوص فہم و فراست سے یہ جانتا تھا کہ یہ تأویلیں مکمل طور پر بے ربط ہیں اور ان کا حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ یہ معنی اس قدر بے بنیاد ہے کہ حتی عام افراد بھی اس کے غلط اور بے ربط ہونے سے واقف ہیں۔ ضروی تھا کہ جناب عمار کی شہارت کے بعد معاویہ ظلم و ستم سے ہاتھ اٹھالیتا اور مخالفت سے دستبردار ہو جاتا لیکن اس کی باطنی خباثت اور ذاتی شقاوت نے اسے مجبور کیا کہ اپنی مکاری وعیاری سے اپنے ساتھیوں کو دھوکہ دے، جب کہ دنیا اور حکومت حاصل کرنے کے لئے یہ باطل تأویلیں پیش کرے۔

معاویہ اپنے گماشتوں کو راضی رکھنے اور ان سے حقائق چھپانے کے لئے ایسے ہی ناروا مطالب بیان کرتا تھا ،افتراء و بہتان کے ذریعہ لوگوں کو راضی رکھتا تھا اور لوگوں کو دوزخ کی طرف دعوت دیتا تھا اور خدا سے جنگ کرتا تھا۔

جناب عمار کے قتل ہو جانے کے بعد کسی کو کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ معاویہ ''فئہ باغیہ'' کا پیشوا ہے ؛عبداللہ بن عمر بہت زیادہ افسوس کرتا تھا کہ میں نے کیوں معاویہ سے جنگ نہیں کی۔ابو حنیفہ نے عطاء بن ابی ریاح سے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن عمر کہتا تھا: مجھے بہت افسوس ہے کہ میں نے کیوں''فئہ باغیہ'' سے جنگ نہیں کی۔

ابن عبدالبر نے ایک گروہ سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن عمر نے وفات کے وقت کہا: مجھے بہت افسوس ہے کہ علی بن ابیطالب علیہما السلام کے ساتھ مل کر ''فئہ باغیہ'' سے جنگ کیوں نہیں۔اس روایت کو حاکم نے صحیح سند سے نقل کیا ہے۔

بیہقی نے ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا: مجھے افسوس ہے کہ میں نے فرقۂ باغیہ سے جنگ کیوں نہیں کی کیونکہ خداوند متعال نے فرمایا ہے:

''فَاِن بَغَتْ اِحْدَاهُمَا عَلَى الْاُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتَّى تَفِيْءَ اِلَى أَمْرِ اللّٰهِ''۔[1]

اگر ایک دوسرے پر ظلم کرے تو سب مل کر اس سے جنگ کرو جو زیادتی کرنے والا گروہ ہے یہاں تک کہ وہ بھی حکم خدا کی طرف واپس آجائے۔

حاکم کہتا ہے: اس بارے میں بہت زیادہ روایات نقل ہوئی ہیں اور بزرگ تابعین کے ایک گروہ نے یہ

---

[1]۔ سورۂ حجرات، آیت: ۹۔

روایات عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہیں۔ کتاب "اعلام نصر مبین در داوری میان اہل صفین" میں اس روایت (یعنی باغی اور ستمگر گروہ عمار کا قاتل ہے) کی اسناد کو دوسری طرح ذکر کیا ہے۔

مسلم نے محمد بن مثنّی سے روایت کیا ہے اور اس نے بشار سے اور ان دونوں نے کہا ہے: محمد بن جعفر نے تبعہ سے اور اس نے ابو مسلمہ سے روایت نقل کی ہے کہ اس نے کہا: میں نے ابو نضرہ سے سنا ہے کہ ابو سعید خدری نے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا: مجھے اس نے خبر دی، جو مجھ سے بہتر تھا کہ جب عمار خندق کھود رہے تھے تو رسول خداﷺ اپنا دست مبارک ان کے سر پر پھیرتے تھے اور فرماتے تھے:

ابن سمیہ کے لئے افسوس! کہ اسے ستمگر گروہ قتل کرے گا۔[۲]

اسی طرح یہ روایت اسحاق بن ابراہیم، اسحاق بن منصور، محمود بن غیلان اور محمد بن قدامہ کی سند سے بھی نقل ہوئی ہے اور سب نے کہا ہے: نضر بن شُمیّل نے ابو مسلمہ سے اسی سلسلہ سند سے ہمارے لئے روایت کی ہے مگر یہ کہ حدیث کی سند میں نصر بھی آیا ہے کہ اس نے کہا: مجھے اس نے خبر دی ہے کہ جو مجھ سے بہتر ہے، ابو قتادہ نے کہا: خالد بن حارث نے بھی کہا ہے کہ میں نے ابو قتادہ کو دیکھا ہے۔

مسلم نے کہا ہے کہ محمد بن عمرو جَبَلہ نے محمد بن جعفر[۳] اور انہوں نے عقبۃ بن مکرم العمی اور انہوں نے ابو بکر بن نافع سے عقبی کے قول کو ہمارے لئے روایت کیا اور ابو بکر نے کہا: غندر[۴] نے ہمیں خبر دی ہے اور انہوں نے کہا ہے: شعبہ نے ہمیں خبر دی ہے اور انہوں نے الخذاء (حذاء) سے سنا ہے اور انہوں نے سعید بن ابی الحسن اور انہوں نے اپنی ماں اور انہوں نے ام سلمہ سے سنا ہے کہ رسول خداﷺ نے عمار سے فرمایا: تمہیں ستمگر گروہ قتل کرے گا۔[۵]

صحیح مسلم میں یہ روایت دوسرے سلسلہ سے بھی موجود ہے کہ سعید نے اپنے بھائی حسن بصری اور اس نے اپنی ماں خیرہ اور اس نے پیغمبر اکرمﷺ کی زوجہ ام سلمہ سے نقل کیا ہے۔

۱۔ معاویہ و تاریخ: ۴۲۔
۲۔ صحیح مسلم بہ شرح نووی، کتاب الفتن: ج۱۸ ص۳۰۔
۳۔ صحیح مسلم: ج۱۸ ص۴۱۔
۴۔ صحیح مسلم: ج۱۸ ص۴۱۔
۵۔ صحیح مسلم بہ شرح نووی، کتاب الفتن: ج۱۸ ص۴۲۔

یہ حدیث متواتر ہے۔ طبرانی نے اسے معجم الکبیر[1] میں نقل کیا ہے اور اس کی اصل کتاب دو سو تیس حصوں میں میرے پاس موجود ہے اور وہ دنیا (اسلام) کی سب سے بڑی سند ہے۔ میں نے وہ تمام سند اصفہان میں پڑھی اور یہ موضوع اپنی کتاب میں بھی ذکر کیا کہ جس کا نام میں نے "علم المشہور" رکھا۔

طبرانی نے یہ حدیث معاویہ کے قول، عمرو عاص، اس کے بیٹے عبداللہ اور اصحاب پیغمبر ﷺ کے ایک دوسرے گروہ سے نقل کی ہے۔

ابو عبدالملک مروان بن عبدالعزیز نے کہا: فقیہ محدث عالم ابو عمران موسی بن عبدالرحمٰن بن ابی تلید نے ابو عمر بن عبدالبر سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کتاب "استیعاب" میں عمار کے حالات زندگی میں پڑھا ہے کہ: پیغمبر اکرم ﷺ سے متواتر روایات نقل ہوئی ہیں، جن میں آپ نے فرمایا: عمار کو ستمگر اور ظالم گروہ قتل کرے گا، اور یہ روایت صحیح ترین روایات میں سے ہے۔[2]

ذوالنسبین (خدا ان کی تائید کرے) کہتے ہیں: اس روایت میں کس طرح اختلاف ہے؟ حالانکہ ہم نے دیکھا ہے کہ خود معاویہ بھی اس کا انکار نہیں کر سکا اور اس نے کہا: اسے (عمار) اس نے قتل کیا، جو اسے میدان جنگ میں لے کر آیا۔ اگر اس حدیث میں کسی شک کی گنجائش ہوتی تو معاویہ اس کا انکار کر دیتا اور اس کے نقل کرنے والے کی تکذیب کرتا یا اسے دھوکہ دیتا۔

حضرت علی علیہ السلام نے جب معاویہ کی یہ بات سنی تو آپ نے اسے یوں جواب دیا: پس رسول خدا ﷺ نے حمزہ کو قتل کیا ہے کیونکہ وہ انہیں میدان جنگ میں لے کر آئے تھے۔ اس نے حضرت علی علیہ السلام کے اس قول کا کوئی جواب نہیں تھا اور یہ ایک ایسی حجت اور دلیل تھی، جس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا تھا۔ حضرت علی علیہ السلام کے اسی قول کو مشہور فقہاء نے مد نظر رکھا ہے...۔

مجد الدین مفتی الفرق ابو سعید عبداللہ بن عمر بن صفار نے مدرسہ شادیاخ میں کتاب سے میرے لئے یہ روایت پڑھی۔ اس نے کہا: کئی محدثین نے ابو المعالی سے یہ میرے لئے یہ روایت نقل کی ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ سے گذشتہ روایت میں "بؤس ابن سمیہ" بھی آیا ہے۔ کلمہ "بؤس و بائس" دونوں انسان کی جان اور حال کی سختی کے معنی میں ہے۔ "بؤس" تنوین کے بغیر مصدر ہے جیسا کہ ہم نے "یا بؤس بن

---

[1] ۔ معجم الکبیر: ج ۱ ص ۳۳۰۔

[2] ۔ الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب: ج ۲ ص ۴۸۱۔

سمیہ" کی صورت میں بھی اسے روایت کیا ہے؛یعنی "وای ہو اسے پہنچے والی بؤس اور تکلیفوں کی شدت پر"۔یہ جناب عمار کے لئے باب ترحم سے کہا گیا ہے، جو ان کے آئندہ کے امور میں سے تھا۔ کیونکہ پیغمبر ﷺ وحی کی مدد سے جانتے تھے کہ آئندہ زمانے میں لوگوں کے ساتھ کیا ہو گا۔آپ نے ابن سمیہ کہنے کے ذریعہ ایمان کی خاطر ان پر اور ان کے ماں باپ پر ٹوٹنے والے مصائب اور مشکلات کو بیان کیا ہے۔

یہ روایت پیغمبر خدا ﷺ کے معجزوں اور ان روایات میں سے ہے، جن میں آنحضرت نے واقعات کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ان کے بارے میں بتایا ہے اور آپ کا یہ فرمانا: "الفئۃ الباغیۃ" اس سے ایک جماعت اور فرقہ مراد ہے۔ جیساکہ کہا جاتا ہے: "فأیت رأسه و فأوته" جب میں نے انہیں دو حصہ کر دیا۔

پروردگار عالم فرماتا ہے: "فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ"[1] اس بارے میں آپ نے دو فرقوں (یعنی دو گروہوں) سے شدید اختلاف کیا۔ اور "الباغیہ" یعنی ظالم و ستمگر، کیونکہ "بغی" ظالم کے معنی میں لیا گیا ہے اور اس کا اصل حسد ہے۔

رسول خدا ﷺ کی حدیث نقل کرتے وقت صحابہ اور تابعین کے حالات

"صحیح بخاری" میں خالد الحذاء سے اور انہوں نے عکرمہ سے، انہوں نے ابن عباس اور ان کے بیٹے علی سے روایت کیا ہے: یہ دونوں ابوسعید (خدری) کے پاس گئے تاکہ اس سے اس بارے میں حدیث سنیں۔اس وقت وہ ایک دیوار تعمیر کر رہا تھا، اس نے اپنی عبا اٹھائی اسے اکٹھا کیا اور گفتگو شروع کی یہاں تک کہ مسجد نبوی کی تعمیر کی بات چلی تو اس نے کہا:

ہم ایک ایک کر کے مسجد کی اینٹیں اٹھا رہے تھے جب کہ عمار ددو دو اینٹیں اٹھاتے تھے۔پس رسول خدا ﷺ نے انہیں دیکھا تو ان کے چہرے کی دھول کو صاف کیا جب کہ آپ فرما رہے تھے: افسوس ہو عمار کے لئے! یہ انہیں جنت کی طرف دعوت دیں گے اور وہ انہیں جہنم کی طرف بلائیں گے۔

---

[1] ۔ سورۂ نساء، آیت: ۸۸.

ابو سعید خدری نے کہا: عمار نے کہا: خدا کی قسم! اس گروہ سے پناہ مانگتا ہوں۔
کتاب ''صحیح بخاری'' میں ایک دوسرے طریقہ سے بھی یہ حدیث ذکر ہوئی ہے۔[1]

جناب عمار یاسر کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشگوئیوں کے اثرات

جناب عمار یاسر کی شہادت، ان کے اور جس گروہ میں وہ ہوں، اس کے حق پر ہونے کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشگوئی کو اس قدر شہرت ملی کہ یہ جنگ صفین میں شام کے لشکر پر بہت زیادہ اثرانداز ہوئی۔ یہاں تک کہ جنگ صفین میں یہ بعید نہیں تھا کہ ایک بڑی تبدیلی رونما ہو جائے اور شامی معاویہ کا ساتھ چھوڑ کر امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے لشکر سے ملحق ہو جاتے! لیکن معاویہ اور عمرو عاص کی مکاریاں اور شامیوں کی سادہ لوحی سبب بنی کہ انہوں نے اسی طرح اپنے باطل راستہ کو جاری رکھا۔

ہم نے جو کچھ کہا وہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی بعض اہلسنت بزرگوں جیسے ابن ابی الحدید نے بھی تصریح کی ہے۔

ہم ان کی عبارت نقل کرنے کے بعد اس کا تجزیہ و تحلیل کریں گے:

ابن ابی الحدید معتزلی نے اپنی کتاب ''شرح نہج البلاغہ'' میں کہا ہے: ایک دن امیر المؤمنین علی علیہ السلام (جنگ صفین کے دوران) قبیلۂ ہمدان کے کچھ لوگوں، حمیر اور کچھ قحطیوں کے درمیان کھڑے تھے۔ اسی دوران شامیوں میں سے ایک شخص نے بلند آواز سے کہا: ابو نوح حمیری کی طرف کون میری رہنمائی کرے گا؟

ایک شخص نے اس سے کہا: وہ یہیں ہیں، تمہیں کیا چاہئے؟

اس وقت امام علی علیہ السلام کے محاذ کے نزدیک ایک شامی شخص نے اپنا نقاب ہٹایا تو پتہ چلا کہ وہ ذوالکلاع حمیری ہے، جس کے ساتھ اس کی قوم کا ایک گروہ بھی تھا۔

ذوالکلاع حمیری نے ابو نوح حمیری (جو اس کا چچازاد بھائی تھا) سے کہا: میرے ساتھ آؤ۔

---

[1] ۔ اعلام نصر مبین، در داوری میان اہل صفین: ۶۶۔

اس نے پوچھا: کہاں آؤں؟

اس نے کہا: اس صف سے باہر چلے جائیں۔

پوچھا: تمہیں کیا کام ہے؟

اس نے کہا: مجھے تمہاری ضرورت ہے.... بالآخر ذوالکلاع نے اپنے چچا کے بیٹے ابونوح سے عہد و پیمان کیا کہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ ابونوح ،ذوالکلاع کے ساتھ جنگ کی صفوں سے باہر نکل آئے اور پھر ذوالکلاع نے کہا: میں چاہتا ہوں کہ تم سے رسول خداﷺ کی ایک حدیث کے بارے میں پوچھوں اور وہ حدیث یہ ہے:

عمرو عاص نے عمر کی خلافت کے زمانے میں کئی مرتبہ کہا ہے اور اب بھی میں نے اس سے پوچھا ہے،اور اس نے پھر بھی یہی کہا ہے کہ میں نے رسول خداﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا:

شام اور عراق کے لوگ جنگ کریں گے ،اور ان لشکروں میں سے کسی ایک لشکر میں امام برحق ہوں گے اور عمار یاسر بھی انہی کے ساتھ ہوں گے۔

ابونوح نے کہا: جی ہاں! یہ صحیح ہے۔خدا کی قسم! عمار یاسر ہمارے درمیان ہیں۔

ذوالکلاع نے کہا: تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ کیا عمار ہمارے ساتھ جنگ کرنے میں سنجیدہ ہیں؟

ابونوح نے کہا: ہاں! رب کعبہ کی قسم! وہ تمہارے ساتھ جنگ کرنے میں مجھ سے زیادہ سنجیدہ ہیں جب کہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ کاش تم سب ایک ہی جسم ہوتے اور میں اس ایک جسم کو قتل کر دیتا اور دوسرں کو قتل کرنے سے پہلے تمہیں قتل کرتا، باوجود اس کے کہ تم میرے چچا کے بیٹے ہو!

ذوالکلاع نے کہا: افسوس ہے تم پر! میرے بارے میں تمہاری ایسی خواہش کیوں ہے؟حالانکہ خدا کی قسم! میں تمہیں اور اپنے رشتہ کو کبھی نہیں بھولا اور تم میرے قریبی رشتہ دار ہو اور تمہیں قتل کرنے سے مجھے کبھی بھی خوشی نہیں ہو گی۔

ابونوح نے کہا: خداوند نے اسلام کے ذریعہ بہت سے قریبی رشتوں کو ختم کر دیا ہے اور بہت سے دور کے رشتوں کو قریب کر دیا ہے۔ میں تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کا قاتل ہوں، کیونکہ ہم حق پر ہیں اور تم باطل پر۔

ذوالکلاع نے کہا: کیا تم میرے ساتھ شام کے لشکر میں آ سکتے ہو اور میں ان سے تمہاری حفاظت کروں گا اور تم میری پناہ میں ہوگے ،تاکہ عمرو عاص سے ملیں اور اسے عمار کے احوال اور ہمارے خلاف جنگ میں ان

کی سنجیدہ کوششوں سے آگاہ کریں؟شاید اس طرح ان دونوں لشکروں کے درمیان صلح ہو جائے؟

پھر ابن ابی الحدید کہتے ہیں: حیرت کی بات ہے جو قوم عمار کے وجود کی وجہ سے اپنے کام میں شک میں مبتلا ہو گئی لیکن امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے ہوتے ہوئے بھی وہ اس شک و تردید کا شکار نہیں ہوئی اور یہ استدلال کرتے ہیں چونکہ عمار عراقیوں کے ساتھ ہیں پس حق انہی کے ساتھ ہے لیکن انہوں نے امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے بلند مقام و مرتبہ کا کوئی خیال نہیں کیا،انہیں عمار کے بارے میں پیغمبر اکرم ﷺ کے اس فرمان"تجھے سرکش اور ظالم و ستمگر گروہ قتل کرے گا" کا تو ڈر تھا اور اس سے پرہیز کرتے ہیں لیکن انہیں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے بارے رسول خدا ﷺ کی اس حدیث "خدایا؛تو اسے دوست رکھ جو اسے (علی علیہ السلام) دوست رکھے اور اسے دشمن رکھ جو اس سے دشمنی رکھے" اور اسی طرح دوسری حدیث کہ جس میں آپ نے فرمایا:"(اے علی !)مؤمن کے سوا کوئی تم سے محبت نہیں کرے گا اور منافق کے علاوہ کوئی تجھ سے دشمنی نہیں رکھے گا" سے کوئی خوف نہیں تھا!

یہ موضوع ہمیں اس نتیجہ تک پہنچاتا ہے کہ قریش کے تمام افراد ابتداء ہی سے امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے نام،آپ کے فضائل اور آپ کے خصائص حسنہ چھپانے کے لئے کوشاں رہے،یہاں تک کہ آپ کی بہت کم فضیلتوں کے علاوہ باقی سب لوگوں کے سینوں سے مٹ گئیں۔

بہر حال،ذوالکلاع اور اس کے چچا کا بیٹا ابونوح عمرو عاص کی طرف روانہ ہوئے اور انہوں نے اسے معاویہ کے خیمہ میں دیکھا جب کہ عمرو عاص کا بیٹا عبداللہ لوگوں کو جنگ کی ترغیب دلا رہا تھا۔

جونہی ذوالکلاع نے عمرو عاص کو دیکھا تو کہا:اے ابو عبداللہ !کیا تم چاہتے ہو کہ ایک خیر خواہ اور عقلمند شخص تمہیں عمار یاسر کے بارے میں بتائے اور جھوٹ نہ بولے؟

عمرو نے کہا:وہ شخص کون ہے؟

کہا:وہ میرے چچا کا بیٹا ہے اور کوفہ کے لوگوں میں سے ہے۔

جب وہ ایک دوسرے کے پاس آئے تو عمرو عاص نے ابونوح سے کہا:میں تمہارے چہرے پر ابوتراب (امیر المؤمنین امام علی علیہ السلام) کے نشان دیکھ رہا ہوں۔

ابونوح نے کہا:ہاں ! پیغمبر اکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب کے چہرے کی نورانیت میرے چہرے پر آشکار ہے حالانکہ تمہارے چہرے پر ابوجہل اور فرعون کے چہرے کی سیاہی و تیرگی کے نشان ہیں۔

اسی وقت عمرو عاص کے ساتھیوں میں سے ایک شخص ابونوح پر حملہ کرنے کے لئے کھڑا ہوا ،لیکن

ذوالکلاع اس کی راہ میں حائل ہو گیا۔

آخر کا عمرو عاص نے پوچھا: اے ابونوح! تجھے خدا کی قسم ہے کہ تم جھوٹ نہ بولنا! کیا عمار یاسر تم لوگوں کے درمیان ہیں؟ ابونوح نے کہا: میں تمہیں تب تک نہیں بتاؤں گا کہ جب تک تم یہ نہ بتاؤ کہ تم نے کس لئے صرف عمار کے بارے میں پوچھا حالانکہ پیغمبر اکرم ﷺ کے دیگر اصحاب بھی ہمارے ساتھ ہیں اور سب تمہارے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں؟

عمرو نے کہا: چونکہ میں نے پیغمبر اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا:

بیشک عمار کو ظالم و ستمگر گروہ قتل کرے گا اور عمار ہر گز حق سے جدا نہیں ہوں گے اور (جہنم کی) آگ عمار کو چھو بھی نہیں سکے گی۔

ابونوح نے کہا: لاالہ الّااللہ، اللہ اکبر! اور پھر فرمایا: خدا کی قسم! وہ ہمارے درمیان ہیں اور تمہارے خلاف جنگ کرنے میں مصروف ہیں۔

عمرو عاص نے کہا: اے ابونوح! تمہیں خدائے واحد کی قسم! کیا وہ ہمارے ساتھ جنگ کرنے میں سنجیدہ ہیں؟

کہا: ہاں! خدائے واحد کی قسم! حتی کہ انہوں (عمار یاسر) نے جنگ جمل میں مجھ سے کہا: ہم بصرہ کے لوگوں پر کامیاب ہوں گے، اور وہ کل بھی کہہ رہے تھے کہ اگر معاویہ کا لشکر ہم پر ایسا وار کرے اور ہمیں ہجر کے نخلستان تک پیچھے ڈھکیل تو پھر بھی ہم یہ جانتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں اور ہمارے قتل ہونے والے افراد جنت میں اور ان کے مارے جانے والے افراد جہنم میں جائیں گے۔

عمرو عاص نے کہا: کیا تم عمار سے میری ملاقات کروا سکتے ہو؟

کہا: ہاں۔

اس طرح عمرو عاص، اس کے دو بیٹے، معاویہ کا بھائی عتبہ، ذوالکلاع، ابوالأعور سلمی، حوشب اور ولید بن عقبہ، عمار سے ملاقات کرنے کے لئے سوار ہوئے۔ دوسری طرف ابونوح، شرجیل بن ذوالکلاع (جو معاویہ کے سپاہیوں سے بچانے کے لئے ابونوح کے محافظ تھے) کے ساتھ عمار کے پاس جانے کے لئے روانہ ہوئے۔

اسی دوران عمار یاسر؛ مالک اشتر ہاشم، بدیل بن ورقاء کے دو بیٹے، خالد بن معمر، عبداللہ بن حجل اور عبداللہ بن عباس کے ساتھ ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔

ابونوح نے اپنے چچا کے بیٹے ذوالکلاع کا سارا ماجرا عمار سے بیان کیا۔

عمار نے کہا: اس (عمرو عاص) نے سچ کہا ہے اور اس نے یہ جو بات (حدیث پیغمبر اکرم ﷺ) سنی ہے، یہ اس کے لئے نقصان دہ ہے اور اس میں اس کے لئے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

ابونوح نے کہا: اب عمرو عاص آپ سے ملنا چاہتا ہے۔

عمار یاسر نے اپنے ساتھیوں سے کہا: سوار ہو جاؤ، وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور ملاقات کے مقام کی طرف روانہ ہو گئے۔

بالآخر رسول خدا ﷺ کے بزرگ صحابی جناب عمار اپنے بارہ ساتھیوں کے ساتھ معین جگہ پہنچے اور انہوں ے عمرو عاص سے ملاقات کی جب کہ اس کے ساتھ بھی اس کے تقریباً اتنے ہی ساتھی تھے۔ وہ ایک دوسرے سے اتنے قریب ہو گئے تھے کہ ان کے گھوڑوں کی گردنیں آپس میں ملنے رہی تھیں۔

ابن ابی الحدید کے مطابق دونوں گروہ گھوڑوں سے اتر آئے جب کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں میں تلواریں پکڑی ہوئی تھیں۔ عمرو عاص نے کلمۂ شہادت پڑھنا شروع کیا۔

جناب عمار نے اس سے کہا: خاموش ہو جاؤ! تم نے اسے چھوڑ دیا ہے، حلانکہ میں تجھ سے زیادہ اس کے لائق ہوں۔ اگر تم لڑنا اور دشمنی کرنا چاہتے ہوں تو ہمارا حق تمہارے باطل کو ختم کر دے گا اور اگر تم بات کرنا چاہتے ہو تو ہم اچھی اور شائستہ باتیں کرنا تم سے بہتر جانتے ہیں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ تمہاری اطلاع کے لئے کوئی ایسی بات کہوں جو تمہیں اور ہمیں مشخص کر دے اور جو تمہیں تمہاری جگہ سے اٹھنے سے پہلے کفر سے منسوب کر دے اور تم خود بھی اس کے صحیح ہونے کی گواہی دو اور اس بارے میں مجھے جھٹلا بھی نہ پاؤ؟

عمرو عاص نے کہا: اے ابایقظان (عمار یاسر)! میں اس مقصد سے نہیں آیا بلکہ اس لئے آیا ہوں کہ میں یہ دیکھوں کہ تم اس لشکر (لشکر امیر المؤمنین علی علیہ السلام) میں سب سے زیادہ اطاعت گزار شخص ہو۔ تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ ان کے اسلحوں کو قتل کرنے سے روکو اور ان کے خون کی حفاظت کرو اور اس بارے میں ان کی تشویق کرو اور انہیں ترغیب دلاؤ۔ کس لئے ہم سے جنگ کر رہے ہو؟ کیا ہم ایک خدا کی عبادت نہیں کرتے؟ کیا ہم تمہارے قبلہ کی طرف رخ کرکے نماز ادا نہیں کرتے اور کیا ہم اسی چیز کی دعوت نہیں دیتے، جس کی تم دعوت دیتے ہو، اور کیا ہم تمہاری کتاب کی تلاوت نہیں کرتے اور کیا ہم تمہارے پیغمبر پر ایمان نہیں رکھتے؟

عمار نے کہا: اس خدا کا شکر ہے جس نے تمہارے منہ پر یہ باتیں جاری کی ہیں۔ ہاں! یہ سب میرے اور میرے ساتھیوں کا ہے؛ قبلہ، دین، خدا کی عبادت، پیغمبر اور کتاب کا تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے کوئی

تعلق نہیں ہے۔اس خدا کا شکر ہے جس نے تمہیں ہمارے لئے ایسا اقرار کرنے پر مجبور کیا اور تمہیں گمراہ اور گمراہ کرنے والا اندھا دل قرار دیا ہے۔

اب میں تمہیں یہ بتاتا ہوں کہ ہم تم سے اور تمہارے ساتھیوں سے کیوں جنگ کر رہے ہیں۔ بیشک رسول خداﷺ نے مجھے حکم دیا کہ ناکثین (یعنی جمل میں عہد و پیمان توڑنے والوں) سے جنگ کروں، لہٰذا میں نے ایسا ہی کیا۔اور فرمایا: قاسطین (ظالموں اور ستمگروں) سے جنگ کروں اور تم لوگ وہی ہو۔ لیکن میں مارقین (دین سے خارج ہونے والے نہروان کے خوارج) کے بارے میں نہیں جانتا کہ کیا میں ان کے زمانے تک رہوں گا یا نہیں؟

اے دم بریدہ ابتر! کیا تم نہیں جانتے کہ پیغمبرﷺ نے فرمایا تھا:

جس کا میں مولا ہوں ،اس کے علی مولا ہیں۔خدایا! اسے دوست رکھ جو انہیں دوست رکھے اور اسے دشمن رکھ جو انہیں دشمن رکھے؟

میں خدا اور رسول خداﷺ کو دوست رکھتا ہوں اور ان کے بعد امیر المؤمنین علی علیہ السلام کا دوست اور محب ہوں۔

عمرو نے کہا: اے ابو یقظان! تم مجھے برا بھلا کیوں کہہ رہے ہو حالانکہ میں نے تمہیں بالکل برا بھلا نہیں کہا ہے؟

عمار نے کہا: تم مجھے کس چیز کی وجہ سے برا بھلا کہو گے؟ کیا تم یہ کہہ سکتے ہو کہ میں نے حتی ایک دن بھی خدا اور خدا کے رسولﷺ کے حکم سے منہ پھیرا؟

عمرو عاص نے کہا: اس کے علاوہ تم میں بھی برائیاں اور پستیاں ہیں!

عمار نے کہا: بزرگ اور محترم وہی ہے جسے خدا نے محترم قرار دیا ہے۔ میں پست تھا خدا نے مجھے بزرگی عطا کی، میں غلام تھا خدا نے مجھے آزاد کیا، میں ناتواں تھا خدا نے مجھے توانا کیا، میں بینوا تھا خدا نے مجھے توانائی عطا کی۔

عمرو عاص نے کہا: قتل عثمان کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟

عمار نے کہا: اس نے تم لوگوں کے لئے تمام برائیوں کا دروازہ کھول دیا تھا۔

عمرو نے کہا: اور پھر علی (علیہ السلام) نے اسے قتل کر دیا۔

عمار نے کہا: خداوند نے اسے قتل کیا جو امیر المؤمنین علی علیہ السلام کا پروردگار ہے اور علی علیہ السلام اس کے ساتھ تھے۔

عمرو نے کہا: تم بھی ان کے ساتھ تھے، جب اسے قتل کیا گیا۔

عمار نے کہا: ہاں! میں ان کے ساتھ تھا جنہوں نے اسے قتل کیا اور آج بھی ان کے ساتھ جنگ کر رہا ہوں۔

پھر عمرو عاص نے پوچھا: تم لوگوں نے عثمان کو کیوں قتل کیا؟

عمار نے کہا: وہ ہمارے دین کو تبدیل کرنا چاہتا تھا لہٰذا ہم نے اسے قتل کر دیا۔

عمرو نے اپنے ساتھیوں سے خطاب کیا: کیا تم لوگ نہیں سن رہے؟ یہ تمہارے امام کو قتل کرنے کا اعتراف کر رہا ہے۔

عمار نے کہا: تمہاری یہ بات تم سے پہلے فرعون نے اپنی قوم سے کہی تھی: ''کیا تم نہیں سن رہے ہو''۔[1]

اس وقت شامی اٹھے اور شور و غل کرتے ہوئے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور واپس چلے گئے۔ عمار بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنے محاذ کی طرف واپس آ گئے۔

جب اس گفتگو کی خبر معاویہ تک پہنچی تو اس نے کہا: ہاں! اگر سیاہ غلام (عمار یاسر) اعراب کو للکارے تو وہ یہ جان لے کہ وہ حتمی طور پر نابود ہو جائے گا۔

جب عمار عراق کے محاذ کے قریب ہوئے تو انہوں نے ہاشم بن عتبہ اور اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ شام کے محاذ پر حملہ کیا اور اس قدر جنگ کی کہ آخر کار شہید ہو گئے۔

مؤرخین کہتے ہیں: عمار یاسر نے شہادت سے کچھ لمحات پہلے پیاس کی شدت کی وجہ سے پانی کا تقاضا کیا اور اس دوران عمار کا غلام راشد ان تک پہنچا اور کچھ دودھ پلا کر انہیں سیراب کیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی عمار سے فرمایا تھا:

تمہاری شہادت سے پہلے تمہاری آخری غذا کچھ دودھ ہو گا۔

ابوالمعاویہ کے نیزہ سے عمار یاسر زمین پر گرے اور ابن حوی نے آپ کا سر تن سے جدا کیا تا کہ معاویہ کے پاس لے جا کر اس سے اپنا انعام وصول کرے۔

دوسری طرف ذوالکلاع عمار اور عمرو عاص کی گفتگو سے راضی نہ ہوا اور وہ اسی طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشگوئی کی فکر میں تھا لیکن عمرو عاص اسے تسلی دیتا تھا اور کہتا تھا: جلد ہی تم یہ دیکھ لوگے کہ عمار، ابوتراب (علی

---

[1] سورۂ شعراء کی ۲۵ ویں آیت کا کچھ حصہ۔ تفسیر ابوالفتوی رازی: ج۸ ص ۳۳۳ چاپ شعرانی۔

علیہ السلام) سے الگ ہو کر ہمارے ساتھ ملحق ہو جائے گا!

ابن ابی الحدید کے قول کے مطابق جس دن عمار یاسر شہید ہوئے ،ذوالکلاع بھی امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے ساتھیوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا، لہٰذا عمرو عاص ،معاویہ سے کہہ رہا تھا: خدا کی قسم! میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے کس کے قتل ہونے پر زیادہ خوشی مناؤں۔ اگر عمار کے قتل ہونے کے بعد ذوالکلاع زندہ ہوتا تو یقیناً وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ہم سے جدا ہو جاتا اور علی (علیہ السلام) سے ملحق ہو جاتا اور ہمارا کام خراب کر دیتا۔

مؤرخین کہتے ہیں: کچھ لوگ معاویہ کے پاس آ کر کہتے تھے کہ انہوں نے عمار کو قتل کیا ہے تاکہ اس سے انعام لے سکیں۔

معاویہ نے ان سے پوچھا: عمار اپنی زندگی کے آخرین لمحات میں کیا کہہ رہے تھے؟

وہ اس کا صحیح جواب نہ دے سکے یہاں تک کہ حوی آیا اور اس نے کہا: میں نے عمار کو قتل کیا ہے۔

عمرو عاص نے اس سے کہا: عمار کی آخری بات کیا تھی؟

ابن حوی نے کہا: میں نے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے: آج میں رسول خدا ﷺ کے گرانقدر دوستوں اور ان کے گروہ سے ملاقات کروں گا۔

عمرو نے کہا: سچ کہہ رہے ہو، تم ہی اس کے قاتل ہو۔ خدا کی قسم! تمہیں خدا کی ناراضگی کے علاوہ کوئی چیز بھی حاصل نہیں ہوئی۔

مؤرخین حذیفہ بن الیمان۔ صاحب سرّ پیغمبر ﷺ۔ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: میں نے سنا کہ پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا:

سمیہ کا بیٹا (عمار یاسر) کبھی بھی دو کاموں کے درمیان مخیّر نہیں ہو گا مگر یہ کہ وہ صحیح کام کا انتخاب کرے گا؛ اس کے ساتھ رہو اور اس کی رائے پر عمل کرو۔[1]

جناب عمار کے بارے میں رسول خدا ﷺ کی پیشنگوئیاں لوگوں میں عام ہو چکی تھیں ، لہٰذا رسول اکرم ﷺ کی بیان کی گئی ان پیشنگوئیوں کو دیکھتے ہوئے عمار کی شہادت کے بعد شام کے لشکر میں اختلافات پیدا ہو گئے اور بلا فاصلہ معاویہ (جو مکار، دھوکے باز اور جھوٹا شخص تھا) نے کہا: ہم نے عمار کو قتل نہیں یا بلکہ اس

---

[1] ۔ مذکورہ حدیث کتاب ''واقعۂ صفین نصر'' اور ''الستیعاب'' ابن عبدالبر میں اسی معنی میں ذکر ہوئی ہے لیکن اس کے کلمات کچھ مختلف ہیں۔

نے قتل کیا ہے جو انہیں محاذ پر لے کر آئے تھے یعنی علی علیہ السلام ! !

معاویہ کی یہ باتیں شام کے نادان اور جلد یقین کر لینے والے لوگوں پر اثر انداز ہوئیں اور جس کی وجہ سے مزید گفتگو نہ ہو سکی۔

اگرچہ معاویہ کے لشکر میں سے کچھ لوگ جیسے عبداللہ بن سوید جناب عمار کی شہادت کے بعد امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے لشکر سے ملحق ہو گئے تھے۔

اس وقت معاویہ عمرو عاص پر بہت ناراض ہوا اور اس نے کہا: تم نے شام کے لوگوں کو میرے لئے تباہ کر دیا ہے، تم نے پیغمبر ﷺ سے جو کچھ بھی سنا تھا، کیا وہ سب کہنا ضروری تھا؟

عمرو نے کہا: مجھے علم غیب نہیں تھا کہ یہ جنگ پیش آئے گی اور عمار ہمارے خلاف جنگ میں شریک ہوں گے ،اور تم نے تو یہ باتیں خود بھی بیان کی ہیں۔

معاویہ اور عمرو عاص کے درمیان کچھ کشیدگی کے بعد وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔[1]

ابن ابی الحدید نے یہ واقعہ دوسری طرح بھی نقل کیا ہے جسے ہم بیان کرتے ہیں:

ابن ابی الحدید کہتے ہیں: نصر نے کہا: عمرو بن شمر نے ہم سے نقل کیا ہے کہ گھوڑ سوار جنگ کے لئے باہر نکلے اور وہ ایک دوسرے کے سامنے صف بستہ ہو گئے اور لوگ جنگ اور حملہ کے لئے تیار ہو گئے۔ عمار کہ جن کے جسم پر سفید زرہ تھی، انہوں نے کہا: اے لوگو! جنت کی طرف جانے میں جلدی کرو اور آگے بڑھو۔

لوگوں نے اتنی شدید جنگ کی کہ سننے والوں نے اس جیسی کسی جنگ کے بارے میں سنا نہیں تھا اور قتل ہونے والوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ ہر کسی نے خیموں کی رسیاں قتل ہونے والوں کے ہاتھوں یا پاؤں کے ساتھ بندھی ہوئیں تھیں۔ اس کے بعد اشعث نے نقل کیا ہے کہ میں نے صفین کے خیموں کو دیکھا، کوئی ایسا خیمہ نہیں تھا کہ جس کی رسی قتل ہونے والے کے ہاتھ یا پاؤں کے ساتھ نہ بندھی ہو۔

نصر کہتے ہیں: ابو سماک اسدی نے پانی کی ایک مشک اور لوہے کا چاقو اٹھایا اور مقتولین اور زخمیوں کے درمیان چلے گئے؛ جب بھی وہ کسی زخمی کے پاس پہنچتے اور دیکھتے تھے کہ اس میں ابھی کچھ سانسیں باقی ہیں تو وہ اسے بٹھاتے اور اس سے پوچھتے: امیر المؤمنین کون ہیں؟ اگر وہ کہتا: علی (علیہ السلام) امیر المؤمنین ہیں تو وہ اس کے چہرے کا خون صاف کرتے اور اسے پانی پلاتے اور اگر وہ خاموش ہو جاتا تو اس کے گلے پر چاقو چلا دیتے تاکہ وہ

---

[1]۔ اعجاز پیغمبر اعظم ﷺ در پیشگوئی از حوادث آئندہ: ۳۵۱.

مر جائے اور اسے پانی بھی نہیں دیتے تھے۔

نصر کہتے ہیں: عمرو بن شمر نے جابر کے قول سے ہمارے لئے روایت کیا ہے کہ اس نے کہا ہے: میں نے سنا کہ شعبی کہتے تھے: احنف بن قیس نے روایت کی ہے اور کہا ہے: خدا کی قسم! میں عمار بن یاسر کے ساتھ تھا ، میرے اور ان کے درمیان قبیلۂ بنی الشعیراء کے صرف ایک آدمی کا فاصلہ تھا، ہم آگے بڑھے اور ہاشم بن عتبہ تک پہنچ گئے۔

عمار نے ہاشم سے کہا: میرے ماں باپ تجھ پر قربان جائیں! جلدی حملہ کرو۔

انہوں نے کہا: اے ابویقظان! خدا تم پر رحمت کرے! تم ایسے شخص ہو جو جنگ میں سبکبار ہو اور تم نے ہمیشہ جنگ کو بہت ہلکا اور سادہ سمجھا ہے لیکن میں اس پرچم کے ساتھ آگے بڑھوں اور حملہ کروں اور مجھے امید ہے کہ میں دقّت اور ہوشیاری سے اپنے ہدف و مقصد تک پہنچ جاؤں گا اور اگر میں سستی کروں تو میں نابودی اور خطرے سے محفوظ نہیں رہوں گا۔

اس دن معاویہ نے عمرو عاص سے کہا تھا: وای ہو تجھ پر! آج بھی ان کا پرچم ہاشم کے ہاتھوں میں ہے اور وہ اس سے پہلے بھی سخت اور تیزی سے حملہ کرتا تھا اور اگر آج اس نے تأمل سے حملہ کیا تو یہ شام کے لوگوں کے لئے ایک لمبا اور سخت دن ہوگا لیکن اگر اس نے اپنے ساتھیوں کے ایک گروہ کے ساتھ حملہ کیا تو مجھے امید ہے کہ ہم انہیں ایک دوسرے سے الگ کرکے ان کا محاصرہ کر سکتے ہو۔

جناب عمار اسی طرح حملہ کرنے کے لئے ہاشم کی تشویق کر رہے تھے اور بالآخر انہوں نے حملہ کر دیا۔ معاویہ بہت ہی ہوشیار تھا اور وہ دور سے ان کا حملہ دیکھ رہا تھا، اس نے اپنے کچھ بہادر ساتھیوں کو ان کی طرف بھیجا کہ جو بہادری اور بے باکی میں مشہور تھے۔ عبداللہ بن عمرو عاص بھی اسی گروہ کے ساتھ تھا اور اس دن اس کے پاس دو تلواریں تھیں، ایک تلوار اس نے لٹکائی ہوئی تھی اور دوسری سے وہ وار کر رہا تھا۔ اسی دوران علی علیہ السلام کے سواروں نے عبداللہ بن عمرو کو گھیر لیا۔ عمرو عاص چیخنے چلانے لگا: اے خدائے رحمٰن! میرا بیٹا، میرا بیٹا۔

معاویہ نے کہا: صبر کرو اس کے لئے کوئی خوف نہیں ہے۔

عمرو نے کہا: اے معاویہ! اگر تمہارا بیٹا یزید اس حال میں ہوتا تو کیا تم صبر کرتے؟

لیکن شام کے سپاہیوں اور ان کے بہادروں نے عبداللہ بن عمرو کا ایسا دفاع کیا اور اسے آزاد کروا کر لے گئے، وہ اور اس کے ساتھی گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ گئے ، جب کہ ہاشم اس معرکہ میں زخمی ہو گئے۔

نصر کہتے ہیں: عمر بن سعد نے ہمارے لئے بیان کیا ہے کہ عمار بن یاسر اس دن قتل ہو گئے اور میدان جنگ میں گر گئے۔انہوں نے جونہی عمرو عاص کے پرچم کی طرف دیکھا تو کہا: خدا کی قسم! یہ وہ پرچم ہے جس کے خلاف میں نے تین مرتبہ جنگ کی ہے اور اس جنگ میں بھی اس کا ہدف ان تین سے صحیح نہیں ہے اور پھر یہ اشعار پڑھے:

جس طرح ہم نے پہلے بھی تم سے تنزیل قرآن پر جنگ کی اور تم پر وار کیا اور اب ہم تأویل قرآن کے لئے تم سے جنگ کر رہے ہیں اور تم پر وار کر رہے ہیں؛ایسا وار جو سر کو بدن اور دوست کو دوست سے جدا کر دے تا کہ حق اپنے اصلی راستہ پر واپس چلا جائے۔

عمار بہت زیادہ پیاسے تھے،انہوں نے اس دوران پانی طلب کیا۔ایک لمبے قد کی عورت ان کے پاس گئی اور میں یہ نہیں سمجھ پایا کہ اس کے پاس جو مشک تھی کیا اس میں پانی تھا یا دودھ،اس نے وہ عمار کو مشک سے سیراب کروایا، جیسے ہی عمار سیراب ہوئے تو انہوں نے کہا: جنت نیزوں کے نشانوں کے نیچے ہے۔آج میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرانقدر دوستوں اور ان کے گروہ سے ملاقات کروں گا۔خدا کی قسم! اگر وہ ہم پر ایسا وار کریں کہ ہمیں ہجر کے نخلستان تک پیچھے دھکیل دیں تو پھر بھی ہم یہ جانتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں۔پھر انہوں نے حملہ کیا۔ابن حوی سکسکی اور ابوالعادیہ نے بھی ان پر حملہ کیا۔ابوالعادیہ نے عمار کو نیزہ مارا اور ابن حوی نے عمار کا سر بدن سے جدا کیا۔

ذوالکلاع نے بارہا عمرو عاص سے سنا تھا کہ وہ کہتا تھا: پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمار سے فرمایا ہے: تمہیں سرکش اور ظالم و ستمگر گروہ قتل کرے گا اور پانی سے ملا ہوا دودھ کا گھونٹ تمہارا آخری جام ہوگا۔

ذوالکلاع نے عمرو عاص سے کہا: وای ہو تجھ پر! ہم جو دیکھ رہے ہیں، یہ کیا ہے؟

عمرو نے کہا: عمار جلد ہی ہمارے پاس آ جائیں گے اور ابوتراب سے الگ ہو جائیں گے۔

یہ عمار کے قتل ہونے سے پہلے تھا اور پھر جس دن عمار شہید ہوئے اسی دن ذوالکلاع بھی مارا گیا۔

عمرو عاص نے معاویہ سے کہا: خدا کی قسم! میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے کس کے قتل ہونے پر زیادہ خوشی مناؤں۔اور خدا کی قسم! اگر عمار کے قتل ہونے کے بعد ذوالکلاع زندہ ہوتا تو وہ اپنی پوری قوم کے ساتھ علی (علیہ السلام) سے مل جاتا اور ہمارا کام خراب کر دیتا۔

نصر کہتے ہیں: عمر بن سعد نے ہمارے لئے نقل کیا ہے کہ کچھ لوگ معاویہ اور عمرو عاص کے پاس آتے تھے اور کہتے تھے: میں نے عمار کو قتل کیا ہے۔عمرو نے ان میں سے ہر ایک سے پوچھا: عمار کیا کہہ رہے تھے؟ وہ

اس کا جواب نہیں دے پائے بالآخر ابن حوی آیا اور اس نے کہا: میں نے عمار کو قتل کیا ہے؟

عمرو نے اس سے کہا: عمار نے آخر میں کیا بات کی تھی؟

اس نے کہا: میں نے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے: آج میں محمد ﷺ کے گرانقدر دوستوں اور ان کے گروہ سے ملاقات کروں گا۔

عمرو نے کہا: تم سچ کہہ رہے ہو تم ہی عمار کے قاتل ہو۔ خدا کی قسم! تمہیں خدا کی نارضگی کے سوا کوئی چیز حاصل نہیں ہوئی۔

نصر کہتے ہیں: عمرو بن شمر نے ہمارے لئے اسماعیل سدی سے اور عبد خیر ہمدانی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے: میں نے صفین کے ایک دن دیکھا کہ عمار بن یاسر تیر لگنے کی وجہ سے بے ہوش ہو گئے اور ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور صبح کی نمازیں نہ پڑھ سکے۔ پھر جب وہ ہوش میں آئے تو انہوں نے اپنی نمازیں قضا کیں اور ترتیب سے اپنی قضا ہونے والوں نمازیں پڑھنا شروع کیں اور آخری پر نماز تمام کر دی۔

نصر کہتے ہیں: عمرو بن شمر نے سدی اور ابو حریث سے ہمارے لئے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے تھے: جس دن عمار قتل ہوئے، ان کا غلام راشد ان کے لئے دودھ کا ایک گھونٹ لے کر آیا۔ عمار نے کہا: بیشک میں نے اپنے دوست رسول خدا ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا:

دنیا میں سے تمہارا آخری توشہ دودھ کا ایک گھونٹ ہے۔

نصر کہتے ہیں: عمر بن شمر نے سدی سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا: جنگ صفین میں دو افراد کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہو گیا کہ ان میں سے کس نے عمار کو قتل کیا ہے تا کہ ان کا لباس اور ان کا اسلحہ لے سکیں، وہ دونوں عمرو عاص کے پاس آئے۔

اس نے کہا: وای ہو تم پر! یہاں میرے پاس سے چلے جاؤ کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا تھا:

قریش کو عمار سے کیا کام کہ وہ انہیں جنت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور وہ لوگ انہیں دوزخ کی طرف بلاتے ہیں۔ انہیں قتل کرنے والا، ان کا لباس اور اسلحہ اتارنے والا جہنمی ہیں۔

سدی نے کہا ہے: مجھ تک خبر پہنچی ہے کہ جب معاویہ نے یہ بات سنی تو اس نے شامیوں کو دھوکہ دینے کے لئے کہا: انہیں اس نے قتل کیا ہے، جو انہیں اپنے ساتھ جنگ پر لے کر آیا!

نصر کہتا ہے: عمرو نے جابر، ابوالزبیر سے میرے لئے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا ہے: قبیلۂ جہینہ کا ایک گروہ حذیفہ بن الیمان کے پاس آیا اور ان سے کہا: اے ابو عبداللہ! پیغمبر خدا ﷺ نے خدا سے سوال کیا کہ ان

کی امت سر گردان نہ رہے اور ان کی یہ دعا قبول ہوئی اور انہوں نے دعا کی کہ ان کی امت ایک دوسرے کو ہراساں نہ کرے اور ان کا آپس میں اختلاف نہ ہو، اور یہ قبول نہ ہوئی۔

حذیفہ نے کہا: میں نے سنا ہے کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا:

سمیہ کا بیٹا (یعنی عمار یاسر) ہر گز دو کاموں میں مخیّر نہیں ہوں گے مگر یہ کہ صحیح کام کا انتخاب کریں ہمیشہ ان کی رائے پر عمل کرو۔

نصر کہتے ہیں: عمر بن شمر نے ہمارے لئے نقل کیا ہے کہ عمار نے اس دن شامیوں کی صفوں پر حملہ کیا اور انہوں نے یوں رجز پڑھا: رب کعبہ کی قسم! میں ہز گز اپنی جگہ سے نہیں ہلوں گا مگر یہ کہ قتل ہو جاؤں یا جو میں دیکھنا چاہتا ہوں، وہ دیکھ لوں۔ میں ہمیشہ اپنی پوری زندگی علی علیہ السلام، پیغمبر ﷺ کے داماد، امانتدار اور عہد وفا کرنے والے کی پاسداری اور حمایت کروں گا۔

نصر کہتے ہیں: عبداللہ بن سوید حمیری (جو ذوالکلاع کے خاندان میں سے تھے) نے اس سے کہا: تم نے عمار کے بارے میں عمرو عاص سے جو حدیث سنی ہے، وہ کیا ہے؟

ذوالکلاع نے انہیں سارا واقعہ بتایا: جیسے ہی عمار یاسر قتل ہو گئے تو رات کے وقت عبداللہ ننگے پاؤں معاویہ کے لشکر سے باہر آ گئے اور وہ صبح کو امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے لشکر کے ساتھ تھے۔

عبداللہ بن سوید اپنی زندگی میں عبادت گزار تھے اور نزدیک تھا کہ شام کے لوگ ان کے اس کام سے مضطرب ہو کر منتشر ہو جائیں مگر یہ کہ معاویہ نے ان سے کہا: عمار کو علی (علیہ السلام) نے قتل کیا ہے؛ کیونکہ وہ انہیں اس جنگ میں لے کر آئے تھے اور انہوں نے ہی اسے اس فتنہ میں دھکیلا ہے!

اس واقعہ کے بعد معاویہ نے عمرو عاص کو پیغام بھیجا کہ تم نے شام کے لوگوں کو میرے لئے تباہ کر دیا ہے! تم نے جو کچھ بھی پیغمبر ﷺ سے سنا کیا وہ سب لوگوں کو بتانا ضروری تھا؟

عمرو عاص نے کہا: ہاں! میں نے یہ بات کہی ہے اور میرے پاس علم غیب نہیں تھا کہ جنگ صفین پیش آئے گی اور میں نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب عمار تمہارا دوست تھا اور جو کچھ میں نے روایت کیا ہے، تم نے خود بھی تو اسی طرح کی باتیں نقل کی ہیں۔

معاویہ ناراض ہو گیا اور اسے عمرو پر غصہ آیا، اس نے ارادہ کر لیا کہ اسے اپنی خیر و نیکی سے محروم کر دے۔ عمرو بھی ایک متکبر اور مغرور شخص تھا، اس نے اپنے بیٹے اور دوستوں سے کہا: اگر اس جنگ کی صورت حال واضح ہو جائے تو پھر معاویہ کے ساتھ رہنے میں کوئی خیر نہیں ہے اور میں حتمی طور پر اس سے الگ ہو

جاؤں گا اور اس نے مندرجہ ذیل اشعار پڑھے:

''میں نے جو کچھ سنا تھا اسے بیان کر دیا، اب مجھ پر ناراض ہو رہے ہو اور میری سرزنش کر رہے ہو اور حالانکہ اگر انصاف کرو تو جو کچھ میں نے کہا تم نے بھی تو اسی کی طرح کی باتیں کہیں۔ کیا تم نے جو کچھ کہا تھا اس پر ثابت و استوار تھے، اور کیا تم میں کوئی لغزش نہیں تھی اور میں نے جو کچھ کہا اس میں مجھ میں لغزش تھی...؟

معاویہ نے عمرو عاص کے جواب میں یہ اشعار پڑھے:

اب جب کہ جنگ نے اپنا دامن پھیلا دیا ہے اور میرے لئے یہ دشوار کام پیش آیا ہے، اور اب ساٹھ سال کے بعد مجھے ایسا دھوکہ دے رہے ہو اور سوچتے ہو کہ میں کڑوے اور میٹھے کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھوں گا....۔

جب معاویہ کے ان اشعار کی خبر عمرو کو ہوئی تو وہ معاویہ کے پاس گیا اور اس نے اس کی رضائیت حاصل کر لی اور وہ متحد ہو گئے۔[1]

ذوالکلاح سے عمار یاس کی ہونے والی گفتگو کے سولہ اہم نکات

ہم نے ذوالکلاع اور جناب عمار یاسر کے درمیان ہونے والی گفتگو کے بارے میں جو مطالب بیان کئے ہیں، ان میں اہم نکات موجود ہیں، جن پر غور و فکر کرنا چاہئے:

۱۔ ذوالکلاع نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشنگوئی سننے کے بعد یہ تحقیق کی کہ کیا آنحضرت سے یہ حدیث صادر ہوئی ہے یا نہیں؟ پھر اسے یقین حاصل ہو گیا کہ اس نے جو کچھ سنا ہے وہ صحیح ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے۔

چونکہ وہ معاویہ اور عمرو عاص کے دھوکہ و فریب میں آچکا تھا اور وہ انہیں صحیح طرح سے نہیں پہچانتا تھا، وہ یہ سوچ رہا تھا کہ امیر المؤمنین حضرت امام علی علیہ السلام کے لشکر میں جناب عمار کے ہونے کی وجہ سے شاید وہ معاویہ اور عمرو عاص کو جنگ سے ڈرائے اور انہیں صلح پر مجبور کر سکے۔

---

[1] ۔ جلوۂ تاریخ در شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج ۴ ص ۱۴ .

اس لئے اس نے اپنے چچازاد ابونوح (جو امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے لشکر کے بہادر سپاہیوں میں سے تھے) سے تقاضا کیا کہ وہ اس کے ساتھ عمرو عاص سے ملنے کے لئے چلیں تا کہ شاید اس سے گفتگو کرنے سے جنگ اور خون خرابہ، صلح اور امن میں تبدیل ہو جائے۔ لیکن وہ اس چیز سے غافل تھا کہ معاویہ اور عمرو عاص کا امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے جنگ کرنا دین اسلام کی ترقی کے لئے نہیں تھا بلکہ تخت سلطنت اور طاقت کے حصول کے لئے تھا اور عثمان کا کڑتا عوام کو دھوکہ دینے کے ذریعہ تھا۔

گمراہ سیاستدانوں کی وجہ سے خوش فہمی کا شکار ہونے میں نہ صرف یہ کہ کوئی مثبت اثر نہیں ہوتا بلکہ اس میں صرف انسان کی گمراہی اور نابودی کا سامان ہوتا ہے۔

۲۔اس واقعہ میں عمرو عاص نے خود بھی یہ اعتراف کیا تھا کہ اس نے پیغمبر اکرم ﷺ سے یہ حدیث سنی ہے اور جب اسے یہ یقین ہو گیا کہ جناب عمار، امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے لشکر میں ہیں تو ان کے ساتھ مل جانے کے بجائے اس نے عمار سے ملاقات کرنے کی کوشش کی تا کہ شاید کوئی راستہ نکل آئے اور یہ واقعہ اس کے فائدہ میں اختتام پذیر ہو، یا یہ کہ ذوالکلاع اور اس کے ساتھیوں میں شک و تردید ایجاد کر سکے۔ اس مقصد کے تحت عمرو عاص نے جناب عمار سے ملاقات کی۔

سیاستدان اپنے ہی مقاصد و اہداف کو مستحکم کرنے کے لئے دوسروں سے ملاقات کرتے ہیں، گفتگو کرتے ہیں اور آپس میں مل بیٹھتے ہیں نہ کہ وہ راہ حق اور عوام کی خدمت کے لئے یہ سب کچھ کرتے ہیں۔

۳۔ذوالکلاع کے بہت زیادہ ساتھی تھے اور اگر وہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے لشکر کے ساتھ ملحق ہو جاتا تو شام کے لشکر میں رخنہ پڑ جاتا۔ عمرو عاص چونکہ اس حقیقت سے آشنا تھا لہٰذا اس نے ایک ایسی چال چلی تا کہ اس کے ذریعہ یہ واقعہ ہونے سے روک سکے۔

اس کی وہ چال اتحاد اور وحدت کا دعویٰ کرنا تھا! تا کہ وہ دونوں لشکروں کے درمیان اعتقاد کے لحاظ سے خدا، کعبہ اور قرآن کو مشترک قرار دے کر اور اتحاد و وحدت کا بہانا بنا کر اس جنگ سے بچ سکے، کیونکہ اسے شام کے محاذ پر واضح شکست نظر آ رہی تھی۔اس طرح عمرو عاص نے ذوالکلاع اور اس کے ساتھیوں کو امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے لشکر میں شامل ہونے سے روکا، کیونکہ اسے دوسرے محاذوں پر بھی اپنی شکست واضح طور پر دکھائی دے رہی تھی۔

اس وجہ سے جب امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے لشکر کے سپہ سالار سے ملاقات کرتے وقت اس نے سب سے پہلے کلمۂ ''شہادتین'' کے لئے زبان کھولی اور خود کو مسلمان کہا! تو جناب عمار نے اس کے جواب میں

فرمایا: خاموش ہو جاؤ! تم نے اسے چھوڑ دیا ہے۔

جناب عمار نے عمرو عاص کے جواب میں یہ کیوں کہا؟

ج: کیونکہ رسول اکرم ﷺ کے اس بزرگ صحابی کی نظر میں جو بھی اپنے زمانے کے امام پر ایمان نہ رکھتا ہو تو اس نے خدا کی توحید اور رسول اکرم ﷺ کی رسالت کی گواہی کو بھی چھوڑ دیا ہے۔اس عظیم الشأن اور دلاور شخص کی نظر میں کلمۂ شہادتین کا اسی صورت میں کوئی فائدہ ہے، جب شہادت ثالثہ پر بھی ایمان رکھا جائے۔ یہ حقیقت دنیائے اسلام کے اس عظیم انسان کے کلام سے بخوبی واضح وآشکار ہوتی ہے کہ جب انہوں نے عمرو عاص سے فرمایا: خاموش ! تم نے اسے چھوڑ دیا ہے۔

جناب عمار بہادر و دلاوری کے علاوہ خطابت میں بھی ماہر تھے،انہوں نے عمرو عاص سے فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ ایسی بات کہوں جو تمہیں تمہاری جگہ سے اٹھنے سے پہلے ہی کفر سے منسوب کر دے اور تم خود بھی اسے قبول کرو؟!

اس وقت عمرو عاص نے خود کو جناب عمار کے کلام سے محکوم ہوتے ہوئے دیکھا تو اس نے احترام کے عنوان سے آپ کو کنیت کے ذریعہ مخاطب کیا اور کہا: اے ابویقظان !اس لشکر میں سب سے زیادہ تمہاری اطاعت و پیروی کی جاتی ہے، تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ ان کے اسلحے کو قتل کرنے سے روکو... تم لوگ کس لئے ہم سے جنگ کر رہے ہو؟ کیا ہم ایک ہی خدا کی عبادت نہیں کرتے ؟ لیکن کیا ہم آپ کے قبلہ کی طرف رخ کرکے نماز نہیں پڑھتے اور جس چیز کی تم دعوت دیتے ہو ، کیا ہم اسی چیز کی دعوت نہیں دیتے؟ کیا ہم تمہاری کتاب کی تلاوت نہیں کرتے اور تمہارے پیغمبر ﷺ پر ایمان نہیں رکھتے ؟!

اس موقع پر پیغمبر خدا ﷺ کے بزرگ صحابی اور امیر المؤمنین علی علیہ السالام کے یاور و دلاور نے لب کشائی کی اور خداوند کی عبادت، دین، قبلہ، کتاب خدا اور پیغمبر کے بارے میں مطالب بیان کئے اور کہا کہ یہ ہمارے اور ہمارے ساتھیوں کے لئے ہیں اوران کا تم سے یا تمہارے ساتھیوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔اور پھر آپ نے ناکثین (جمل میں عہد و پیمان توڑنے والوں) اور قاسطین (صفین کے ظالم اور ستمگروں) سے جنگ کرنے کے بارے میں رسول خدا ﷺ کا فرمان بیان کیا اور پھر آپ نے امیر المؤمنین علی علیہ السالام کی پیروی کرنے کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کا فرمان بیان کیا۔

یہاں ایک قابل غور بات یہ ہے کہ عمرو عاص نے کتاب خدا، قبلہ، پیغمبر اور خدا کی عبادت کو اتحاد و وحدت اور جنگ سے دوری کا وسیلہ قرار دیا لیکن عراق کے لشکر کے توانا سپہ سالار نے اسے ردّ کر دیا اور انہوں

نے قبلہ، قرآن، پیغمبر اور خدا کی عبادت کے ایک ہونے کو نہ صرف اتحاد و وحدت کا معیار قرار نہیں دیا بلکہ اس کی بات کو ردّ کرتے ہوئے یوں کہا: قبلہ، قرآن، پیغمبر ﷺ اور خدا کی عبادت کا تجھ سے اور تیرے ساتھیوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے، جس کے شیعہ و سنی معتقد ہیں کیونکہ شیعہ ایک ایسے گروہ (نواصب) کو بالکل مسلمان نہیں مانتے اور انہیں کافر قرار دیتے ہیں اگرچہ وہ قرآن، قبلہ، پیغمبر اور خدا پر اعتقاد کے لحاظ سے ظاہری طور پر یکساں ہیں۔

اہلسنت بھی مسلمانوں کے کئی فرقوں کو مسلمان نہیں سمجھتے اور انہیں رافضی قرار دیتے ہوئے کافر سمجھتے ہیں، اگرچہ وہ خدا، پیغمبر، قرآن اور قبلہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس بناء پر کس طرح قبلہ، کتاب، پیغمبر کے ایک ہونے اور خدا پر اعتقاد رکھنے کے عقیدے کو اتحاد و وحدت کی دلیل سمجھا جاسکتا ہے؟!

۴۔ یہ سب اس شخص کے بارے میں ہے جو خدا، پیغمبر، قرآن اور قبلہ کا معتقد ہے لیکن اگر اس اعتقاد کی بنیاد مصلحت و سیاست ہو یا دوسرے لفظوں میں اس عقیدے کی بنیاد نفاق پر رکھی گئی ہو (جس طرح معاویہ اور عمرو عاص کا بھی ایسا ہی عقیدہ تھا) تو پھر کس طرح ایسے افراد کو خدا کے حقیقی بندوں کے ساتھ متحد قرار دے سکتے ہیں؟!

۵۔ قابل توجہ بات یہ ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے اپنی پیشنگوئیوں میں فرمایا ہے: لوگوں کا ایک گروہ فتنہ و امتحان میں واقع ہوگا اور وہ ان میں مبتلا ہوگا۔ اس موقع پر آنحضرت نے امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو حکم دیا کہ ایسے افراد کے ساتھ برتاؤ کا یہ طریقہ ہے کہ ان کے خلاف جنگ کی جائے اگرچہ وہ کعبہ کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے ہوں، اور قرآن کو آسمانی کتاب سمجھتے ہوں!

ابن ابی الحدید نے اس بارے میں کہا ہے: امیر المؤمنین حضرت امام علی علیہ السلام کے سامنے ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا: ہمیں فتنوں سے آگاہ فرمائیں اور کیا اس بارے میں آپ نے پیغمبر خدا ﷺ سے پوچھا ہے؟

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا:

چونکہ خداوند متعال نے اپنا یہ قول نازل فرمایا ہے:

الم، أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ۔[1]

الم، کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ صرف اس بات پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ وہ یہ کہہ دیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور ان کا امتحان نہیں ہوگا۔

میں سمجھ گیا کہ جب تک رسول خداﷺ ہم میں موجود ہیں تب تک ہم پر کوئی بلا نازل نہیں ہوگی، اس لئے میں نے رسول خداﷺ سے عرض کیا: یہ کون سا فتنہ ہے، جس کے بارے میں خدا نے خبر دی ہے؟

فرمایا: اے علی! بیشک میرے بعد جلد ہی میری امت فتنہ میں گرفتار ہو جائے گی اور انہیں پر کھا جائے گا۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فتنوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے اور اسی وجہ سے اسے امر بہ معروف اور نہی از منکر سے یاد کیا ہے اور فرمایا ہے: تمہارے لئے کتاب خدا سے تمسک اختیار کرنا ضروری ہے۔ یعنی جب بھی کوئی فتنہ درپیش آئے اور لوگ حیران و سرگرداں ہوں تو تمہیں کتاب خدا سے متمسک ہونا چاہئے۔ اسی لئے ایک شخص اٹھا اور اس نے آپ سے فتنوں کے بارے میں پوچھا۔

پیغمبر خداﷺ سے نقل ہونے والی یہ حدیث (جسے بہت سے محدثین نے حضرت علی علیہ السلام سے بھی نقل کیا ہے اور اس پر غور کرنا چاہئے) یوں ہے:

پیغمبر اکرمﷺ نے امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے فرمایا:

خداوند متعال نے تم پر فتنوں میں گرفتار لوگوں کے ساتھ جہاد کو واجب قرار دیا ہے، جس طرح مشرکوں کے ساتھ جہاد کرنا مجھ پر واجب قرار دیا تھا۔[2]

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا:

میں نے پیغمبر خدا سے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ کون سا فتنہ ہے جس کی وجہ سے مجھ پر جہاد واجب کیا گیا ہے؟

فرمایا: ایک گروہ ہے، جو گواہی دیتا ہے کہ خدا کے علاوہ کوئی پروردگار نہیں ہے اور میں خدا کا رسول ہوں لیکن وہ میری سنت کا مخالف ہے۔

---

[1] ۔ سورۂ عنکبوت، آیت: ۲،۱۔

[2] ۔ اس بارے میں مزید جاننے کے لئے کنز العمال: ج ۸ ص ۲۱۵ اور فضائل الخمسۃ: ج ۲ ص ۳۶۳ - ۳۴۹ کی طرف رجوع کریں۔

میں نے کہا: یا رسول اللہ! ان سے کس وجہ سے جنگ کروں حالانکہ وہ انہی عقائد کا اقرار کرتے ہیں، جن کے ہم معتقد ہیں؟

فرمایا: دین میں وجود میں آنے والی بدعتوں اور حکومت کی مخالفت کرنے کی وجہ سے ان سے جنگ کرو۔

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے مجھے شہادت کی بشارت دی تھی، لہٰذا اب خدا سے دعا کریں کہ میری شہادت کے بارے میں جلدی فرمائے۔

فرمایا: اس صورت میں کون عہد و پیمان توڑنے والوں، تباہی پھیلانے والوں اور دین سے خارج ہونے والوں سے جنگ کرے گا؟ بیشک میں نے تمہیں شہادت کی بشارت دی ہے اور تم جلد ہی شہید ہو جاؤ گے، تمہارے سر پر ضربت لگائی جائے گا اور تمہاری ڈاڑھی تمہارے خون سے خضاب ہو گی۔ اس موقع پر آپ کا صبر کیسا ہو گا؟

میں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ صبر کا نہیں بلکہ شکر کا مقام ہے۔

فرمایا: ہاں! تم نے صحیح کہا ہے۔ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ آپ کے ساتھ جنگ کی جائے گا۔

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کاش آپ میرے لئے کچھ اور واضح فرمادیں۔

فرمایا: میرے بعد میری امت فتنوں اور امتحانوں میں گرفتار ہو جائے گی، وہ قرآن کی تأویل اور اپنی رائے کے مطابق عمل کرے گی۔ برائیوں کو اچھائی اور رشوت کو ہدیہ اور سود کو بیع کے نام پر حلال شمار کرے گی۔ قرآن کے معانی میں تحریف کرے گی اور گمراہی کا بول بالا ہو گا۔

(اور پھر جب ایسا ہو گا تو) پہلے اپنے گھر میں بیٹھ جاؤ یہاں تک کہ تمہیں حکومت مل جائے اور جب تمہیں حکومت ملے تو تمہارے خلاف سینوں میں آگ بھڑک اٹھے گی اور حالات تمہارے برخلاف ہو جائیں گے، اس موقع پر تم تأویل قرآن پر جنگ کروگے، جس طرح میں نے تنزیل پر جنگ کی تھی اور ان کی یہ دوسری حالت ان کی پہلی حالت سے کم نہیں ہے۔

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کے بعد جو فتنوں سے دچار ہوں گے، ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کروں اور انہیں کس مقام پر رکھوں؟ کیا فتنہ کے مقام پر یا دین سے منحرف ہو جانے والوں کے مقام پر؟

فرمایا: انہیں مقام فتنہ میں رکھو کہ وہ ششدر ہو جائیں گے یہاں تک کہ انہیں عدل و انصاف اپنی گرفت میں لے۔

میں نے عرض کیا : یا رسول خدا! کیا ہماری طرف سے عدل انہیں اپنی آغوش میں لے گا یا کسی اور کی طرف سے؟

فرمایا: ہماری طرف سے، جو ہم سے ہی شروع ہوا تھا اور ہم پر ہی ختم ہوگا، خداوند شرک کے بعد ہمارے وسیلہ سے دلوں میں الفت قرار دے گا۔

میں نے عرض کیا: خدا کی ان نعمتوں پر خدا کا شکر ہے جو اس نے ہمیں عطا فرمائی ہیں۔[1]

اس روایت پر غور و فکر کریں جسے شیعہ و سنّی علماء نے نقل کیا ہے اور جس نے بے شمار افراد کے اعتقادی نظریہ کو بدل کر رکھ دیا ہے۔اس روایت کا دو مرتبہ مطالعہ کریں اور اس کے مطالب پر غور کریں اور اپنے لئے ہدایت کے دریچہ کھولیں۔

۶۔مذکورہ واقعہ کی رو سے جناب عمار خود کو ان لوگوں کے ساتھ سمجھتے تھے ،جو عثمان کے قتل میں شریک ہوئے ۔اس روایت کی بناء پر عثمان کو قتل کرنے میں جناب عمار کا ہاتھ تھا۔اس صورت میں رسول اکرم ﷺ سے عمار کی مدح اور ان کی برحق ہونے کے بارے میں وارد ہونے والی روایات کی بناپر عثمان کے قتل کی وجہ سے جناب عمار کی سرزنش نہیں کی جاسکتی اور عثمان کے کرتے کو قتل عمار کے لئے حربہ قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ عمار کے بارے میں پیغمبر اکرم ﷺ کی رائے اس سے بھی واضح ہے۔

۷۔اگرچہ عمار کے کاموں اور ان کی شخصیت کی وجہ سے معاویہ توہین کے عنوان سے انہیں سیاہ غلام کے نام سے پکارتا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ لوگوں میں ان کی شخصیت اتنی اہم ہے کہ وہ اپنے خطاب سے لشکر کو متحرک کر سکتے ہیں اور انہیں ان کی مخالفت پر ابھار سکتے ہیں۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیاستدان اپنے مخالفوں کو کس حد تک حقیر سمجھتے ہیں اور انہیں کس طرح کمتر شمار کرتے ہیں۔

معاویہ کا یہ رویہ جناب عمار کو حقیر سمجھنے اور ان کی شخصیت کو کمتر شمار کرنے کے لئے تھا تاکہ وہ شام کے لوگوں کے درمیان فتنہ پیدا کرکے انہیں ان کی رہنمائی سے دور رکھ سکے۔

۸۔چونکہ عمرو عاص ، عمار کو سیاہ غلام نہیں کہہ سکتا تھا اور ان کی شخصیت کو کمتر شمار نہیں کر سکتا تھا۔اس لئے اس نے ایک دوسری چال چلی اور جب ذوالکلاع ، عمار اور عمرو عاص کے درمیان ہونے والی گفتگو سے مطمئن نہ ہوا تو عمرو عاص نے اس سے کہا: عمار جلد ہی ان سے الگ ہو کر ہم سے ملحق ہو جائیں گے !

---

[1]۔جلوۂ تاریخ در شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج۴ص۳۲۳

اس عمل سے یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ سیاستدان اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے ہر قسم کا حربہ اختیار کر سکتے ہیں اور ہر قسم کا جھوٹ بول سکتے ہیں۔

۹۔ ذوالکلاع نے عام لوگوں کی طرح سیاستدانوں کے جھوٹے وعدوں سے دھوکا کھا کر اپنی راہ کو جاری رکھا۔ اگر وہ فہم و فراست سے کام لیتا اور اور چالاک ہوتا تو وہ یہ روایت سن کر جناب عمار کے راستے کو منتخب کر لیتا، اسی لئے ہر مؤمن کو فہم و فراست کا حامل ہونا چاہئے۔ اور اس محال فرض کی بناء پر اگر عمار دوسرے لشکر سے منسلک ہو جاتے تو وہ بھی عمار کے منسلک ہو جانے کے بعد یہی کام انجام دیتے، لیکن عمرو عاص کے ذریعہ فریفتہ ہو جانے کی وجہ سے اس نے باطل راہ میں اپنی جان گنوادی۔ حالانکہ وہ باطل کے خلاف چند گھنٹوں کی مقاومت کرکے جاویدانی حیات حاصل کر سکتا تھا۔ وہ بیچارہ یہ نہیں جانتا تھا کہ عمرو عاص اس کے قتل ہو جانے کی وجہ سے کتنا خوش ہو گا۔ چونکہ جس دن جناب عمار شہید ہو گئے اسی دن ذوالکلاع بھی قتل ہو گیا اور عمرو عاص نے معاویہ سے کہا: خدا کی قسم! میں نہیں جانتا کہ ان دونوں میں سے کس کے قتل ہونے پر زیادہ خوشی مناؤں۔

۱۰۔ سماجی شخصیت کے حامل افراد کو یہ جان لینا چاہئے کہ لوگوں کی نگاہیں ان پر مرکوز ہوتی ہیں کیونکہ لوگوں میں ان کی شخصیت مؤثر ہوتی ہے۔ لوگ ان کے کردار و رفتار پر غور و فکر کرتے ہیں اور ان کی پیروی کرتے ہیں۔

اس بناء پر کسی باطل راستہ کو منتخب کرنے سے نہ صرف وہ خود گمراہ ہوتے ہیں بلکہ اپنی شخصیت کے مطابق لوگوں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ اگر دو باطل راستوں یا حق و باطل میں سے کسی ایک کے انتخاب کے دوران باطل راستہ کو منتخب کریں تو کچھ لوگ انہیں کی رائے اور عقیدے کی وجہ سے باطل راستے کو ہی انتخاب کر لیتے ہیں اور پھر قیامت کے دن وہ اس کے لئے جوابدہ ہوں گے۔

چونکہ عمرو عاص یہ جانتا تھا کہ ذوالکلاع ایک سماجی شخصیت کا مالک ہے اور وہ شام کے لشکر میں سے بہت سے افراد کو امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے لشکر کی طرف کھینچ سکتا ہے، اس لئے عمرو عاص نے معاویہ سے کہا: اگر ذوالکلاع، عمار کے قتل ہونے کے بعد زندہ ہوتا تو مجھے یقین تھا کہ وہ اپنے تمام ساتھیوں کے ہمراہ ہم سے جدا ہو کر ان سے ملحق ہو جاتا اور ہمارا کام خراب کر دیتا۔

۱۱۔ صرف ذوالکلاع کو ہی رسول خداﷺ کی ان پیشنگوئیوں کا علم نہیں بلکہ لشکر شام بے شمار افراد بھی ان پیشنگوئیوں سے آگاہ تھے۔ اس لئے جناب عمار کی شہادت کے بعد ان میں اختلاف پیدا ہو گیا لیکن معاویہ نے فوراً مکاری سے کام لیا اور یہ بات پھیلادی کہ عمار کو اس نے قتل کیا ہے جو اسے میدان جنگ میں لے کر آیا

تھا! شام کی زود باور عوام پر جلد ہی اس کی باتیں اثرانداز ہوئیں جس نے ان کی چہ میگوئیوں کا راستہ روک لیا۔

پوری تاریخ میں باطل کے مقابلہ میں حق کی ظاہری شکست کی دو وجوہات ہیں:

الف: بے دین سیاستدانوں کی مکاریاں اور ان کا مکر و فریب۔

ب: عوام الناس کا جلدی یقین کر لینا، وہ جو کچھ بھی سنیں اسے فوراً مان لینا اور جھوٹے لوگوں کے پروپیگنڈوں سے اثر لینا، جس کے نتیجہ میں وہ خیانت کرنے والے سیاستدانوں کی پستپناہی کرتے ہیں۔

۱۲۔ حقیقت چاہے سخت اور تلخ ہو پھر بھی وہ ایک گروہ (اگرچہ کم) کے لئے راستہ کھول دیتی ہے اور ان کی ہدایت کرکے انہیں عام لوگوں سے الگ کر دیتی ہے۔

صفین میں بھی کچھ عام لوگوں نے معاویہ اور عمرو عاص کی فریب کاریوں سے دھوکہ کھایا لیکن پھر بھی معاویہ کے لشکر میں سے متعدد لوگ جناب عمار کی شہادت کے بعد امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے لشکر سے ملحق ہو گئے، جن میں عبداللہ بن سوید بھی شامل ہیں۔

ان لوگوں کا امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے لشکر سے ملحق ہو جانا اس بات کا سبب بنا کہ معاویہ غصہ سے بھڑک اٹھا اور اس نے عمرو عاص سے کہا کہ تم نے شام کے لوگوں کو میرے لئے تباہ کر دیا ہے۔ کیا تم نے جو کچھ بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا تھا، وہ سب کہنا ضروری تھا؟

۱۳۔ عمرو عاص نے معاویہ کے اعتراض کا جواب دیا اور وہ بھی ایک دوسرے سے اس طرح ناراض ہو گئے، جس طرح سیاستدان اپنے گناہ اور غلطیاں دوسروں پر تھونپ دیتے ہیں۔ عمرو عاص نے کنارہ کشی اختیار کرنے کا ارادہ کر لیا لیکن چونکہ سیاستدان جانتے ہیں کہ انہیں دنیا کے حصول اور اپنے مقاصد تک پہنچنے کے لئے آپس میں بنا کر رکھنی پڑتی ہے، اس لئے انہوں نے باہمی تعلقات ٹھیک کرکے حق کے مقابلے میں باطل کا پرچم لہرایا اور جنگ کے شعلہ روشن کر دیئے۔

۱۴۔ ایک اور اہم نکتہ بھی ہے جس کی طرف سب کو توجہ کرنی چاہئے اور وہ یہ ہے کہ تاریخ تاریخ کو دہراتی ہے۔ اور یہ جان لینا چاہئے کہ یہ نکتہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے اور امت کی اعتقادی حیات اسی سے وابستہ ہے۔

ہم سب کو یہ جان لینا چاہئے کہ بہت سے ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں جنہوں نے تاریخ کے صفحات کو بھر دیا ہے اور یہ واقعات پھر سے کسی اور نئے رنگ و روپ میں رونما ہوتے ہیں۔ اگر ہمیں تاریخ کے مطالعہ اور تاریخی و اعتقادی واقعات سے آشنا ہو کر عمرو عاص کی مکاریوں اور ابو موسی اشعری کی پستی سے دکھ ہوتا ہے

تو ہمیں ہوشیار رہنا چاہئے کہ کہیں ہم بھی انہی کی صف میں کھڑے نہ ہو جائیں ! !

ابو موسی اشعری اور عمرو عاص ایک ساتھ متحد ہو گئے تا کہ وہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو معزول کر سکیں لیکن عمرو عاص نے ابو موسی اشعری کو دھوکہ دے کر معاویہ کو منتخب کر لیا، اور اب ہمیں چاہئے کہ ہم شیعہ عقائد و شعائر کو چھوڑ کر تشیع کو پامال نہ کریں کہ کہیں ہم بھی عمرو عاص اور معاویہ کے پیروکاروں کی صف میں کھڑے نہ ہو جائیں!

اگر اتحاد اور وحدت کی خاطر ضروری ہے کہ شیعہ اپنے کچھ عقائد و شعائر سے دستبردار ہو جائیں تو کیا آج تک اہل سنت اپنے کس مخصوص شعائر سے دستبردار ہوئے ہیں؟

کیا اب ایسا اتحاد ابو موسی اور عمرو عاص کے اتحاد کی طرح نہیں ہے؟ اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر صرف شیعہ ہی اپنے کچھ عقائد سے کیوں دستبردار ہوں؟

جی ہاں! اگر ہم اس وقت نہیں تھے کہ جب صفین میں جنگ کے شعلہ بھڑک رہے تھے تا کہ ہم اس میں شریک ہو کر امیر المؤمنین علی علیہ السلام پر اپنی جان قربان کر سکتے تو اس زمانے میں ہمیں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ ہم ابو موسی اور عمرو عاص کی راہ پر نہ چلیں۔

اس بناء پر بندگان صالح کو ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہئے اور یہ جان لینا چاہئے کہ سیاسی اتحاد و وحدت ایک چیز ہے اور اعتقادی وحدت دوسری چیز ہے۔ ان دونوں کو تشخیص دینے والے افراد کو انہیں آپس میں نہیں ملانا چاہئے اور انہیں اپنے عقائد کا پاکیزہ گوہر، ناپاک ہاتھوں کو فروخت نہیں کرنا چاہئے۔

جب کبھی اتحاد و وحدت کی بات آئے تو اس سے سیاسی وحدت مراد ہونی چاہئے اور اگر اس کی ضرورت ہو ورنہ ان دو گروہوں کے درمیان کس طرح اتحاد و وحدت ہو سکتی ہے، جن کے امام دو طرح کے ہوں؟ کیا مقام امامت کے علاوہ بھی دو مختلف اقوام کے افراد کے درمیان اتحاد اور وحدت ہو سکتی ہے کہ جن کے دو الگ الگ صدر ہوں؟ کیا قانون کے لحاظ سے ان میں اتحاد و وحدت ہونا ممکن ہے؟

اگر دشمن دو ممالک پر حملہ کرے تو سیاسی وحدت سے اپنا دفاع تو کر سکتے ہیں اور دشمن سے جنگ کے لئے ایک ساتھ متحد ہو سکتے ہیں۔

اس بناء پر جب دو ملکوں کا قانون کے لحاظ سے رفتار و کردار یکساں نہیں ہو سکتا اور ان میں وحدت نہیں ہو سکتی، کیونکہ وہ دو مختلف عقیدے کے قانون بنانے والوں کے تابع ہیں تو پھر کئی ممالک پر محیط دو امتیں عقیدے کے لحاظ سے کیسے یکساں اور متحد ہو سکتی ہیں؟

جی ہاں! قرآن تو ایک ہے لیکن اسے سمجھنے میں اختلاف ہے، قبلہ ایک ہے لیکن اس کی طرف نماز پڑھنے کا طریقہ یکساں نہیں ہے، رسول خداﷺ تو ایک ہیں لیکن سب مسلمان ان کے فرامین وارشادات کو نہیں سنتے بلکہ غدیر میں آپ کے اہم ترین فرامین، حدیث منزلت اور اہلبیت اطہار علیہم السلام کے بارے میں آپ کے اہم فرمودات کو بھی چھوڑ دیا گیا، بلکہ رسول اکرمﷺ کی حدیثوں کو تدوین کرنے اور لکھنے سے روکنے کا حکم دیا گیا، اس سے بھی بڑھ کر معاویہ نے تو اپنے بارے میں جھوٹی روایات گھڑنے کا حکم دیا اور رسول خداﷺ کی طرف ان کی نسبت دی گئی۔ لہٰذا کس طرح عقیدے کے لحاظ سے اتحاد و وحدت کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے؟

اس بناء پر اتحاد و وحدت کے مسئلہ میں غور کریں کہ کیا ہم عمرو عاص کی راہ پر چل رہے ہیں یا ہم عقیدے کے لحاظ سے جناب عمار کے ساتھ ہیں اور اس راہ پر چل رہے ہیں، جس کا اختتام جنت پر ہوتا ہے؟

۱۵۔ جنگ صفین کے واقعہ میں عرب کے کچھ مشہور و معروف افراد جیسے ذوالکلاع، کچھ عابد و زاہد افراد جیسے عبداللہ بن سوید اور کچھ عام معاشرے کے افراد جیسے ذوالکلاع کے پیروکاروں کا یہ عقیدہ تھا کہ رسول خداﷺ کی پیشنگوئیوں کی وجہ سے انہیں ایسے لشکر میں ہونا چاہئے جس میں عمار ہوں، کیونکہ آنحضرت کے فرمان کے مطابق کسی بھی لشکر میں عمار کا وجود، اس کے حق اور صراط مستقیم پر ہونے کا معیار ہے۔

اس بناء پر وہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام اور آپ کے لشکر کو اسی صورت میں حق پر سمجھتے تھے کہ جب جناب عمار ان کے ساتھ ہوں، ورنہ انہیں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی عظمت اور شخصیت کی کوئی معرفت نہیں تھی۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اگرچہ کئی سال سے معاویہ نے شام کی حکومت پر غاصبانہ قبضہ کیا تھا اور وہ وہاں کے لوگوں پر حکومت کر رہا تھا لیکن اس نے کبھی بھی امیر المؤمنین علی علیہ السلام اور خاندان اطہار علیہم السلام کے بارے میں پیغمبر اکرمﷺ کی بے شمار حدیثوں میں سے کسی حدیث کا کوئی تذکرہ نہیں کیا اور انہیں دین کے ارکان یعنی خاندان پیغمبر اکرمﷺ کی کوئی معرفت نہیں تھی۔

پس اگر معاویہ نماز اور روزہ وغیرہ کے بارے میں بات کرتا تھا تو وہ اپنی حکومت و سلطنت کو استوار کرنے کے لئے ایسا کر رہا تھا، نہ یہ کہ اس کا دین اسلام پر کوئی عقیدہ تھا۔ اس وجہ سے جہاں بھی کوئی دینی حکم اس کے لئے نقصان کا باعث ہوتا تو اس صورت میں یا تو اسے بالکل بیان ہی نہیں کرتا تھا اور یا پھر لوگوں کے سامنے برعکس بیان کرتا تھا۔ اس لئے وہ خاندان وحی علیہم السلام کی تعریف کرنے کی بجائے ان کی مذمت کے لئے کوشاں رہتا تھا اور یہ خود اس حقیقت کی واضح دلیل ہے کہ معاویہ ایک سیاسی حکمران تھا نہ کہ مذہبی حکمران۔

اگر معاویہ اور عمرو عاص؛ خدا، رسول، کتاب اور قبلہ کے معتقد ہوتے تو پھر وہ کبھی بھی اس عقیدے کے حامل افراد سے جنگ نہ کرتے۔ پس جب امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے جنگ سے پہلے انہیں کتاب خدا کی دعوت دی تھی تو انہوں نے کیوں قبول نہیں کیا؟

انہوں نے کیوں جنگ کا آغاز کیا؟ لیکن کیا اس زمانے میں دو خدا، دو پیغمبر، دو کتابیں اور دو قبلہ تھے کہ جس کی وجہ سے انہوں نے جنگ کا آغاز کر دیا اور جب انہیں شکست کے آثار نظر آنے لگے تو ان کا خدا، رسول خدا، کتاب اور قبلہ ایک ہو گئے؟!

اگر معاویہ اور عمرو عاص کا حقیقت میں خدا، رسول خدا، کتاب اور قبلہ پر ایمان تھا اور وہ خود کو اس لحاظ سے عراق کے لوگوں اور امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے لشکر کے ساتھ متحد سمجھتے تھے اور ایک دوسرے کے خلاف جنگ کرنے کو اتحاد و وحدت کے برخلاف سمجھتے تھے تو پھر جنگ صفین کے بعد معاویہ کے ساتھیوں نے کیوں کئی مرتبہ عراق پر شب خون مارا اور بے شمار مسلمانوں کو ایک ساتھ قتل کیا؟!

معاویہ کے حکم پر بسر بن ارطاۃ کی لشکر کشی کا واقعہ مشہور ہے جسے شیعہ اور اہل سنت علماء نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، کیا اس کی لشکر کشی اور نہتے لوگوں کو قتل کرنا اتحاد و وحدت کے منافی نہیں تھا؟

اسی طرح معاویہ کے حکم پر ہی عمرو عاص کا مصر پر حملہ کرنا، اس ملک پر لشکر کشی کرنا، مظلوم لوگوں کو امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے دوستی کے جرم میں قتل کرنا اور محمد بن ابی بکر کو شہید کرنا اور اسی طرح ان کے بے جان جسم کو گدھے کی کھال میں رکھ کر جلا دینا، کیا یہ سب اتحاد و وحدت کے لئے کیا گیا تھا؟

اگر معاویہ "خال المؤمنین" تھا! چونکہ وہ ام حبیبہ کا بھائی تھا تو پھر محمد بن ابی بکر بھی خال المؤمنین تھے، چونکہ وہ بھی عائشہ کے بھائی اور ابو بکر کے بیٹے تھے۔ خال المؤمنین کا خال المؤمنین! سے جنگ کرنا اور پھر محمد بن ابی بکر کے جسم کو گدھے کی کھال میں رکھ کر جلا دینا! کیا یہ خدا، قبلہ اور قرآن کو ماننے والے ان لوگوں کے ساتھ معاویہ کے اتحاد و وحدت کی نشانی ہے؟!

۱۶۔ یہ بہت ہی قابل توجہ اور قابل غور نکتہ ہے: اس روایت میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر فرمایا: پوری تاریخ کے دوران یہ فتنہ لوگوں کے گلے پڑے گا یہاں تک کہ عادلانہ الٰہی حکومت قائم ہو جائے اور معاشرہ عدل و انصاف سے بھر جائے۔

ہمارے مذکورہ بیان کی رو سے انحرافی افکار اور گمراہ کن عقائد صرف معاویہ اور عمرو عاص کے زمانے سے ہی مخصوص نہیں ہیں بلکہ یہ تمام منحرف اور گمراہ کن افکار امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے ظہور تک

جاری رہیں گے؛ جیسا کہ اس حدیث میں پیغمبر خداﷺ نے بھی اس کی وضاحت فرمائی ہے۔

اس بناء پر ہوشیار رہیں اور ایسے گمراہ کن افکار کے راستہ پر نہ چلیں، یہاں تک کہ پوری دنیا پر یوسف زہرا امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی عادلانہ وہدایت کرنے والی حکومت قائم ہو جائے۔

جب خاندان وحی علیہم السلام کی عالمانہ عالمی حکومت پوری دنیا کو تسخیر کرلے گی تو فتنہ اور فتنہ برپا کرنے والوں کو صفحۂ ہستی سے مٹادے گی اور دنیا والوں کے دلوں میں الفت و محبت پیدا ہو گی، پھر حقیقی اتحاد و وحدت قائم ہو گی اور ان میں کسی طرح کا کوئی کینہ اور حسد نہیں ہو گا۔ جس طرح عدالت کی ابتداء بھی اسی خاندان سے ہوئی تھی اور اسی طرح اس کا اختتام بھی خاندان وحی علیہم السلام کے ذخیرۂ الٰہی حضرت بقیۃ اللہ الاعظم عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے دست قدرت سے ہو گا۔

جناب اویس قرنی کے بارے میں رسول خداﷺ کی پیشنگوئی اور جنگ صفین میں آپ کی شرکت

جناب اویس قرانی کا شمار زاہدوں اور بزرگ تابعین میں سے ہوتا ہے، جنہوں نے جنگ صفین میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے ہم رکاب جنگ کی۔

عبدالرحمٰن سے ایک روایت میں نقل ہوا ہے: جنگ صفین میں شام کے لشکر میں سے ایک شخص باہر آیا اور اس نے عراق کے لشکر کی طرف رخ کرکے کہا: کیا اویس قرنی تم لوگوں میں ہیں؟

ہم نے اس سے کہا: ہاں۔

شامی شخص نے کہا: میں نے رسول خداﷺ سے سنا تھا کہ آپ نے فرمایا:

خیر التابعین اویس القرنی

اویس قرنی؛ بہترین تابعی ہیں۔

وہ یہ کہہ کر شام کے لشکر سے خارج ہو گیا اور ہمارے پاس آکر ہم سے ملحق ہو گیا۔

اصبغ بن نباتہ سے روایت ہوئی ہے کہ انہوں نے کہا: میں صفین میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے ساتھ تھا کہ ننانوے افراد نے آپ کی بیعت کی اور آپ نے فرمایا:

سوواں شخص کہاں ہے؟ رسول خداﷺ نے مجھے خبر دی تھی کہ اس دن سو افراد میری بیعت کریں گے؟

اصبغ کہتے ہیں: اسی وقت ایک شخص آیا، جس نے دو اونی لباس زیب تن کئے ہوئے تھے اور دو تلواریں حمائل کی ہوئیں تھیں، اس نے امیر المؤمنین علی علیہ السلام کہا: اپنا ہاتھ آگے بڑھائیں تاکہ میں آپ کی بیعت کروں۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا: کس لئے میری بیعت کرنا چاہتے ہو؟

اس نے عرض کیا: تاکہ میں اپنی جان آپ پر قربان کر سکوں۔

فرمایا: تم کون ہو؟

عرض کیا: میں اویس قرنی ہوں۔

اس کے بعد انہوں نے امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی بیعت کی اور آپ کے سامنے اس طرح سے جنگ کی کہ آخر کار شہید ہو گئے اور ان کا جسد پیادوں کے درمیان ملا۔

''مناقب ابن شہر آشوب'' میں ذکر ہوا ہے: انہوں نے دو تلواریں حمائل کی ہوئیں تھیں اور وہ دشمن پر پتھر پھینکنے کے لئے فلاخنی (غلیل کی طرح کا ایک آلہ) بھی ساتھ لائے تھے۔

''حلیۃ الأولیاء'' میں بھی اصبغ سے روایت نقل کی گئی ہے: اویس قرنی اپنی ماں کے ساتھ حسن سلوک اور نیکی کرنے کی وجہ سے رسول اکرمﷺ کے پاس آئے۔ اویس کی روش یہ تھی کہ جب شام ہوتی تو وہ کہتے تھے کہ آج رات رکوع کی رات ہے اور پھر صبح تک رکوع کرتے تھے اور جب رات ہوتی تو اس دن کی خوراک اور پوشاک میں سے جو چیز بھی بچ جاتی، وہ سب صدقہ دے دیتے تھے اور پھر کہتے تھے:

أَللّٰهُمَّ مَنْ مٰاتَ جُوعاً فَلاٰ تُؤٰاخِذْنِي بِهِ، وَ مَنْ مٰاتَ عُرْيٰاناً فَلاٰ تُؤٰاخِذْنِيْ بِهِ۔

خدایا! جو کوئی بھوکا مر جائے تو میرا اس سے مؤاخذہ نہ کرنا اور جو کوئی برہنہ مر جائے تو میرا اس سے بھی مؤاخذہ نہ کرنا۔

دوسری روایت میں وارد ہوا ہے کہ ایک دن رسول خداﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

أَبْشِرُوا بِرَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي يُقٰالُ لَهُ: أُوَيْسُ الْقَرَنِيُّ؛ فَإِنَّهُ يَشْفَعُ لِمِثْلِ رَبِيْعَةَ وَمُضَر۔

میں تمہیں اپنی امت کے ایک شخص کے بارے میں بشارت دیتا ہوں، جسے اویس قرنی کہتے ہیں، اور جو

(قیامت کے دن) ربیعہ اور مضر (بہت زیادہ آبادی والے دو قبائل) جیسے دو قبیلوں کی شفاعت کریں گے۔[1]

اس روایت کی بناء پر اویس قرنی جنگ صفین میں امیر المؤمنین حضرت امام علی علیہ السلام کی خدمت میں موجود تھے اور انہوں نے آپ کی بیعت کی تھی، لیکن اب ہم جو دوسری روایت نقل کر رہے ہیں، اس کی رو سے آپ نے جنگ صفین سے پہلے ہی کوفہ میں امیر المؤمنین امام علی علیہ السلام کی بیعت کی تھی۔

جنگ صفین میں جناب اویس قرنی کی شہادت

جنگ صفین میں رسول اکرم ﷺ کے کئی بزرگ اصحاب شریک ہوئے اور انہوں نے امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے زیر پرچم معاویہ اور اس کے گماشتوں سے جنگ کی اور جام شہادت نوش کیا۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے لشکر میں صحابیوں کے علاوہ تابعین کی بھی بڑی تعداد موجود تھی اور انہوں نے مولائے کائنات امیر المؤمنین امام علی علیہ السلام کا دفاع کرتے ہوئے معاویہ اور شام کے لشکر سے جنگ کی۔

ان بزرگوں میں ایک ایسا شخص بھی ہے جس نے خود سازی کی اور جس کا دل ولاء پیغمبر اور آل پیغمبر صلوات اللہ علیہم اجمعین سے سرشار تھا، اور وہ اویس قرنی ہیں۔

جناب اویس قرنی ایک مشہور شخصیت ہیں اگرچہ انہوں نے کبھی بھی رسول خدا ﷺ کو نہیں دیکھا تھا لیکن پھر بھی وہ آنحضرت کے شیدائی تھے اور یہ بزرگ آنحضرت سے بہت زیادہ الفت و محبت کرتے تھے۔

وہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے زمانے میں آپ کے ساتھیوں کے ساتھ مل گئے اور انہوں نے آپ کی نصرت کے لئے کمر کس لی۔

ایک دن امیر المؤمنین علی علیہ السلام کوفہ میں معاویہ کے خلاف جنگ (جو جنگ صفین کے نام سے مشہور ہے) کرنے کے لئے لوگوں سے بیعت لے رہے تھے۔ کوفہ کے لوگوں میں سے ایک شخص آپ کے پاس آیا اور اس نے اپنا نام "اویس قرنی" بتایا۔ اس موقع پر حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

ایک دن پیغمبر اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا:

---

[1]۔ زندگانی امیر المؤمنین علیہ السلام (سید ہاشم رسولی محلاتی): ۵۵۹.

ان أدرک رجلاًمن أمته یقال له"اویس قرنی"،من حزب اللّٰه و رسوله ، یموت علی الشهادة یدخل ف شفاعته مثل ربیعة و مضر۔

بیشک تم میری امت میں سے اویس قرنی نام کے ایک شخص سے ملاقات کروگے ۔وہ خدا اور رسول خدا ﷺ کی حزب میں سے ہے،اسے شہید کیا جائے گا اور قیامت کے اس کی شفاعت سے اتنے زیادہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے جیسے ربیعہ اور مضر کے قبیلے کے لوگ۔

جناب اویس قرنی نے جنگ صفین میں شرکت کی اور درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔[1]

اس روایت کے اہم نکات

رسول اکرم ﷺ کی یہ پیشنگوئی نہ صرف جناب اویس قرنی کی عظمت اور ان کی راہ کی حقانیت کی دلیل ہے بلکہ جنگ صفین میں جناب اویس قرنی کی شہادت (رسول خدا ﷺ کی پیشنگوئی میں اس بارے میں غور کرنے سے کہ ان کی موت شہادت سے ہو گی) ان بے شمار دلیلوں میں سے ہے کہ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی راہ ہی راہ حق ہے اور صرف وہی لوگ اس راہ پر چل سکتے ہیں جو آنحضرت کے فرمانبردار ہوں۔

اس روایت سے کچھ نکات اخذ کئے جاتے ہیں، جنہیں ہم بیان کرتے ہیں:

۱۔جناب اویس قرنی کا امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کے بارے میں رسول خدا ﷺ کا خبر دینا۔

۲۔آپ نے جناب اویس قرنی کو خدا اور رسول خدا ﷺ کی حزب میں سے قرار دیا ہے جب کہ وہ مکان کے اعتبار سے آنحضرت کے نزدیک نہیں تھے۔اس بناء پر مکان کے لحاظ سے دوری اور نزدیکی لیاقت اور عدم لیاقت کی دلیل نہیں ہے۔

۳۔رسول خدا ﷺ کا اویس قرنی کے مستقبل کے بارے میں خبر دینا کہ ان کی زندگی کا خاتمہ شہادت پر ہوگا۔آپ نے جناب اویس قرنی کے بارے میں فرمایا:"یموت علی الشهادة"۔

---

[1]۔اعجاز پیغمبر اعظم ﷺ در پیشگوئی از حوادث آئندہ:۲۹۰.

۴۔ حضرت امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی حقانیت اور آپ کے زیر پرچم جان دینے والے افراد شہید ہیں۔
۵۔ اس روایت سے شفاعت کا مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے کیونکہ آپ نے فرمایا: ''یدخل فی شفاعته''۔
۶۔ شفاعت کا مسئلہ صرف معصومین علیہم السلام سے ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ ان کے بزرگ اولیاء بھی بہت سے افراد کی شفاعت کر سکتے ہیں اگرچہ ان کی تعداد قبیلۂ ربیعہ اور مضر کی طرح زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔
۷۔ گذشتہ مطالب کے علاوہ یہ روایت ان کے لئے بہت بہترین رہنما ہے جو شک و تردید سے دچار ہوئے اور معاویہ کے پروپیگنڈوں کی وجہ سے راہ حق کو راہ باطل سے جدا نہ کر سکے۔ کیونکہ وہ باآسانی یہ سمجھ سکتے تھے کہ عمار یاسر اور اویس قرنی جیسے افراد کس گروہ میں ہیں تاکہ ان کے وجود کے ذریعہ اس گروہ کے حق ہونے کے بارے میں جان سکیں، کیونکہ وہ جس گروہ میں بھی ہوں گے وہ حق پر ہوگا۔

قابل توجہ نکتہ ہے کہ اس روایت کو جاننے والے متعدد افراد جنگ صفین میں معاویہ کے لشکر سے جدا ہو کر امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے لشکر سے ملحق ہو گئے کیونکہ جناب اویس قرنی امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے لشکر میں شامل تھے۔

جنگ صفین کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشنگوئی

معاویہ اور اس کے گماشتوں کی راہ کے باطل ہونے کو واضح کر دینے والا ایک اور اہم ترین واقعہ جنگ صفین کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشنگوئی ہے۔ فریقین کے بزرگوں نے یہ پیشنگوئی اپنی کتابوں میں نقل کی ہے اور راہب کی شہادت کا واقعہ بھی بیان کیا ہے۔

''تاریخ روضۃ الصفا'' میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشنگوئی کو یوں ذکر کیا گیا ہے:

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نُخَیلہ سے لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے اور جب نماز کا وقت قریب ہوا تو آپ راستہ میں موجود مسجد میں تشریف لے گئے، آپ نے قصر نماز ادا کی اور وہاں سے تیزی سے گزر گئے اور دیر ابو موسی میں قیام فرمایا اور اس جگہ عصر کی نماز ادا کی اور وہاں سے روانہ ہو گئے، فرات کے کنارے آپ نے مغرب کی نماز پڑھنے کے لئے قیام کیا، ساباط مدائن لشکر ظفر کا خیمہ گاہ بننے سے نزدیک ہو گیا، وہاں کے کسانوں نے مکان کی پیشکش کی لیکن قبول نہیں کی اور رات وہیں گزاری۔ پھر وہاں سے روانہ ہوئے یہاں تک کہ

انوشیروان کے دارالملک تک پہنچ گئے اور اسی طرح وہاں سے بھی روانہ ہو گئے، وہ منزلیں اور مراحل طے کرتے ہوئے جزیرۃ العرب کی حدود میں دیر راہبی تک پہنچ گئے جس پر انہوں نے مینار بنائے ہوئے تھے۔آپ نے وہاں لجام فرس کھینچی اور راہب کو آواز دی ،جب راہب نے رعب دار آواز سنی تو کمزور بدن ، زرد رنگ اور سیاہ لباس کے ساتھ خانقاہ کی چھت پر آ گیا۔

امیر المؤمنین حضرت امام علی علیہ السلام نے اس سے پوچھا: میرے ساتھی پیاسے ہیں کیا تمہارے پاس تھوڑا پانی ہے؟

راہب نے کہا: کچھ دیر ٹھہریں، میں خوش ذائقہ پانی کی ایک بالٹی لے کر آتا ہوں۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا: اتنا پانی کافی نہیں ہے۔

راہب نے کہا: اتنا پانی لاؤں گا جو بیس افراد کے لئے کافی ہو۔

امام المسلمین علیہ السلام نے فرمایا: میرے ساتھ بہت سے لوگ ہیں۔

راہب نے جواب دیا: میرے پاس پانی کے تین برتن بھرے ہوئے ہیں، میں سارا پانی آپ پر نثار کرتا ہوں اور جو کچھ میرے پاس ہے میں آپ کے قدموں پر نچھاور کرتا ہوں۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا:

اے راہب !اس مینار کے نزدیک ایک چشمہ ہے جس سے بنی اسرائیل کے چھ انبیاء سیراب ہوئے اور اب وہ چشمہ دیکھنے والوں کی نظروں سے پوشیدہ ہے۔

جب راہب نے یہ بات سنی تو چھت سے نیچے آیا اور اس نے عرض کیا: میرے والد نے اپنے والد سے روایت نقل کی ہے کہ اس جگہ پانی کا ایک چشمہ ہے جو اب بند ہو گیا ہے،اور اسے پیغمبر یا ان کے وصی کے علاوہ کوئی بھی نہیں کھول سکتا۔

حضرت امیر کائنات علیہ السلام نے فرمایا: میں انشاء اللہ اس بند چشمہ کو ڈھونڈ لوں گا۔

راہب نے پوچھا: آپ کا نام کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: علی بن ابیطالب (علیہما السلام)

راہب نے کہا: مجھے میرے والد سے ایک کتاب ملی ہے جس میں آخر الزمان کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس چشمہ کو ظاہر کرنے والے کا نام لکھا ہے اور اگر یہ اہم کام آپ کی کوششوں سے انجام پا گیا تو میں آپ کے دست مبارک پر اسلام قبول کر لوں گا۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام خانقاہ کے مشرق کی طرف آگے بڑھے اور تقریباً بیس گز کا دائرہ کھینچا اور اس حصہ کو کھودنے کا حکم دیا ،جب وہاں کچھ مقدار میں کھودائی کی گئی تو ایک بہت بڑا پتھر نمودار ہوا جسے طاقتور لوگوں کے ایک گروہ کے مل کر ہٹانے کی کوشش کی لیکن اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود بھی اسے نہ ہلا سکے۔

امیر المؤمنین امام علی علیہ السلام نے فرمایا: اگر خداوند عزّوجل نے چاہا تو میں اس چشمہ سے یہ پتھر کو ہٹادوں گا۔

راہب نے کہا: آپ تنہا یہ کام کیسے انجام دے سکتے ہیں؟ کیونکہ کئی طاقتور پہلوان مل کر بھی اس کو ہٹانے میں ناکام رہے ہیں۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا:

اے راہب! ایک دن میں رسول خداﷺ کے ساتھ سیر کر رہا تھا کہ اچانک آپ نے قریش کے کچھ سربراہوں کو دیکھا جو ایک پتھر کو اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

رسول خداﷺ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: تم لوگ سوچتے ہو کہ طاقت یہ ہے؟ نہیں! بلکہ طاقت یہ ہے کہ جب غصہ آئے تو اس پر قابو رکھو۔

اس کے بعد جبل ابو قُبیس پر آئے تو وہاں ایک بہت بڑا پتھر لڑھک کر زمین پر آیا، آپ نے زبان معجز سے بیان فرمایا: کوئی ہے جو اس پتھر کو اٹھاسکے؟

انہوں نے کہا: کسی میں بھی اس پتھر کو اٹھانے کی طاقت نہیں ہے۔

رسول خداﷺ نے فرمایا: میرے چچا حمزہ، عباس اور میرے چچا کے بیٹے علی (علیہ السلام) کے علاوہ سب لوگ مل کر اٹھالیں۔

ابو جہل ملعون اس بات پر ہنسا اور اس نے کہا: یہ بچہ کون ہے جسے تم اپنے چچا کی لڑی میں پرو رہے ہو؟

پیغمبر اکرمﷺ نے ابو جہل کے تمسخرانہ انداز کو دیکھا تو فرمایا: میں جو جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔

پھر فرمایا: اے علی! کلمہ "لاٰ حولَ ولا قوّۃ الاّ باللّٰہ" کہہ کر اس پتھر کو اٹھاؤ۔

میں نے یہ کلمہ کہا اور اس پتھر کو آسانی سے اٹھالیا۔

اے راہب! ہم گنج الٰہی کے خزینہ دار اور وحی آسمانی کے وارث ہیں۔ جذبۂ رحمانی ضرور مدد کرے گا اور یہ ہی کافی ہوگا۔

جب امیر المؤمنین علی علیہ السلام کا کلام تمام ہوا تو آپ نے اپنا پاک و پاکیزہ سینہ پتھر پر رکھا اور زور لگایا اور اس عظیم پتھر کو چشمہ سے اٹھا کر دور پھینک دیا اور اس پتھر کے نیچے سے صاف، خوش ذائقہ اور ٹھنڈا پانی نکلا جس سے لشکر کے افراد اور حیوان سیراب ہوئے اور یوں لوگوں کا آپ کی ولایت و کرامت پر اعتقاد مزید مستحکم ہو گیا۔

راہب نے یہ صورت حال دیکھ کر اسلام کا لباس زیب تن کر لیا اور اجازت چاہی کہ اسے اس کے آباء و اجداد سے وراثت میں ملنے والا صحیفہ کیمیا اثر امام علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرے۔ وہ کتاب سریانی زبان میں لکھی ہوئی تھی اس کے خلاصہ کا ترجمہ یہ ہے:

شمعون نے مسیح علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

میرے بعد باری تعالی ایسا پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مبعوث کرے گا جو خاتم الانبیاء اور خاتم الرسل ہو گا۔

خوش اخلاق ہو گا، تند کلامی نہیں کرے گا، بازاروں میں آواز اونچی نہیں کرے گا، برائی کا جواب برائی سے نہیں دے گا بلکہ عفو و مہربانی فرمائے گا اور اپنے کرم سے در گزر کرے گا، ان کی امت سرّ و جہر (دھیمی آواز اور بلند آواز) سے خدا کی حمد و ثناء میں مشغول رہے گی۔

جب وہ اس دار فانی سے جائیں گے تو ان کے تابعین اختلاف کے بعد اتفاق کریں گے اور کچھ عرصہ کے بعد پھر ان کے درمیان اختلاف پیدا ہو گا اور ان کی امت میں سے ایک شخص اہل مشرق کو ساتھ لے کر اہل مغرب سے جنگ کے لئے اس دریا کے کنارے سے گزرے گا جو صورت اور سیرت کے لحاظ سے دوسروں سے زیادہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نزدیک ہو گا اور اس شخص کا حکم انصاف اور سچائی پر مبنی ہو گا۔ وہ مہم امور میں سستی نہیں کرے گا، رشوت نہیں لے گا، اس کی نظر میں دنیا کے زرق برق کی وقعت راکھ سے زیادہ نہیں ہو گی، اور اس کی طینت میں موت پیاسے کے حلق میں پانی جانے سے بھی زیادہ آسان ہے، وہ تنہائی میں خداوند سے ڈرتا ہو گا اور علانیہ طور پر سچائی اور عدالت سے کام لے گا۔ جو بھی ان کے زمانے کو درک کرے، اسے چاہئے کہ وہ ان کی اطاعت و پیروی کرے کیونکہ ان کی رضا و خوشنودی خداوند متعال کی رضائیت کا باعث ہے۔

جب امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو اس صحیفہ کے مضمون کے بارے میں علم ہوا تو آپ نے خدائے واجب الوجود کی حمد و ثنا کرتے ہوئے کہا:

میں کس طرح اس نعمت کو شکر ادا کروں جس نے ہمارے ذکر کو باقی رکھا اور ہمیں محروم نہیں چھوڑا۔

راہب نے کہا: یا امیر المؤمنین! میں آپ کی خدمت سے ہر گز جدا نہیں ہوں گا اور نعمت و نقمت ہر حال

میں پوری زندگی آپ کی خدمت میں رہوں گا اور دنیا میں مجھے جس زحمت اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑے میں اسے دل و جان سے قبول کروں گا۔

حبیبۃ الغربی کہتے ہیں: وہ جوان امیر المؤمنین علی علیہ السلام کا مصاحب تھا یہاں تک کہ وہ جنگ صفین میں شہید ہو گیا اور امیر المؤمنین حضرت امام علی علیہ السلام نے ان پر نماز ادا کی اور فرمایا: یہ ہم اہلبیت میں سے ہیں۔[1]

اس پیشنگوئی میں جو اہم ترین نکتہ موجود ہے، وہ یہ ہے کہ معاویہ کے لشکر کو اہل مغرب سے تعبیر کیا گیا ہے، ممکن ہے کہ یہ صفین کی جنگ میں معاویہ کے روم کے بادشاہ کے ساتھ تعلقات کے لئے قرینہ ہو۔انشاء اللہ اس بارے میں مناسب موقع پر بحث کریں گے۔

حکمیّت کے بارے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشنگوئی

جنگ صفین اور حکمیّت کے مسئلہ کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشنگوئیاں اس قدر واضح و روشن ہیں کہ اگر مسلمان ان کے بارے میں تھوڑا سا بھی غور کریں تو وہ بخوبی سمجھ جائیں گے کہ معاویہ نے جنگ صفین میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی۔

اس حقیقت کو مزید واضح کرنے کے لئے اصل واقعہ ذکر کرتے ہیں اور پھر ہم اس کے بارے میں اہم نکات بیان کریں گے۔ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

جنگ بنی قریظہ اور اس کے بھیانک انجام کے بعد (جس کا سبب حیّ بن اَخطب یہودی تھا) ہجرت کے پانچویں سال مدینہ میں خبر پہنچی کہ کچھ ڈاکو مدینہ کے شمال اور ''دومۃ[2] الجندل'' کے علاقہ میں قافلوں کے لئے سدّراہ بن گئے ہیں اور وہ لوگوں کا مال لوٹ رہے ہیں۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہزار اصحاب کے ساتھ ۲۵ ربیع الاوّل سنہ ۵ ہجری کو مدینہ سے دومۃ الجندل کی طرف روانہ ہوئے۔

---

[1]۔تاریخ روضۃ الصفا: ج ۴ ص ۱۹۴۶، نصر بن مزاحم منقری نے اس کا کچھ حصہ ''وقعۃ صفین'' میں ذکر کیا ہے۔

[2]۔دومۃ یا دوما، حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے کا نام تھا۔

جب ڈاکوؤں نے لشکر اسلام کو دیکھا تو وہ سب بھاگ گئے لیکن ان کا کچھ مال و مویشی مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ دومۃ الجندل میں قیام کے دوران رسول خداﷺ نے اپنے اصحاب (جن میں ابو موسیٰ اشعری بھی موجود تھا) کی طرف دیکھ کر فرمایا:

میرے بعد یہاں میرے اصحاب میں سے دو افراد فیصلہ کے لئے بیٹھیں گے، ان کا فیصلہ ظلم و ستم کی بنا پر کیا جائے گا، جس طرح بنی اسرائیل کے دو افراد نے بھی یہاں ظلم و ستم سے فیصلہ کیا تھا۔

رسول خداﷺ نے سنہ ۵ ہجری میں یہ پیشنگوئی بیان کی تھی اور تیس سال کے بعد یہ واقعہ رونما ہوا کیونکہ جنگ صفین میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو حکمیّت قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے لشکر میں سے ابو موسی اشعری کو منتخب کیا گیا لیکن امام علیہ السلام اسے منتخب کرنے پر راضی نہیں تھے جب کہ دوسری طرف سے معاویہ کا نمائندہ عمرو عاص تھا۔

یہ دو افراد "دومۃ الجندل" کی سرزمین پر فیصلہ کے لئے بیٹھے۔ اس فیصلہ میں ابو موسی اشعری اگرچہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کا نمائندہ تھا لیکن پھر بھی اس نے خیانت کی اور اس نے آپ کو مسند خلافت (جو آپ کا مسلّم حق تھا) سے معزول کر دیا لیکن عمرو عاص نے اپنی آسائشوں کے ولی یعنی معاویہ کی خلافت کا حکم دیا۔

جیسا کہ ابن ابی الحدید اور تمام اہلسنت دانشوروں نے لکھا ہے کہ حکمیّت کے بارے میں رسولﷺ کی پیشنگوئی اس واقعہ کے رونما ہونے سے تیس سال پہلے تھی تا کہ سب کے لئے یہ ثابت ہو جائے کہ حکمیّت کے واقعہ سے امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے ساتھ ظلم ہوا اور معاویہ نے ظلم و ستم سے مسند خلافت پر غاصبانہ طریقہ سے قبضہ کیا۔

حکمیّت کے بارے میں رسول خداﷺ کی دوسری پیشنگوئی

ابن ابی الحدید نے نصر بن مزاحم سے نقل کیا ہے: جب عمرو عاص اور ابو موسی اشعری کے درمیان صلح نامہ لکھنا شروع ہوا تو اس میں یوں لکھا گیا: یہ وہ عہد ہے جس پر علی امیر المؤمنین (علیہ السلام) اور معاویہ بن ابی سفیان نے موافقت کی...۔

معاویہ نے کہا: میں کتنا برا شخص بن جاؤں گا، جب میں یہ اقرار کروں گا کہ وہ (علی علیہ السلام) امیر

المؤمنین ہیں...۔

جب عہد نامہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے ''امیر المؤمنین'' کا عنوان مٹا دیا جائے اور پھر فرمایا: جب حدیبیہ کا صلح نامہ لکھا جا رہا تھا تو پیغمبر اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا: یا علی! تمہارے لئے بھی ایسا ہی فیصلہ کیا جائے گا۔[1]

اب ہم حکمیّت کے بارے میں رسول خدا ﷺ کی دوسری پیشنگوئی کا اصل واقعہ بیان کرتے ہیں:

پیغمبر اکرم ﷺ نے بیس دن تک حدیبیہ کے مقام پر قیام کیا اور اس مدت کے دوران پیغمبر ﷺ کے سفیر مکہ بھی جاتے تھے تا کہ مشرکین کو راضی کر سکیں کہ وہ مسلمانوں کو عمرہ ادا کرنے دیں، اور مشرکین کے سفیر حدیبیہ آتے تھے تا کہ رسول خدا ﷺ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک سکیں۔

آخرکار مشرکین اس نتیجہ پر پہنچے کہ وہ پیغمبر خدا ﷺ کے ساتھ صلح نامہ پر دستخط کریں تا کہ اس سال مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکا جائے اور اس کے بدلے آئندہ سال تین دن تک صرف عمرہ کی ادائیگی کے لئے مکہ میں آئیں۔

مشرکین کے سربراہوں میں سے دو افراد سہیل بن عمر اور حفص بن احنف معاہدہ کے لئے مکہ سے روانہ ہوئے۔ ان دونوں سے پہلے حفص کا بیٹا مکرز پہلے سے ہی پیش قراول کے طور پر وہاں موجود تھا۔ پیغمبر ﷺ نے دور سے مکرز کو دیکھا تو اپنے اصحاب سے فرمایا:

کوئی بھی اس کے ساتھ گفتگو نہ کرے کیونکہ یہ پیمان شکن اور فاجر شخص ہے۔

لہٰذا اصحاب میں سے کسی نے بھی اس کے ساتھ گفتگو نہیں کی۔ اور جب آپ نے سہیل بن عمرو کو دیکھا تو فرمایا: ''سهل أمرنا'' یعنی ہمارے لئے کام آسان ہو گیا۔

ابتدائی گفتگو کے بعد یہ طے پایا کہ صلح نامہ لکھا جائے۔ رسول خدا ﷺ کے ساتھ امیر المؤمنین علی علیہ السلام بھی تشریف فرما تھے، اور قلم و کاغذ بھی آپ کے ہی دست مبارک میں تھے، سہل اور حفص بھی دو زانو ہو کر بیٹھے ہوئے تھے اور رسول خدا ﷺ کے باقی اصحاب خیمہ کے ارد گرد موجود تھے اور صلح نامہ لکھنے کا سارا عمل دیکھ رہے تھے۔

پیغمبر خدا ﷺ نے امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو حکم دیا:

---

[1]۔ اعجاز پیغمبر اعظم ﷺ در پیشگوئی از حوادث آئندہ: ۱۷۸۔

لکھو: بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے لکھنا شروع کیا تو سہیل نے جلدی سے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور لکھنے سے روک دیا اور کہا: ٹھریں! یہ رحمٰن اور رحیم کیا ہے؟ میں کسی رحمٰن و رحیم کو نہیں جانتا! بلکہ آپ لکھو: بسمک اللّٰھمّ۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے رسول خداﷺ کی طرف دیکھا، آنحضرت نے صبر و تحمل کے ساتھ فرمایا:

یا علی! لکھو: بسمک اللّٰھمّ۔

اس کے بعد پیغمبر خداﷺ نے فرمایا: لکھو! یہ معاہدہ محمد رسول اللہ کے ساتھ صلح نامہ ہے۔

پھر سہیل نے جلدی سے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور کہا: اے محمد! اگر ہم تمہیں خدا کا رسول مانتے تو یہ سارے اختلافات پیدا ہی نہ ہوتے! اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھو۔

مسلمانوں میں سے ہر کوئی آپس میں چہ میگوئیاں کرنے لگا لیکن امیر المؤمنین علی علیہ السلام، پیغمبر خداﷺ کے حکم کے منتظر تھے کہ آنحضرت نے فرمایا:

یا علی! ''محمد رسول اللہ'' کی بجائے ''محمد بن عبداللہ'' لکھ دو۔

بہر حال اس طرح لکھا گیا اور ہر بار سہیل لکھنے کے وقت کسی بات پر اعتراض کرتا تھا۔

جب امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے ''محمد رسول اللہ'' کی تحریر کو مٹایا اور اس کی بجائے ''محمد بن عبداللہ'' لکھا تو پیغمبر اکرمﷺ نے امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے فرمایا:

یا علی! ایک دن تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی کیا جائے گا۔

اکتیس سال بعد (یعنی جنگ صفین کے بعد) جب امیر المؤمنین علی علیہ السلام کا نمائندہ ابو موسی اشعری اور معاویہ کا نمائندہ عمرو عاص دومۃ الجندل میں فیصلہ کے لئے بیٹھے تو ایک مرتبہ پھر تاریخ نے تاریخ کو دہرایا کیونکہ جس طرح رسول خداﷺ نے فرمایا تھا: عہد نامہ لکھتے وقت عمرو عاص نے ابو موسی سے کہا: اے شخص! اگر ہم علی کو ''امیر المؤمنین'' سمجھتے تو کبھی بھی اس کے ساتھ نزاع و اختلاف نہ کرتے۔

جب امیر المؤمنین علی علیہ السلام تک یہ خبر پہنچی تو آپ کو فوراً رسول خدا کی وہ باتیں یاد آئیں اور آپ نے فرمایا:

کبھی بھی کوئی شخص پیغمبر خداﷺ سے زیادہ سچا نہیں تھا۔[1]

ایک دوسری روایت کے مطابق حکمیّت کے بارے میں رسول خدا ﷺ کی پیشنگوئی

ابن ابی الحدید کہتے ہیں: ابو محمد بن منویہ نے کتاب ''الکفایۃ'' میں لکھا ہے:

ابو موسی نے جو کام انجام دیا وہ ایک گناہ عظیم ہے اور اس کے کام کا جو نقصان ہوا، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ امیر المؤمنین علی علیہ السلام اپنے قنوت میں اس پر اور کچھ دوسرے لوگوں پر لعنت کیا کرتے تھے اور کہتے تھے:

خدایا! پہلے معاویہ، دوسرے عمرو عاص، تیسرے ابواعور سلمی اور چوتھے ابو موسی پر لعنت فرما۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے ابو موسی کے بارے میں فرمایا:

پہلے اس نے علم کا رنگ اپنایا جس طرح اس کا حق تھا اور پھر اس سے الگ کر دیا گیا جیسے الگ ہونے کا حق تھا۔

ابن منویہ کہتا ہے: ابو موسی وہی ہے جس نے پیغمبر خداﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا:

بنی اسرائیل کے درمیان دو گمراہ منصف تھے اور جلد ہی میری امت میں بھی دو گمراہ منصف ہوں گے، جو بھی ان دونوں کی پیروی کرے گا، وہ گمراہ ہے۔

اس سے کہا گیا: کہیں ان دو منصفوں میں سے ایک تم ہی نہ ہو؟

اس نے کہا: نہیں! یا کوئی ایسی بات کی جس کے ایسے ہی معنی تھے، جب وہ اس مسئلہ میں گرفتار ہوا تو اس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اس نے اپنی ہی زبان سے بلا و مصیبت کو گلے لگایا۔ جس طرح دوسروں کی توبہ کے بارے میں کوئی چیز ثابت نہیں ہے اس طرح اس کی توبہ بھی ثابت نہیں ہے۔[2]

---

[1] ۔ اعجاز پیغمبر اعظمﷺ در پیشگوئی از حوادث آئندہ: ۱۸۷۔

[2] ۔ جلوۂ تاریخ در شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج ۵ ص ۴۰۱۔

حکمیت سے متعلق پیشنگوئی میں اہم نکات

ان پیشنگوئیوں میں اہم اور قابل توجہ نکات موجود ہیں، جن کے بارے میں غور و فکر کرنا ضروری ہے:

۱۔ رسول خداﷺ کے فرمان سے یہ استفادہ کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت تمام اصحاب کو عادل نہیں سمجھتے تھے اور آپ نے اپنے اصحاب کو عادل ہونے سے مبرّا جانا ہے، کیونکہ آپ نے واضح طور پر فرمایا ہے: میرے صحابیوں میں سے دو افراد انصاف کرنے کے لئے بیٹھیں گے اور ان کا فیصلہ ظلم و ستم پر مبنی ہوگا۔ اس بنا پر ان دو افراد کو نہ صرف عادل نہیں سمجھا گیا بلکہ ان کا تعارف ظالم اور ستمگر کے طور پر کروایا گیا ہے۔

۲۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اس روایت کی بناء پر اہلسنت کے لئے عدالت صحابہ پر استدلال کرنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا اور ان کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔

۳۔ تیسرا قابل غور نکتہ یہ ہے کہ رسول اکرمﷺ نے حکمیت کی اس پیشنگوئی میں دو حَکَم باطل سمجھیں ہے اور انہیں ظلم و ستم قرار دیا ہے۔

اس بناء پر ابو موسی کا امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو خلافت سے معزول کرنے کا حکم ظلم و ستم تھا اور عمرو عاص کا معاویہ کو خلافت کے منصب پر فائز کرنا بھی ظلم و ستم تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوگا:

الف: امیر المؤمنین علی علیہ السلام کا حق مسلّم تھا اور انہیں خلافت سے الگ کرنا ظلم و ستم ہے۔

ب: معاویہ میں خلافت کی لیاقت وصلاحیت نہیں تھی اور اسے خلیفہ بنانا بھی ظلم و ستم تھا۔

پس رسول خداﷺ کے فرمان کی بناء پر آنحضرت کے خلیفہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام ہیں اور معاویہ ،امیر کائنات علی علیہ السلام کے حق کا غاصب ہے۔ حکمیّت کے واقعہ میں آپ پر ظلم و ستم ہوا اور آپ مظلوم واقع ہوئے۔

۴۔ رسول خداﷺ کا فرمان قرآن اور وحی الٰہی کے مطابق تھا جیسا کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے:

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى. اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَى۔[1]

اور وہ اپنی خواہش سے کلام بھی نہیں کرتا ہے اس کا کلام وہی وحی ہے جو مسلسل نازل ہوتی رہتی ہے۔

اس بناء پر یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حکمیّت قرآن کی بنیاد پر نہیں تھی اور دونوں افراد نے اپنے ذاتی مفاد کی بناء

---

[1]۔ سورۂ نجم، آیت: ۴، ۳۔

پر حکم جاری کیا تھا اور اس حکم کے لئے آیات قرآن اور وحی الٰہی سے استفادہ نہیں کیا۔

قرآن کی کون سی آیات امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو خلافت سے معزول کرنے اور معاویہ کو مقام خلافت پر بٹھانے پر دالت کرتی ہیں؟!

۵۔حکمیّت کا مسئلہ قرآن کی پیروی کرنے کے لئے نہیں تھا بلکہ یہ جنگ کو ختم کرنے،جب کہ معاویہ اور عمرو عاص کو یقینی شکست سے بچانے کے لئے تھا۔

۶۔اگر شکست سے بھاگنے کے لئے حکمیّت کے مسئلہ کو بیان نہیں کیا گیا تھا بلکہ اسے قرآن کے حکم کی پیروی کی وجہ سے بیان کیا گیا تھا تو انہوں نے جنگ سے پہلے اس حکم کو کیوں قبول نہیں کیا کہ جب امیر المؤمنین علی علیہ السلام انہیں حکم الٰہی کو قبول کرنے اور قرآن کی پیروی کرنے کی دعوت دے رہے تھے؟!

۷۔حکمیّت کے مسئلہ میں قرآن سے استدلال نہیں کیا گیا اور اپنے حکم کے لئے کسی بھی آیت کو عنوان قرار نہیں دیا گیا پس پھر کچھ مسلمان کس طرح معاویہ کو رسول خداﷺ کا خلیفہ مانتے ہیں؟!

۸۔صرف یہی نہیں کہ حکمیّت کے مسئلہ کی بنیاد قرآن کو قرار نہیں دیا گیا تھا بلکہ معاویہ کا امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے جنگ کرنے اور معاویہ کی امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے مخالفت اصل میں قرآن کی مخالفت ہے۔کیونکہ عثمان کی موت کے بعد معاویہ کو شام پر نہ ہی تو کوئی قانونی اختیار تھا اور نہ ہی اس کے پاس خلافت کا کوئی جواز تھا۔پس جب معاویہ کے پاس خلافت ہی نہیں تھی تو وہ کس طرح عثمان کے خون کا ولی ہو سکتا ہے؟!

۹۔اس کے علاوہ عثمان کے بیٹوں کے ہوتے ہوئے معاویہ عثمان کے خون کا ولی بھی نہیں تھا تو پھر کس طرح معاویہ خود کو عثمان کے خون کا ولی کہہ رہا تھا؟ اس بناء پر معاویہ کا امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے جنگ کرنا اور آپ کی مخالفت کرنا در حقیقت قرآن کی مخالفت تھی۔

۱۰۔ایک اور اہم نکتہ یہ ہے کہ جس طرح حدیبیہ کے صلح نامہ سے لفظ"رسول اللہ" کو مٹا دینا خلاف واقع اور حکم خدا کے برخلاف تھا،اسی طرح حکمیّت کے مسئلہ میں لفظ" امیر المؤمنین" کو مٹا دینا بھی خلاف واقع اور خوشنودی پروردگار کے برخلاف ہے۔

اس بناء پر جس طرح پیغمبر اکرمﷺ "رسول اللہ" تھے اور یہ لفظ آنحضرت کے اسم مبارک کے ساتھ ہونا چاہئے،اسی طرح امیر المؤمنین حضرت امام علی علیہ السلام کے نام کے ساتھ " امیر المؤمنین" بھی ہونا چاہئے،اور جس طرح لفظ"رسول اللہ" کو مٹا دینا پیغمبر خداﷺ پر ظلم تھا،اسی طرح لفظ " امیر المؤمنین" کو مٹا دینا مولائے کائنات امیر المؤمنین امام علی علیہ السلام پر ظلم ہے۔

۱۱۔ لفظ ''امیر المؤمنین'' کو مٹا دینا حضرت علی علیہ السلام پر ظلم ہے کیونکہ آپ سب مؤمنوں کے امیر ہیں۔اس بناء پر معاویہ کے دعویٰ کا کوئی جواز باقی نہیں بچتا کیونکہ وہ نہ ہی تو مؤمنوں کا امیر ہے اور نہ ہی رسول ﷺ کا خلیفہ ہے۔

۱۲۔ دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ چونکہ معاویہ کے پاس مؤمنوں کی سربراہی اور خلافت کا مقام نہیں تھا۔ لہٰذا ایسے مقام کا دعویٰ کرنے والا انسان گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہوتا ہے اور اس کے پیروکار اور تابعین بھی سب کے سب گمراہ ہوتے ہیں۔

۱۳۔ایک اور اہم نکتہ یہ ہے کہ رسول خدا ﷺ کی تیسری پیشنگوئی کے مطابق معاویہ نہ صرف یہ کہ گمراہ شخص ہے بلکہ اسے برسر حکومت لانے والے دونوں منصف بھی گمراہ اور ان دونوں کی پیروی کرنے والے بھی گمراہ ہیں۔

قابل غور بات یہ ہے کہ ابو موسی اشعری نے نبی مکرم اسلام ﷺ سے خود یہ روایت سنی ہے اور روایت کی ہے۔

حکمیّت کے واقعہ کے رونما ہونے اور اس کے بطلان کے بارے میں رسول خدا ﷺ کی پیشنگوئیوں میں بہت زیادہ اہم نکات موجود ہیں جو سب کے لئے بخوبی یہ واضح کر دیتے ہیں کہ معاویہ کو تخت خلافت پر بیٹھنے کا کوئی حق نہیں تھا۔

معاویہ نے پہلے سے ہی طے شدہ پروگرام ،اپنی مکاریوں اور عمرو عاص کی فریب کاریوں کی مدد سے بے شمار مسلمانوں کو راہ مستقیم سے منحرف کیا ہے۔

حکمیّت کے موضوع کے علاوہ رسول خدا ﷺ کی دوسری پیشنگوئیوں سے بھی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ معاویہ کا کردار و رفتار رسول خدا ﷺ کے ارشادات و فرمودات کے برخلاف تھا۔

عائشہ کے بارے میں رسول خدا ﷺ کی پیشنگوئی

مرحوم شیخ مفید کتاب ''نبرد جمل'' میں لکھتے ہیں:

محمد بن مہران نے محمد بن علی بن خلف سے ،انہوں نے محمد بن کثیر سے ،انہوں نے اسماعیل بن زیاد بزّار سے ،انہوں نے ابی ادریس سے اور انہوں نے رافع (عائشہ کا آزاد کیا ہوا) سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے:

جب میں کمسن تھا اور عائشہ کی خدمت کیا کرتا تھا، عام طور پر جب بھی پیغمبر اکرم ﷺ عائشہ کے گھر ہوتے تو میں وہاں قریب ہی رہتا تھا۔ ایک دن پیغمبر اکرم ﷺ عائشہ کے گھر میں تھے، کوئی آیا اور اس نے دستک دی۔ میں گیا، دیکھا تو ایک کنیز تھی ، جس کے پاس ایک برتن تھا جو اوپر سے ڈھکا ہوا تھا۔ میں عائشہ کے پاس آیا اور اسے اس بارے میں بتایا۔ اس نے کہا: اسے گھر میں لے آؤ۔ وہ کنیز آئی اور اس نے وہ برتن عائشہ کے پاس رکھ دیا، عائشہ نے وہ برتن پیغمبر ﷺ کے پاس رکھ دیا اور آپ نے کھانا شروع کیا اور فرمایا:

اے کاش! امیر المؤمنین، سالار اوصیاء ، پیشوا اور امام المتقین بھی میرے ساتھ ہوتے اور یہ غذا تناول کرتے۔

عائشہ نے پوچھا: وہ کون ہیں؟

اسی موقع پر پھر سے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں گیا اور دیکھا کہ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہما السلام ہیں۔ میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا: علی علیہ السلام گھر کے دروازے پر ہیں۔

فرمایا: انہیں اندر لے آؤ۔ جیسے ہی علی علیہ السلام داخل ہوئے تو پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا:

کیا خوب! میں نے آپ کے آنے کی آرزو کی تھی اور اگر آپ دیر سے آتے تو میں خدا سے دعا کرتا کہ آپ کو میرے پاس بھیج دے۔ بیٹھو اور میرے ساتھ یہ غذا تناول فرماؤ۔

جب امیر المؤمنین علی علیہ السلام بیٹھے تو میں نے دیکھا کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا:

خدا تم سے جنگ کرنے والے کو ہلاک کرے، اور تم سے دشمنی رکھنے والے سے دشمنی رکھتا ہے۔

عائشہ نے کہا: ان کے ساتھ کون جنگ کرے گا اور کون ان سے دشمنی رکھے گا؟

فرمایا: تو اور تیرے ساتھی۔

یہ حدیث بھی امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے عائشہ کی دشمنی پر دلالت کرتی ہے اور حالانکہ وہ جانتی تھی

کہ امام المتقین کون ہیں، لیکن پھر بھی اس نے اس بارے میں پوچھا، جو اس کے انکار کی واضح دلیل ہے اور پیغمبر اکرم ﷺ کی نفرین بھی یہ بیان کر رہی ہے کہ آپ جانتے تھے کہ عائشہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام سے جنگ کرے گی۔ لہٰذا رسول خدا ﷺ ، امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی فضیلت بیان کرنا چاہتے تھے اور امت کے افکار سے ہر قسم کے شبہات کو دور کرنا چاہتے تھے کہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام حق ہیں اور صراط مستقیم پر ہیں اور آپ کا دشمن اپنی دشمنی میں باطل پر ہے۔[1،2]

پیغمبر اکرم ﷺ نے یہ روایت بطور مطلق ارشاد فرمائی ہے، اس بناء پر اس میں معاویہ اور آپ کے دوسرے مخالفین بھی شامل ہیں۔

مروان کے بارے میں رسول خدا ﷺ کی پیشنگوئی

کتاب ''المناقب والمثالب'' میں لکھتے ہیں: جب مروان پیدا ہوا تو اسے رسول خدا ﷺ کے پاس لے کر گئے تاکہ اس کا طالو اتار دیں؛ جس طرح مسلمان بچوں کے ساتھ یہ رسم انجام دی جاتی ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے اس کے لئے یہ کام انجام نہ دیا اور اسے اپنی خیر سے محروم کر دیا اور فرمایا:

أتوني بأزرقهم۔[3]

سب سے زیادہ نیلی آنکھوں والے کو میرے پاس لائے ہیں۔[4]

کتاب ''الفتن'' میں مروزی نے پیغمبر اکرم ﷺ کے قول سے یہ جملہ نقل کیا ہے:

ابن الزرقاء ہلاک عامّة اُمّتی علی یدیه و ید ذرّیّته۔[5]

میری عام امت ابن زرقاء اور اس کی ذرّیّت کے ہاتھوں ہلاک ہو گی۔

---

[1] ۔ یہ روایت کشف الیقین: ۱۳ اور ۱۴، بحار الأنوار (جدید چاپ): ۳۵۱۳۸ میں آئی ہے۔ اسی طرح بحار الانوار: ج ۳۸ ص ۳۶۰-۳۴۸ کی طرف رجوع فرمائیں۔

[2] ۔ نبرد جمل: ۲۵۴.

[3] ۔ المناقب والمثالب: ۲۹۶.

[4] ۔ ''فرہنگ جامع'' میں لکھا ہے: ''ازرق'' خبیث اور بد جنس دشمن کے لیے کنایہ ہے۔

[5] ۔ الفتن مروزی: ۷۲.

مروان کا معاویہ سے مل جلنا اور اس کی خباثت

مرحوم محدث قمی لکھتے ہیں: جمل کے واقعہ کے بعد مروان معاویہ سے مل گیا اور اپنی پیدائشی خباثت و نجاست اور اپنے گندے عقیدے کی وجہ سے وہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی دشمنی میں کوشاں رہا اور آنحضرت کی وفات کے بعد اسے دوبارہ مدینہ کی حکومت ملی۔

ابن اثیر نے کہا ہے: یہ ہر جمعہ کے دن منبر رسول خداﷺ پر جاتا اور مہاجرین وانصار کی موجودگی میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام بہت زیادہ سبّ و شتم کرتا تھا۔ جب یزید بن معاویہ کو حکومت ملی تو مروان مدینہ میں تھا اور اس نے واقعۂ حرّہ میں مدینہ والوں کو قتل کرنے کے لئے مسلم بن عقبہ کو ورغلایا اور معاویہ بن یزید کی خلافت کے زمانے میں وہ شام میں تھا اور جب معاویہ مر گیا اور آل ابی سفیان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا، اور لوگوں نے ابن زبیر کی بیعت کر لی تو مروان نے ابن زبیر کی بیعت کرنے کا ارادہ کیا، اس نے مکہ کی طرف جانا چاہا تو بعض نے اسے منع کیا اور اسے خلافت کا لالچ دلایا۔ مروان جاثیہ کی طرف چلا گیا جو شام اور اردن کے درمیان واقع ہے۔ عمرو بن سعید بن العاص (جو اَشدق کے نام سے مشہور تھا) نے مروان سے کہا کہ میں لوگوں سے اس شرط پر تمہارے لئے بیعت لیتا ہوں تمہارے بعد مجھے حکومت اور خلافت ملے۔

مروان نے کہا: خالد بن یزید بن معاویہ کے بعد خلافت تمہاری ہے۔ اشدق نے قبول کر لیا اور لوگوں کو اس کی بیعت کی طرف بلایا۔

سب سے پہلے اردن کے لوگوں نے اس کی بیعت کی؛ جنہوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی تلوار کے خوف سے بیعت کی۔ پھر شام اور کچھ دوسرے شہروں کے لوگوں نے بیعت کی۔

مروان نے اپنے کارندوں کو مختلف شہروں میں بھیجا اور خود مصر کی طرف روانہ ہو گیا اور اس نے اہل مصر کا محاصرہ کر لیا اور ان کے ساتھ جنگ کی یہاں تک کہ انہوں نے ابن زبیر کی بیعت کو ترک کر دیا اور مروان کی اطاعت کر لی۔

مروان نے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو ان کا حاکم مقرر کیا اور خود شام واپس لوٹ آیا۔ جب وہ شام میں داخل ہوا تو اس نے حسان بن مالک (جو قحطان کا سید و سربراہ تھا) کو بلایا اور اس خوف سے کہیں اس کے بعد بداعیۂ ریاست میں بغاوت و سرکشی نہ ہو جائے لہٰذا اس نے اسے ترغیب دلائی کہ وہ خلافت کی طمع کا خیال اپنے دل سے نکال دے۔

جب حسان نے یہ دیکھا تو وہ کھڑا ہوا اور اس نے ایک خطبہ پڑھا اور لوگوں کو مروان کے بعد عبدالملک بن مروان اور عبدالملک کے بعد عبدالعزیز مروان کی بیعت کی دعوت دی اور لوگوں نے بیعت کر لی اور مخالفت نہ کی۔

جب مروان کی بیوی اور خالد بن یزید کی ماں فاختہ کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے مروان کو قتل کرنے کا ارادہ کیا کیونکہ اس نے اپنا وعدہ توڑا تھا جب کہ اس نے وعدہ کیا تھا کہ اس کے بعد خلافت خالد بن یزید کی ہو گی۔ پس اس نے دودھ میں زہر ملایا اور مروان کو دیا۔ جب مروان نے اسے پیا تو اس کی زبان نے کام کرنا چھوڑ دیا اور وہ حالت احتضار میں چلا گیا۔

عبدالملک اور اس کے سب بیٹے اس کے پاس آئے اور مروان نے اپنی انگلی سے خالد کی ماں کی طرف اشارہ کیا یعنی اس نے مجھے قتل کیا ہے، لیکن خالد کی ماں نے یہ بات چھپانے کے لئے کہا: میرا باپ تجھ پر قربان! تم مجھے کتنا چاہتے ہو کہ مرتے وقت بھی مجھے ہی یاد کر رہے ہو اور اپنے بیٹوں کو میری بارے میں وصیت کر رہے ہو۔

دوسرے قول کے مطابق جب مروان سو رہا تھا تو خالد کی ماں نے اس کے منہ پر تکیہ رکھ دیا اور اپنی کنیز کے ساتھ اس پر بیٹھ گئی یہاں تک کہ مروان کا دم نکل گیا۔

یہ واقعہ سنہ ۶۵ھ میں پیش آیا اور اس وقت مروان کی تریسٹھ سال عمر تھی اور اس نے تقریباً نو مہینے خلافت کی۔ اس کے بیس بھائی، آٹھ بہنیں، گیارہ بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔

فریقین کی کتابوں میں اس پر لعنت کے بارے میں روایات وارد ہوئی ہیں اور اہلسنت کی کتابوں میں اس بارے میں ایک روایت ہے کہ عائشہ نے مروان سے کہا:

میں گواہی دیتی ہوں کہ رسول خداﷺ نے تمہارے باپ پر لعنت کی جب کہ تم اس کے صلب میں تھے۔

''حیاۃ الحیوان، تاریخ خمیس اور اخبار الدول میں مستدرک حاکم سے یہ روایت نقل ہوئی ہے: عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا ہے کہ جب بھی کوئی بچہ پیدا ہوتا تھا تو اسے رسول خداﷺ کے پاس لایا جاتا تھا کہ آپ اس کے لئے دعا کریں لیکن جب مروان کو آنحضرت کے پاس لایا گیا تو آپ نے اس کے حق میں فرمایا:

هو وزغ بن الوزغ الملعون بن الملعون۔

یہ چھپکلی اور چھپکلی کا بیٹا ہے، یہ ملعون اور ملعون کا بیٹا ہے۔

حاکم نے بھی روایت نقل کی ہے:

عن عمرو بن مرّة الجهنی و کانت له صحبة: ان الحکم بن أبی العاص استأذن عن النبی(ص) فعرف صوته فقال: ائذنوا له، علیه و علی من یخرج من صلبه لعنة اللّٰه الاّ المؤمن منهم و قلیل ماهم، یترفهون فی الدنیا و یضیعون فی الآخرة، ذومکر و خدیعة، یعطون فی الدنیا وما لهم فی الآخرة من خلاق۔[1]

مروان کے بارے میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی پیشنگوئی

واقدی نے کہاہے کہ جب امیر المؤمنین علی علیہ السلام جنگ جمل میں فتح یاب ہوئے تو قریش کے جوانوں کا ایک گروہ آیا اور انہوں نے آپ سے امان طلب کی اور یہ کہ انہیں آپ کی بیعت کرنے کی اجازت دی جائے اور اس بارے میں انہوں نے عبداللہ بن عباس کو شفیع قرار دیا۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے ان کی شفاعت قبول کی اور انہیں اپنے پاس آنے کی اجازت دی۔ جب وہ آئے تو آپ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

افسوس ہے تم گروہ قریش پر! کس جرم کی بناء پر تم نے مجھ سے جنگ کی؟ کیا میں نے تمہارے درمیان کبھی عدل کے خلاف کوئی حکم کیا؟ یا کبھی ایسا ہوا کہ تم لوگوں میں کوئی مال برابر تقسیم نہیں کیا؟ یا کسی کو تم لوگوں پر برتری دی؟ یا میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور تھا؟ یا میں نے اسلام کی راہ میں کم مصیبتیں برداشت کی ہیں؟

انہوں نے کہا: اے امیر المؤمنین! ہماری مثال یوسف کے بھائیوں کی طرح ہیں، ہمیں معاف فرمائیں اور ہمارے لئے استغفار کیجئے۔

آپ نے ان میں سے ایک کی طرف دیکھ کر کہا: تم کون ہو؟

اس نے کہا: میں مخرمہ کا بیٹا مساحق ہوں اور اپنے گناہوں اور لغزشوں کا اعتراف کرتا ہوں اور میں نے اپنے گناہوں سے توبہ کی ہے۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا: میں نے تم لوگوں سے درگزر کی اور تم سب کو معاف کر دیا اور

---

[1] تتمۃ المنتہیٰ: ۷۹۔

خدا کی قسم !اگرچہ تم لوگوں میں وہ شخص بھی موجود ہے کہ اگر وہ ہمارے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر بیعت بھی کرے گا تو پھر بھی پشت دکھادے گا۔

مروان بن حکم نے ایک شخص کے ساتھ ٹیک لگائی ہوئی تھی، وہ آگے آیا تو امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے اس سے پوچھا: تمہیں کیا ہوا ہے کیا تم زخمی ہو؟

کہا: جی ہاں !اے امیر المؤمنین !اور مجھے اپنی موت بھی اسی زخم میں دیکھائی دے رہی ہے۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام مسکرائے اور فرمایا: نہیں ! خدا کی قسم !اس زخم کا تم پر کوئی خوف نہ ہو اور جلد ہی یہ امت تجھ سے اور تیرے بیٹوں سے خون آلود دن دیکھے گی۔

مروان نے بیعت کی اور واپس لوٹ گیا۔

پھر عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام آگے آیا اور جب اس پر امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی نظر پڑی تو آپ نے فرمایا:

خدا کی قسم !اگرچہ تم اور تمہارا خاندان اہل صلح تھا ،اگرچہ تم لوگ توانگر ہو لیکن پھر بھی تم لوگوں سے درگزر کرتا ہوں اور یہ میرے لئے بہت پریشانی کا باعث ہے کہ میں نے تمہیں اس قوم کے ساتھ دیکھا اور میں یہ چاہتا تھا کہ تم لوگوں کے ساتھ یہ اتفاق نہ ہوتا۔

عبدالرحمٰن نے کہا: وہ ہو گیا کہ جو نہیں ہونا چاہئے تھا۔اس نے بھی بیعت کی اور واپس چلا گیا۔[1]

مروان کے بارے میں امیر المؤمنین امام علی علیہ السلام کی دوسری پیشنگوئی

ابو مخنف نے عدی سے ،انہوں نے ابی ہشام سے ،انہوں نے برید سے ،انہوں نے عبداللہ بن مخارق سے اور انہوں نے ہاشم بن مساحق قرشی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے: میرا باپ کہتا تھا: جب جنگ جمل سے لوگ بھاگ گئے تو قریش کا ایک گروہ (جن میں مروان بن حکم بھی شامل تھا) اس کے پاس آیا اور ان میں

---

[1]۔ نبرد جمل: ۲۴۸.

سے بعض نے دوسروں سے کہا: خدا کی قسم! ہم نے اس شخص (یعنی امیر المؤمنین علی علیہ السلام) پر ظلم کیا ہے اور بلاوجہ ان کی بیعت توڑی ہے۔اور خدا کی قسم! جب وہ ہم پر کامیاب ہو گئے تو ہم نے رسول خداﷺ کے بعد ان سے زیادہ کوئی کریم اور بخشنے والا نہیں دیکھا۔اب آؤ ان کے پاس چلتے ہیں اور ان سے معافی مانگتے ہیں۔

کہتے ہیں: ہم امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے گھر کے دروازے پر گئے اور اجازت طلب کی۔آپ نے اجازت دی اور جب ہم آپ کے سامنے پہنچے تو ہم میں سے ایک شخص نے بات کرنا چاہی تو آپ نے فرمایا: جب تک میں بات نہ کر لوں، تو تم آرام سے اور خاموش رہو۔بیشک میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں، اگر میں حق کہوں تو میری تصدیق کرنا اور اگر غلط بیانی سے کام لوں تو میری بات کو ردّ کرنا۔اب میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں! کیا تم لوگ جانتے ہو کہ جب رسول خداﷺ رحلت فرما گئے تو میں آنحضرت کا سب سے زیادہ قریبی تھا اور لوگوں پر حکومت کے لئے سب سے زیادہ حق دار تھا؟

انہوں نے کہا: جی ہاں! ہم جانتے ہیں۔

آپ نے فرمایا: لیکن پھر بھی تم لوگوں نے مجھ سے منہ موڑ لیا اور ابوبکر کی بیعت کر لی، میں نے برداشت کیا اور میں نہیں چاہتا تھا کہ مسلمانوں میں اختلاف و انتشار پیدا ہو۔ابوبکر نے اپنے بعد عمر کو حکومت دے دی۔میں نے پھر بھی درگزر کیا اور لوگوں میں کوئی تحریک پیدا نہ کی، حالانکہ میں جانتا تھا کہ اس کام کے لئے میں ہی سب سے زیادہ شائستہ ہوں اور رسول خداﷺ کی جانشینی کے لئے میں ہی سب سے زیادہ اہل ہوں۔لیکن میں نے صبر و تحمل کا دامن نہ چھوڑا یہاں تک کہ وہ قتل ہو گیا اور اس (عمر) نے مجھے شوریٰ کا چھٹا شخص قرار دیا۔میں نے پھر بھی خلافت سے ہاتھ اٹھا لیا کیونکہ میں مسلمانوں میں تفرقہ نہیں ڈالنا چاہتا تھا اور تم لوگوں نے عثمان کی بیعت کر لی اور تم نے خود ہی اس کے خلاف بغاوت کرکے اسے قتل کر دیا تھا۔میں تو اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا، تم لوگ خود میرے پاس آئے اور میری بیعت کی، جس طرح تم لوگوں نے ابوبکر اور عمر کی بیعت کی تھی۔تم لوگوں نے ان دونوں سے تو وفاداری کی لیکن تم نے مجھ سے اپنے عہد کو وفا نہ کیا۔کس چیز کی وجہ سے تم لوگوں نے ان دونوں کی بیعت کو نہ توڑا لیکن میری بیعت توڑ دی؟

ہم نے کہا: اے امیر المؤمنین علی علیہ السلام! آپ خدا کے صالح بندے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح بنیں، جو فرماتے تھے:

آج تمہارے لئے کوئی ملامت نہیں ہے۔خدا تمہیں معاف کردے گا کہ وہ بڑا رحم کرنے والا ہے۔[1]

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا: آج تم لوگوں کے لئے کوئی سرزنش نہیں ہے اگرچہ تم لوگوں میں ایسا شخص بھی موجود ہے کہ اگر وہ اپنے ہاتھ سے میری بیعت کرے تو (پھر بھی) مجھے پشت دکھادے گا۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی مراد مروان بن حکم تھی۔[2]

مروان کے بارے میں ایک اور پیشنگوئی

کتاب ''الاَستعاب'' کے مؤلف کہتے ہیں: امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے مروان کو دیکھا تو اس سے فرمایا: وای ہو تم پر! تم سے اور تمہارے بیٹوں سے امت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر افسوس ہو! جب تمہارے شقیقہ کے بال سفید ہو جائیں گے۔

مروان ''خیط باطل'' کے نام سے مشہور تھا۔اور اسے یہ اس وجہ سے کہا جاتا تھا کہ وہ لمبے قد کا تھا اور ہمیشہ کانپتا اور لرزتا رہتا تھا۔ عثمان کے گھر میں ہونے والی جنگ میں مروان کی گردن کے پیچھے ایسی ضربت لگی تھی، جس سے وہ منہ کے بل زمین پر گر گیا تھا۔

جب مروان کو حکومت ملی تو اس کے بھائی عبدالرحمٰن بن حکم (جو طنز و مزاح پر مبنی اچھے اشعار کہتا تھا اور مروان کا ہم عقیدہ بھی نہیں تھا) نے یوں شعر کہا:

''خدا کی قسم! میں نہیں جانتا ہوں اور میں چاہتا کہ جس شخص کو گردن کے پیچھے مارا تھا، اس کی بیوی سے پوچھوں کہ وہ کیا کر رہا ہے؟ خداوند اس قوم کو نابود کرے، جس نے لمبے قد کے لرزتے اور کانپنے ہوئے شخص کو لوگوں کا امیر بنادیا اور وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور جسے نہیں چاہتا عطا نہیں کرتا''۔

کہا گیا ہے: عبدالرحمٰن نے یہ شعر اس وقت کہا تھا جب معاویہ نے مروان کو مدینہ کا حاکم بنایا تھا۔ عبدالرحمٰن، مروان کی بہت زیادہ مذمت کرتا تھا اور اس کی مذمت میں اس کے اور اشعار یوں ہیں:

''اے مروان! میں نے اپنا فائدہ تجھے، عمرو، کانپنے والے دراز قامت مروان اور خالد کو بخش دیا''۔

---

[1] ۔ سورۂ یوسف، آیت: ۹۲.

[2] ۔ نبرد جمل: ۲۴۹.

مالک الریب نے بھی مروان کی مذمت کی ہے اور اس نے یوں شعر کہا ہے:

''مجھے تیری جان کی قسم! مروان ہمارے امور انجام نہیں دے گا، بلکہ جعفر کی بیٹی ہمارے بارے میں حکم دے گی۔ اے کاش؛ وہی ہماری امیر ہوتی۔ اور اے مروان! کاش! تمہارے پاس زنانہ شرمگاہ ہوتی''۔

مروان کی مذمت میں اس کے بھائی عبدالرحمٰن کے کچھ اور اشعار یوں ہیں:

''ہاں! کون ہے جو میری طرف سے میرا پیغام مروان تک پہنچائے''۔

جب معاویہ کو خلافت ملی تو سب سے پہلے اس نے مروان کو مدینہ کا حاکم بنایا اور پھر مکہ اور طائف کی حکومت بھی اسی کے سپرد کر دی۔ پھر اسے اس حکومت سے معزول کر دیا اور سعید بن عاص کو حاکم بنا دیا۔ جب یزید بن معاویہ ہلاک ہو گیا تو اس کے بیٹے ابو لیلیٰ معاویہ بن یزید کو سنہ ۶۴ھ میں حکومت ملی۔ وہ چالیس دن تک خلیفہ رہا اور پھر مر گیا۔ اس کی ماں (ام خالد بنت ابو خالد بنت ابو ہاشم بن عتیبہ بن ربیعۃ بن عبد شمس تھی) نے اس سے کہا: اپنے بعد خلافت اپنے بھائی کو دے دو۔

معاویہ بن یزید نے قبول نہ کیا اور کہا: یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کی باتوں کی تلخی میرے ذمہ ہو اور مٹھاس تمہارے لئے ہو۔

اس وقت مروان نے خلافت کے لئے قیام کیا اور یہ شعر کہا:

''میں ایسا فتنہ دیکھ رہا ہوں، جس کی دیگ ابل رہی ہے اور ابو لیلیٰ کے بعد بادشاہی اسی کی ہے جو غلبہ پا جائے گا اور جیت جائے گا''۔[1]

---

[1]۔ جلوۂ تاریخ در شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج ۳ ص ۲۶۶.

کتاب ''نہایۃ الأرب'' سے مروان کے بارے میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی پیشنگوئی

کتاب ''نہایۃ الأرب'' میں ذکر ہوا ہے: مروان نے رسول خداﷺ کو نہیں دیکھا تھا کیونکہ وہ اس وقت تک ایک ناسمجھ بچہ تھا، جب وہ اپنے باپ کے ساتھ طائف چلا گیا اور پھر عثمان کی حکومت کے دوران مدینہ واپس آیا تھا۔

جب اس کا باپ مر گیا تو عثمان نے اسے اپنے کاتب کے طور پر رکھ لیا۔ مروان عثمان کے افکار و رفتار پر اس طرح حاوی ہو گیا تھا کہ عثمان کے خلاف لوگوں کے قیام، بغاوت اور اس کے قتل کا اصل سبب وہی تھا۔

ابن عبدالبر نے کتاب ''الاستیعاب'' میں نقل کیا ہے: ایک دن حضرت علی بن ابی طالب علیہما السلام مروان کے پاس گئے اور فرمایا:

وای ہو تجھ پر! تم سے اور تمہارے بیٹوں سے امت محمد کے لئے افسوس ہے، افسوس ہے! اس وقت جب تمہیں طاقت ملے گی۔

مروان کو ''خیط باطل'' کہتے تھے۔ عثمان کے گھر جنگ کے دن اس کی گردن کے پیچھے ایسی ضربت لگی تھی، جس سے وہ منہ کے بل زمین پر گر گیا تھا۔

اس کا بھائی عبدالرحمٰن بن حکم اس کا ہم عقیدہ نہیں تھا اور وہ شوخ طبیعت کا شاعر تھا جس نے اس کے بارے میں یوں کہا:

خدا کی قسم! میں نہیں جانتا اور جس شخص کو پس پشت ضربت ماری گئی، میں اس کی بیوی سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ خداوند اس قوم کو رسوا کرے جس نے اس بوسیدہ رسی کو حاکم بنا دیا ہے اور وہ لوگوں کا امیر بن گیا ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے محروم کر دیتا ہے۔

نقل کیا گیا ہے: جب معاویہ نے مروان کو مدینہ کا حاکم بنایا تو اس کے بھائی نے یہ شعر کہا تھا اور وہ مروان کی بہت زیادہ مذمت کرتا تھا۔[۲]

---

[۱]۔ الاستیعاب: ۱۳۸۸.

[۲]۔ نہایۃ الأرب: ج۶ ص۶۹.

عمر بن سعید بن عاص کے بارے میں پیغمبر اکرم ﷺ کی پیشنگوئی

معاویہ نے عمرو بن سعید بن عاص کو مکہ کا حاکم بنایا، جو تکبر کی وجہ سے بہت مشہور تھا اور یہ وہی ظالم و جابر ہے کہ رسول خداﷺ کے منبر پر جس کے ناک سے خون بہنا شروع ہو گیا تھا۔ابن قتیبہ اور اس کے علاوہ دوسروں نے ابوہریرہ سے روایت نقل کی ہے اس نے کہا: میں نے پیغمبر خداﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا:

میرے منبر پر بنی امیہ کے ظالموں اور جابروں میں سے ایک شخص کے ناک سے خون جاری ہوگا اور منبر پر اس کا خون گرے گا۔

ابو عبیدہ نے کتاب ''مثالب'' میں اور ابو جعفر نے تاریخ میں روایت کی ہے کہ جب عمرو بن سعید بن عاص مدینہ کا حاکم بنا تو اسے عبید اللہ بن زیاد کا خط ملا جس میں اس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر دی! اس نے منبر پر سے لوگوں کے لئے خط پڑھا اور کہا:

اے محمد! یہ عمل بدر میں تمہارے عمل کے بدلہ میں انجام پایا ہے! اس وقت انصار کے ایک گروہ نے اس کی بات کو ردّ کیا۔[1]

جنگ نہروان میں ذوالثدیہ کے بارے میں پیغمبر اکرم ﷺ کی پیشنگوئی

ابراہیم بن دینزیل نے کتاب ''صفین'' میں اعمش کے قول سے اور اس نے زید بن وہب سے نقل کیا ہے: جب علی علیہ السلام نے نیزوں کے ذریعہ خوراج کے پاؤں اکھاڑ دیئے تو فرمایا: ذوالثدیہ کی لاش تلاش کرو اور انہوں نے اسے تلاش کرنے کی بہت کوشش کی، وہ انہیں ایک نچلی اور ناہموار زمین پر دوسرے مردوں کے نیچے ملا۔اسے حضرت علی علیہ السلام کے پاس لایا گیا اور اس کے سینہ پر بلی کی مونچھوں کی طرح بال نکلے

---

[1]۔ معاویہ و تاریخ: ۱۰۱.

ہوئے تھے۔آپ نے تکبیر کہی اور لوگوں نے بھی خوشی سے آپ کے ساتھ مل کر تکبیر کہی۔

اسی طرح انہوں نے مسلم ضبی سے اور نہوں نے حبّۃ عرنی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا:

ذوالثدیہ ایک سیاہ اور بدبودار شخص تھا۔اس کے ہاتھ عورتوں کے پستان کی طرح تھے۔جب اسے کھینچتے تھے تو بلندی کی وجہ سے اس کے دوسرے ہاتھ تک پہنچ جاتے تھے اور جب اسے چھوڑتے تھے تو اکٹھے ہو کر عورت کے پستان کی طرح بن جاتے تھے۔اس پر بلّی کی مونچھوں کی طرح بال نکلے ہوئے تھے۔جب اس کی لاش ملی تو اس کا ہاتھ کٹا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ کو نیزہ پر بلند کیا گیا۔امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے بلند آواز سے کہا:

خدا نے سچ کہا ہے اور اس کے رسول ﷺ نے صحیح ابلاغ کیا ہے۔

عصر کے بعد تک آپ اور آپ کے ساتھی یہی کلمہ کہہ رہے تھے کہ جب تک سورج غروب ہو گیا یا غروب ہونے کے نزدیک تھا۔

ابن دیزیل نے بھی اسی طرح روایت کی ہے کہ جب ذوالثدیہ کے جسم کو تلاش کرنے میں علی علیہ السلام کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو فرمایا: رسول خدا ﷺ کی سواری لے آؤ۔

سواری لائی گئی اور آپ اس پر سوار ہوئے، لوگ آپ کے پیچھے چل پڑے۔آپ مقتولین کو دیکھ رہے تھے اور فرماتے تھے: منہ کے بل پڑے ہوئے مقتولین کو سیدھا کرو اور آپ ایک ایک کر کے مقتولین کا جائزہ لے رہے تھے یہاں تک کہ اس کی لاش ملی تو امیر المؤمنین علی علیہ السلام سجدۂ شکر بجالائے۔

بہت سے گروہوں نے روایت نقل کی ہے کہ جب علی علیہ السلام نے پیغمبر اکرم ﷺ کی سواری طلب کی تا کہ اس پر سوار ہوں تو فرمایا: یہ سواری لاؤ تا کہ یہ رہنما ہو اور آخر کار وہ سواری منہ کے بل پڑے ایک جنازے کے پاس کھڑی ہو گئی اور پھر ذوالثدیہ کی لاش کو دوسرے مردوں کے نیچے سے باہر نکال لیا گیا۔

عوام بن حوشب نے اپنے باپ سے اور انہوں نے اپنے دادا یزید بن رویم سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: علی علیہ السلام نے جنگ نہروان کے دن فرمایا:

آج ہم چار ہزار خوارج کو قتل کریں گے، جن میں سے ایک ذوالثدیہ ہو گا۔

جب خوارج یہ جنگ ہار گئے تو علی علیہ السلام نے اس کی لاش کو تلاش کرنے کا ارادہ کیا۔میں بھی آپ کے پیچھے چل پڑا اور علی علیہ السلام نے مجھے حکم دیا کہ ان کے لئے چار ہزار تیر تراشے جائیں۔پھر وہ رسول خدا ﷺ کی سواری پر سوار ہوئے اور مجھ سے فرمایا: مقتولین میں سے ہر ایک پر ایک تیر رکھو۔

میں اس دوران حضرت علی علیہ السلام کے آگے آگے چل رہا تھا اور وہ میرے پیچھے آ رہے تھے اور لوگ آپ کے پیچھے چل رہے تھے۔ میں ہر مقتول پر ایک تیر رکھتا تھا یہاں تک کہ میرے پاس ایک تیر ہی باقی بچا ۔میں نے امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی طرف دیکھا تو مجھے محسوس ہوا کہ جیسے آپ کا چہرہ افسردہ اور اداس ہو۔

آپ نے فرمایا: خدا کی قسم! میں جھوٹ نہیں بولتا اور مجھ سے جھوٹ نہیں کہا گیا۔

اچانک میں نے ایک نچلی جگہ سے پانی بہنے کی آواز سنی۔

فرمایا: یہاں تلاش کرو۔

میں نے جستجو کی تو دیکھا کہ ایک مقتول پانی میں گرا پڑا ہے۔ میں نے اس کا ایک پاؤں پکڑ کر کھینچا اور کہا کہ یہ کسی انسان کا پاؤں ہے۔ حضرت علی علیہ السلام بھی جلدی سے اپنی سواری سے نیچے اترے اور دوسرے پاؤں کو ڈھونڈنا شروع کیا اور مل کر اسے باہر نکالا اور جب اسے زمین پر رکھا تو معلوم ہوا کہ وہ ذوالثدیہ کا پاؤں ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے بہت بلند آواز سے تکبیر کہی اور پھر سجدۂ شکر بجالائے اور پھر سب لوگوں نے بھی تکبیر کہی۔

بہت سے محدثین نے روایت کیا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ نے ایک دن اپنے اصحاب سے فرمایا:

بیشک تم میں سے ایک قرآن کی تأویل کے لئے جنگ کرے گا، جس طرح میں نے تنزیل قرآن کے لئے جنگ کی۔

ابو بکر نے کہا: یا رسول اللہ! کیا وہ شخص میں ہوں۔

فرمایا: نہیں۔

عمر نے کہا: کیا میں وہ شخص ہوں؟

آنحضرت نے فرمایا: نہیں! بلکہ وہ ہے، جو اپنے جوتے کو پیوند لگا رہا ہے۔

پھر آنحضرت نے علی علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا۔[1،2]

یہ روایت جنگوں میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے حق پر ہونے اور آپ سے جنگ کرنے والوں کی گمراہی کی تائید کرتی ہے۔ چاہے وہ ناکثین ہوں، قاسطین ہوں یا پھر مارقین ہوں۔

---

[1]۔ اس حدیث اور اس میں ذکر ہونے والے منابع کے بارے میں مزید تفصیلات کے لئے کتاب فضائل الخمسۃ من الصحاح الستۃ: ج۲ ص ۳۵۴۔ ۳۴۹ تیسری چاپ بیروت ۱۳۷۳ ہجری قمری کی طرف رجوع فرمائیں۔

[2]۔ جلوۂ تاریخ در شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج۱ ص ۳۸۹.

محمد بن ابی بکر اور ان کی شہادت کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشنگوئی

جن ایام میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تھے تو ابو بکر کو کسی ایک جنگ میں بھیجا گیا۔اس کی بیوی اسماء بنت عمیس نے خواب دیکھا کہ جیسے ابو بکر نے اپنے سر اور داڑھی کو مہندی لگائی ہو اور سفید کپڑے پہنے ہوں۔وہ عائشہ کے پاس آئی اور اس نے اپنا خواب بیان کیا۔

عائشہ نے کہا: اگر تمہارا خواب سچا ہو تو ابو بکر قتل ہو گیا ہے۔وہ خضاب اس کا خون اور سفید کپڑے اس کا کفن ہے۔اس نے رونا شروع کر دیا اور جب عائشہ رو رہی تھی تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور اس سے پوچھا: تم کیوں رو رہی ہو؟

اس نے کہا: یا رسول اللہ! اسے کسی نے نہیں رلایا ہے۔اسماء نے ابو بکر کے بارے میں ایک خواب دیکھا ہے، جس کی وجہ سے عائشہ رو رہی ہے۔جب آنحضرت سے وہ خواب بیان کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

جس طرح عائشہ نے تعبیر کی ہے ویسے نہیں ہے بلکہ ابو بکر صحیح و سالم واپس آ جائے گا۔اسماء کو دیکھ رہے ہو۔اسماء حاملہ ہے اور وہ ایک بیٹے کو جنم دے گی جس کا نام محمد رکھا جائے گا اور خداوند اسے کافروں اور منافقوں کے لئے غضب قرار دے گا۔[1]

یہ واقعہ کتاب ''الغارات'' میں تھوڑے فرق کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔

ابو اسحاق کہتے ہیں: جب محمد کی ماں اسماء بن عمیس کو اپنے بیٹے کی شہادت کی خبر ملی اور ان کے ساتھ جو کچھ ہوا، وہ اس سے آگاہ ہوئی تو انہوں نے اپنے حزن کو ظاہر نہ ہونے دیا جب کہ دل میں وہ غمگین تھی۔جب وہ مسجد کی طرف جا رہی تھیں تو ان کے سینہ سے خون جاری ہو گیا۔

ابو اسماعیل کثیر النواء کہتے ہیں: ابو بکر کسی جنگ میں شرکت کے لئے مدینہ سے باہر گیا تو اس کی بیوی اسماء بنت عمیس نے خواب میں دیکھا کہ ابو بکر نے اپنے سر اور داڑھی کو خضاب لگایا ہے اور سفید لباس پہنا ہے۔وہ عائشہ کے پاس آئیں اور اس سے اپنا خواب بیان کیا۔عائشہ نے کہا کہ اگر تمہارا خواب سچ ہے تو گویا ابو بکر قتل ہو

---

[1]۔ جلوۂ تاریخ در شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج ۳ ص ۲۲۷۔

گیا ہے۔خضاب خون کی علامت ہے اور اس کا سفید لباس اس کے کفن کی علامت ہے۔عائشہ روتی ہوئی رسول خداﷺ کی خدمت میں آئی تو آنحضرت نے اس سے پوچھا: تم کیوں رو رہی ہو؟

اس نے اسماء کا خواب بیان کیا۔رسول خداﷺ نے فرمایا: عائشہ نے جو تعبیر کی ہے وہ صحیح نہیں ہے بلکہ ابوبکر صحیح و سالم اسماء کے پاس واپس آ جائے گا۔اس کے بعد اسماء ایک بچے کو جنم دے گی ، جس کا نام محمد رکھا جائے گا،خداوندا سے کافروں اور منافقوں کے لئے غضب قرار دے گا۔

یہ جوان وہی محمد بن ابی بکر ہیں ، جو اس دن شہید ہوئے۔[1]

جیسا کہ رسول خدا نے خبر دی تھی محمد بن ابی بکر امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی خلافت کے زمانے میں آپ کے باوفا ساتھی اور آپ کے دشمنوں کی آنکھ کا کانٹا تھے۔جنگ جمل و صفین میں آپ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے ساتھیوں میں سے تھے اور آپ اپنی زندگی کے آخری دن تک آپ کی خدمت میں سرگرم عمل رہے۔

محمد بن ابی بکر امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی طرف سے مصر کے حاکم تھے اور بالآخر معاویہ بن حدیج کے ہاتھوں شہید ہو گئے کہ جسے معاویہ بن ابی سفیان اور عمرو بن عاص نے محمد بن ابی بکر کو گرفتار کرنے کے لئے مأمور کیا تھا۔

معاویہ بن حدیج شریر اور بے رحم شخص تھا۔اس نے محمد بن ابی بکر کو مصر میں گرفتار کرنے کے بعد پہلے ان کی گردن جدا کی اور پھر ان کا جسد گدھے کی کھال میں رکھ کر جلا دیا۔

جب محمد کی بہن عائشہ کو اس کی خبر ہوئی تو وہ بہت بے تاب ہوئی اس کے بعد وہ ہمیشہ ہر نماز کی تعقیبات میں قنوت پڑھتی تھی ، جس میں معاویہ بن ابی سفیان، عمرو بن عاص اور معاویہ بن حدیج پر لعنت کرتی تھی۔

جب امیر المؤمنین علی علیہ السلام کو کوفہ میں محمد بن ابی بکر کی شہادت کی خبر ہوئی تو آپ بہت غمگین ہوئے اور فرمایا:

بیشک مکہ کو تباہ کرنے والو ! ظلم و ستم کو دوست رکھنے والو ! لوگوں کو خدا کی راہ سے دور رکھنے والو !اور اسلام کو کجی کی طرف لے جانے والو ! آگاہ ہو جاؤ ! محمد بن ابی بکر شہید ہو گئے ہیں،ان پر خدا کی رحمت ہو،انہیں خدا کے نزدیک بغیر حساب لایا جائے گا۔

مدائنی کہتے ہیں: علی علیہ السلام سے کہا گیا:اے امیر المؤمنین علی علیہ السلام ! آپ محمد بن ابی بکر کی

---

[1]۔الغارات و شرح اعلام آن: ۱۵۰.

شہادت پر بہت بے چین ہوئے؟

فرمایا: اس میں کیا حرج ہے، وہ میرے ہاتھوں کا پروردہ اور تربیت یافتہ تھا اور وہ میرے بیٹوں کے لئے بھائی اور میں اس کا باپ ہوں اور وہ میرے بیٹے کی طرح ہے۔[1]

سمرہ بن جندب کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشنگوئی

شریک روایت کرتے ہیں: عبداللہ بن سعد نے حجر بن عدی سے ہمارے لئے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: میں مدینہ میں آیا اور ابوہریرہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے پوچھا: کہاں کے رہنے والے ہو؟

میں نے کہا: میں بصرہ کا رہنے والا ہوں۔

اس نے پوچھا: سمرۃ بن جندب کا کیا حال ہے؟ میں نے کہا: وہ زندہ ہے۔

اس نے کہا: کسی اور کی لمبی عمر میرے لئے اس کی لمبی عمر سے زیادہ خوش آئند نہیں ہے۔

میں نے کہا: اس کی کیا وجہ ہے؟ کہا: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے، اس سے اور حذیفہ بن الیمان سے فرمایا تھا: جو کوئی بھی تم میں سے دو کے بعد مرے وہ دوزخ میں ہے۔

حذیفہ مجھ سے پہلے چلے گئے اور اب میری یہ خواہش ہے کہ میں سمرۃ سے پہلے مر جاؤں۔

کہتے ہیں: حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت تک سمرۃ بن جندب زندہ تھا۔

احمد بن بشیر نے مسعر بن کدام سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: امام حسین علیہ السلام کے کوفہ کی طرف روانگی کے وقت سمرۃ بن جندب، عبداللہ بن زیاد کا سپہ سالار تھا اور وہ لوگوں کو امام حسین علیہ السلام کے خلاف جنگ کرنے اور قیام کرنے کی ترغیب دلا رہا تھا۔[2]

---

[1] ۔ اعجاز پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم در پیشگوئی از حوادث آئندہ: ۳۵۱۔

[2] ۔ سمرۃ کی موت کے سال میں اختلاف ہے اور اس کے بارے میں ۵۸، ۵۹ اور ۶۰ ہجری لکھا گیا ہے۔ ابن عبدالبر نے کتاب الاستیعاب: ج ۲ ص ۶۷ میں الاصابہ کے حاشیہ میں لکھا ہے: وہ ابلتے پانی کے برتن میں گر کر جل گیا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوہریرہ سے جو بات فرمائی تھی (کہ تم تینوں میں سے جو آخر میں مرے وہ آگ میں ہے) وہ بات صحیح ثابت ہوئی۔

کربلا کے بارے میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی پیشنگوئی

حسن بن محبوب نے ثابت ثمالی اور انہوں نے سوید بن غفلہ سے نقل کیا ہے: ایک دن امیر المؤمنین علی علیہ السلام خطبہ دے رہے تھے۔ایک شخص منبر کے پاس سے اٹھا اور اس نے کہا: اے امیر المؤمنین ! میں وادی القری سے گزر رہا تھا تو میں متوجہ ہوا کہ خالد بن عرفطہ مر گیا ہے۔اس کے لئے مغفرت طلب کریں۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا:

خدا کی قسم ! وہ نہیں مرا اور تب تک نہیں مرے گا یہاں تک کہ وہ گمراہ لشکر کی قیادت کرے گا جو اس کے علم کو کندھوں پر اٹھائے گا۔وہ حبیب بن حمار[1] ہیں۔

اسی وقت ایک دوسرا شخص منبر کے قریب سے کھڑا ہوا اور اس نے کہا: اے امیر المؤمنین علی علیہ السلام ؛! میں حبیب بن حمار ہوں۔آپ کا شیعہ اور محب ہوں۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا: تم حبیب بن حمار ہو؟

کہا: جی ہاں۔

علی علیہ السلام نے دوبارہ پوچھا: تمہیں خدا کی قسم ! کیا تم ہی حبیب بن حمار ہو؟

اس نے کہا: خدا کی قسم ! جی ہاں۔

فرمایا: خدا کی قسم ! تم وہ علم کندھوں پر اٹھاؤ گے اور اس علم کے ساتھ مسجد کے اس دروازے سے داخل ہوگے۔اور آپ نے مسجد کوفہ کے باب الفیل کی طرف اشارہ کیا۔

ثابت نے کہا: خدا کی قسم ! میں تب تک نہیں مرا کہ جب تک میں نے ابن زیاد کو دیکھا کہ اس نے عمرو بن سعد کو امام حسین علیہ السلام سے جنگ کے لئے بھیجا۔اس نے خالد بن عرفطہ کو اپنے لشکر کا سالار بنایا اور حبیب بن حمار نے اس کا علم اپنے کندھوں پر اٹھایا اور باب الفیل سے مسجد میں داخل ہوا۔[2]

---

[1]۔ حالانکہ تہران کی قدیم چاپ میں بھی اس شخص کا یہی نام ذکر ہوا ہے لیکن ظاہراً اس کا صحیح نام جماز ہے جو شیخ مفید کی کتاب ''اختصاص'' اور صفار کی کتاب ''بصائر الدرجات'' میں ذکر ہوا ہے: بحار الأنوار: ج۴۱ ص۲۸۹.

[2]۔ جلوۂ تاریخ در شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج۱ ص۳۹۷.

کربلا میں ابن زیاد کے لشکر کے سالاروں میں سے حصین بن تمم کے بارے میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی پیشنگوئی

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے منبر پر خطبہ دیا اور اس کے ضمن میں فرمایا:

''مجھ سے پوچھو؛ اس سے پہلے کہ تم مجھے کھو دو...''۔

تمیم بن اسامۃ بن زہیر بن درید تمیمی نے آپ پر اعتراض کیا اور آپ کی بات کو کاٹ کر پوچھا:

میرے سر پر کتنے بال ہیں؟

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے اس سے فرمایا:

بیشک خدا کی قسم! میں یہ جانتا ہوں اور فرض کرو کہ میں تمہیں اس کے بارے میں بتا دوں تو تمہارے پاس اسے ثابت کرنے کی کیا دلیل ہو گی (یعنی تم کس طرح انہیں شمار کروگے) اور میں تمہیں تمہارے کھڑے ہونے اور سوال پوچھنے کی وجہ سے ایک خبر دیتا ہوں، مجھے بتایا گیا ہے کہ تمہارے ہر بال پر ایک فرشتہ ہے جو تم پر لعنت بھیج رہا ہے اور ایک شیطان تمہیں ابھارتا ہے اور اس بات کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے گھر میں ایک شیر خوار بچہ ہے، جو رسول خداﷺ کے بیٹے (امام حسین علیہ السلام) کو قتل کرے گا اور دوسروں کو بھی ان کے قتل کی ترغیب دلائے گا۔

اور بعینہٖ ویسے ہی ہوا جیسے امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ تمیم کا ایک بیٹا تھا، جس کا نام حصین تھا کہ جو اس وقت شیر خوار بچہ تھا اور بالآخر یہ ابن زیاد کے لشکر کا سالار بن گیا، ابن زیاد نے اسے عمر بن سعد کے پاس بھیج دیا اور اسے امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا اور حصین سے کہا: ابن سعد کو اس کے قول سے خبردار کرے کہ ان کے کام میں تاخیر نہ کرے۔ جس دن امام حسین علیہ السلام کی شہادت ہوئی اس سے پہلے والی رات حصین کربلا پہنچا تھا۔[1] [2]

---

[1]۔ یہ موضوع امالی شیخ صدوق میں ذکر ہوا ہے جو اس میں سہو سے خالی نہیں ہے، مرحوم شیخ مفید نے کتاب ''ارشاد'' میں تمیم اور حصین کا نام ذکر کئے بغیر اسے ذکر کیا ہے۔ مرحوم شیخ مفید کی پیروی کرتے ہوئے مرحوم طبرسی نے بھی کتاب ''اعلام الوری'' میں کسی کا نام ذکر نہیں کیا۔: بحار الأنوار: ج ۴۴ ص ۲۵۷.

[2]۔ جلوۂ تاریخ در شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ج ۵ ص ۱۰.

پیشنگوئیوں کو وقوع پذیر ہونے سے روکنے کے لئے جدید منصوبہ بندی

قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نے تمام منصوبوں کے ذریعہ پیشنگوئیوں کو روکنے کی کوشش کی اور انہوں نے رسول خداﷺ اور اہلبیت اطہار علیہم السلام کی حدیثوں کو لکھنے اور تدوین کرنے سے منع کیا[1] اور اسی طرح پیشنگوئیوں کو چھپانے کے لئے ان کے دو دوسرے تمام منصوبوں کے علاوہ بھی یہ لوگوں تک پہنچ گئیں اور جس طرح ہم نے بعض موارد میں ذکر کیا ہے کہ یہ پیشنگوئیاں بہت سے لوگوں کو بیدار کرنے اور انہیں راہ راست پر لانے کا باعث بنیں۔

یہ واضح سی بات کہ اگر لوگ پیغمبر خداﷺ اور آپ کے خاندان اطہر علیہم السلام کے تمام فرمودات سے آگاہ ہو جائیں تو بے شمار افراد راہ راست پر آ جائیں گے۔

بہت ہی بہترین اور قابل غور نکتہ یہ ہے کہ لوگوں میں خاندان اطہار علیہم السلام کی کچھ پیشنگوئیاں عام ہونے کے بعد دشمن کو خاندان وحی علیہم السلام کی پیشنگوئیوں کو روکنے کے سلسلہ میں شکست کا سامنا کرنا پڑا تو انہوں نے ان پیشنگوئیوں کی مخالفت کے لئے نیا منصوبہ بنایا تا کہ شاید ان پیشنگوئیوں کے اثرات کو ختم کر سکیں اور ان کے مثبت اثرات کو منفی اثرات میں تبدیل کر سکیں ، کیونکہ ان پیشنگوئیویں کی وجہ سے لوگ ہدایت پا رہے تھے، لیکن وہ لوگ اس چیز سے غافل تھے کہ ''وَ مَکَرُوا وَمَکَرَ اللّٰہ وَ اللّٰہُ خَیْرُ الْمٰاکِرِیْن''۔ان کے نئے منصوبے بھی ان پیشنگوئیوں کے اثرات کو کم نہ کر سکے بلکہ اس سے بنی امیہ اور خاندان وحی علیہم السلام کے مخالفین کو مزید رسوائی کا سامنا کرنا پڑا اور ان کی رسوائی میں سوگنا اضافہ ہوا۔

لوگوں میں عام ہونے والی پیشنگوئیوں کے وقوع پذیر ہونے کو روکنے کے لئے ان کا یہ منصوبہ تھا کہ وہ ان کے برخلاف عمل کرتے تھے۔بنی امیہ اور دوسرے تمام دشمنوں نے یہ ارادہ کیا کہ ان پیشنگوئیوں میں جو کچھ کہا گیا ہے، وہ اس کے برخلاف عمل کریں تا کہ وہ اپنی سوچ کے مطابق ان کے مثبت اثرات کو ختم کر کے لوگوں کو بدظن کریں اور ان کے جھوٹ ہونے کو ثابت کر سکیں!

---

[1]۔احادیث کو تدوین کرنے سے روکنے کے مختلف عوامل ہیں ، جن میں سے ایکعامل رسول خداﷺ کی پیشنگوئیوں کو چھپانا تھا۔

بنی امیہ نے جن پیشنگوئیوں کی مخالفت کرنے اور ان کے برخلاف عمل کرنے کا ارادہ کیا تھا، ہم یہاں ان پیشنگوئیوں کے دو نمونے بیان کرتے ہیں تا کہ یہ واضح ہو جائے کہ انہیں اپنے اس منصوبہ میں بھی شکست کا سامنا کرنا پڑا اور اس سے نہ صرف خاندان عصمت و طہارت علیہم السلام کی عظمت مزید واضح ہوئی بلکہ اہلبیت علیہم السلام کے دشمنوں اور بالخصوص بنی امیہ کی خباثت بھی مزید آشکار ہوئی۔

یہ پیشنگوئیاں شیعوں کی دو بہت ہی باعظمت شخصیات کے بارے میں ہیں: ایک رشید ہجری اور دوسرے جناب میثم تمّار ہیں۔

اب ہم ان پیشنگوئیوں کو نقل کریں گے اور پھر ان کا تجزیہ و تحلیل کریں گے:

۱۔ جناب رشید ہجری کی شہادت کے بارے میں علی علیہ السلام کی پیشنگوئی اور اس کا مقابلہ

کتاب ''الغارات'' کے مؤلف لکھتے ہیں: زیاد بن نصر حارثی کہتے ہیں: میں زیاد بن ابیہ کے پاس تھا کہ (حضرت) علی علیہ السلام کے خاص اصحاب میں سے رُشید ہَجَری کو اس کے پاس لایا گیا۔

زیاد نے ان سے پوچھا: تمہارے دوست (حضرت علی علیہ السلام) نے ہمارے اعمال کے بارے میں تجھ سے کیا کہا ہے؟

رُشید نے کہا: میرے آقا نے فرمایا ہے کہ میرے ہاتھ پاؤں کاٹ کر مجھے تختۂ دار پر لٹکا دیا جائے گا۔

زیاد نے کہا: خدا کی قسم! میں ان کی بات کو غلط ثابت کر دوں گا! اسے آزاد کر دو۔

جیسے ہی رُشید نے جانا چاہا، زیاد نے کہا: اسے واپس لے آؤ۔ پھر رشید کی طرف رخ کر کے کہا:

تمہارے دوست نے تمہارے بارے میں جو کچھ کہا، مجھے تمہارے لئے اس سے بہتر کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ اگر تم زندہ رہے تو ہمیشہ میرے لئے شرّ اور برائی کی کوشش کرتے رہو گے۔ پھر اس نے حکم دیا کہ رُشید کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں کاٹ دیئے جائیں۔

رشید اس حالت میں بنی امیہ اور زیاد پر لعنت (سبّ و شتم) کر رہے تھے۔ زیاد نے حکم دیا کہ رشید کو پھانسی دے دی جائے۔ جب انہیں تختۂ دار پر لے کر گئے تو رشید نے کہا: میرے ساتھ تمہارا ایک کام باقی رہ گیا

ہے اور لگتا ہے کہ تم وہ کام انجام نہیں دوگے۔

زیاد نے کہا: اس کی زبان کاٹ دو۔ جب زیاد کے جلّادوں نے ان کی زبان باہر نکالی تا کہ اسے کاٹ دیں تو رشید نے کہا: مجھے ایک بات اور کہنے کی اجازت دے دو۔ جب انہیں اجازت دے دی گئی تو رشید نے کہا: خدا کی قسم! یہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی خبر کی تصدیق ہے، انہوں نے مجھے اس کی خبر دی تھی کہ میری زبان کاٹ دی جائے گی اور پھر ان کی زبان کاٹ دی گئی۔[1]

۲۔ جناب میثم تمار کی شہادت کے بارے میں علی علیہ السلام کی پیشنگوئی اور اس کا مقابلہ

کتاب ''الغارات'' میں محمد بن حسن میثمی نقل کرتے ہیں:

میثم تمار؛ حضرت علی علیہ السلام کے آزاد کردہ غلام تھے۔ پہلے وہ بنی اسد کی ایک عورت کے غلام تھے۔ امام علی علیہ السلام نے انہیں اس عورت سے خرید کر آزاد کر دیا اور ان سے پوچھا: تمہارا نام کیا ہے؟

انہوں نے کہا: سالم

امام علی علیہ السلام نے فرمایا: رسول خداﷺ نے مجھے خبر دی ہے کہ تمہارے باپ نے عجم میں تمہارا جو نام رکھا تھا، وہ میثم تھا۔ میثم نے کہا: جی ہاں! خدا، اس کے رسول اور آپ امیر المؤمنین نے سچ کہا ہے اور خدا کی قسم! میرا نام میثم ہی ہے۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا: اپنے نام کی طرف لوٹ جاؤ اور سالم کو چھوڑ دو اور ہم تمہاری کنیت ابو سالم رکھتے ہیں۔

احمد بن حسن کہتے ہیں: حضرت علی علیہ السلام نے انہیں علوم اور اسرار و رموز میں سے بہت سے اسرار سے آگاہ کیا تھا اور میثم ان میں سے کچھ بیان بھی کرتے تھے۔

کوفہ کے کچھ لوگوں کو اس بارے میں شک تھا۔ وہ امام علی علیہ السلام پر خرافات بیان کرنے اور تدلیس

---

[1]۔ پیشگوئی ہای امیر المؤمنین علی علیہ السلام از فتنہ ھا و حوادث آیندہ: ۱۱۶.

کرنے کا الزام لگاتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دن امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے اپنے بہت سے اصحاب (جن میں آپ کے مخلص اور شک کرنے والے دونوں طرح کے اصحاب شامل تھے) کے سامنے جناب میثم سے فرمایا: اے میثم! میرے بعد تمہیں گرفتار کر لیا جائے گا اور تختۂ دار پر لے جایا جائے گا، دوسرے دن تمہارے ناک اور منہ سے خون نکلے گا، جس سے تمہار داڑھی رنگین ہو جائے گی، اور تیسرے دن تم پر گرز مارا جائے گی جس سے تمہاری شہادت ہو جائے گے۔ انتظار کرو اور جہاں تمہیں صلیب پر لے جایا جائے گا، وہ جگہ عمرو بن حریث کے گھر کے دروازے کے ساتھ ہے اور تم ان دس افراد میں سے دسویں ہوگے، جن کا تختہ زمین پر سے سب سے زیادہ نزدیک ہوگا۔ میں تمہیں کھجور کا وہ درخت بھی دکھاؤں گا، جس پر تمہیں پھانسی دی جائے گی۔

دو دن کے بعد امام علی علیہ السلام نے میثم کو وہ درخت دکھایا، میثم اس درخت کے پاس آ کر نماز ادا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ تم کھجور کے کتنے خوش نصیب درخت ہو کہ میں تمہارے لئے خلق کیا گیا ہوں اور تم میرے لئے پیدا کئے گئے ہو۔

امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد جناب میثم اس درخت کے پاس آتے تھے، یہاں تک کہ اسے کاٹ دیا گیا لیکن وہ پھر بھی اسی طرح اس درخت کے تنے کا خیال رکھتے اور اس کے پاس آتے جاتے رہتے تھے اور اس کی طرف دیکھتے تھے۔ جب بھی عمرو بن حریث کو دیکھتے تھے تو اس سے کہتے کہ میں جلد ہی تمہارا ہمسایہ بن جاؤں گا۔ میرے ساتھ اچھے پڑوسی کی طرح برتاؤ کرنا۔

عمرو بن حریث کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں اس لئے انہوں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ یہاں ابن مسعود کا گھر خریدنا چاہتے ہیں یا ابن حکیم کا گھر خریدنا چاہتے ہیں؟

جس سال میثم شہید ہوئے انہوں نے حج ادا کیا (سنہ ۶۰ھ) وہ مدینہ میں رسول اکرم ﷺ کی زوجہ جناب ام سلمہ کے پاس آئے تو جناب ام سلمہ نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: میں عراقی شخص ہوں؟

ام سلمہ نے ان سے کہا: اپنا حسب و نسب بتاؤ؟

انہوں نے کہا: میں علی علیہ السلام کا آزاد کردہ غلام ہوں۔

ام سلمہ نے کہا: کیا تم میثم ہو؟

کہا: جی ہاں! میں میثم ہوں۔

جناب ام سلمہ نے کہا: سبحان اللہ؛ خدا کی قسم! میں نے رسول خدا ﷺ کو بہت مرتبہ آدھی رات کے

وقت حضرت علی علیہ السلام سے تمہارے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے سنا ہے۔

جناب میثم نے حضرت امام حسین بن علی علیہما السلام کے بارے میں پوچھا تو کہا کہ وہ نخلستان (مدینہ) میں ہیں۔

جناب میثم نے کہا: ان سے کہیں کہ میں آپ کو سلام کہنا چاہتا تھا اور ہم خدا کے سامنے ملاقات کریں گے۔آج آپ کے دیدار کی فرصت نہیں ہے۔اور میں واپس آنا چاہتا ہوں۔

اس وقت ام سلمہ نے عطر منگوایا۔جب عطر لایا گیا تو جناب میثم نے اس سے اپنی ڈاڑھی معطر کی۔

جناب میثم نے کہا: بیشک جلد ہی یہ داڑھی خون سے خضاب ہو گی۔

جناب ام سلمہ نے پوچھا: کس نے تمہیں اس بارے میں خبر دی ہے؟

فرمایا: میرے آقا و مولا نے مجھے بتایا ہے۔

جناب ام سلمہ نے گریہ کیا اور فرمایا: وہ صرف تمہارے ہی آقا و مولا نہیں ہیں بلکہ وہ میرے اور تمام مسلمانوں کے آقا و مولا ہیں۔

پھر جناب میثم تمار نے انہیں الوداع کہا اور عراق واپس چلے گئے۔جب وہ کوفہ پہنچے تو انہیں گرفتار کرکے کر عبداللہ بن زیاد کے پاس لے گئے۔ ابن زیاد سے کہا گیا کہ یہ ابوتراب کی نظر میں لوگوں میں سے سب سے زیادہ برگزیدہ ہے۔

ابن زیاد نے کہا: تم لوگوں پر وای ہو! یہ عجمی شخص؟!

کہا: ہاں۔

عبداللہ نے میثم سے کہا: تمہارا پروردگار کہاں ہے؟

جناب میثم نے کہا: تمہاری کمین گاہ میں ہے۔

ابن زیاد نے کہا: ابوتراب کے بارے میں اپنے عشق و محبت کے بارے میں بتاؤ؟

جناب میثم نے کہا: کسی حد تک ایسا ہی ہے اور اب تم کیا چاہتے ہو؟

ابن زیاد نے کہا: کہتے ہیں کہ تمہارے ساتھ جلد ہی جو کچھ ہو گا،انہوں نے تمہیں اس سے آگاہ کیا ہے؟

جناب میثم نے کہا: امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے مجھے اس کے بارے میں بتایا ہے۔

ابن زیاد نے پوچھا: میں تمہارے ساتھ جو کچھ کروں گا،اس کے بارے میں انہوں نے کیا کہا ہے؟

جناب میثم نے کہا: انہوں نے مجھے بتایا ہے کہ تم مجھے پھانسی دوگے جب کہ میں دسواں شخص ہوں گا،

میرا پھانسی کا تختہ سب سے چھوٹا ہوگا اور میں سب سے زیادہ زمین سے نزدیک ہوں گا۔

ابن زیاد نے کہا: میں یقیناً ابوتراب کے قول کی مخالفت کروں گا، اور ان کے قول کو غلط ثابت کروں گا۔

میثم نے کہا: اے ابن زیاد! وای ہو تجھ پر! تم کس طرح ان کی مخالفت کر سکتے ہو حالانکہ انہوں نے رسول خداﷺ کے قول سے اور رسول خداﷺ نے جبرئیل اور جبرئیل نے خداوند سے یہ خبر دی ہے؟ تم کس طرح ان کی مخالفت کر سکتے ہو؟ بیشک خدا کی قسم! کوفہ میں مجھے جس جگہ پھانسی دی جائے گی میں اس کے بارے میں بھی جانتا ہوں کہ وہ کہاں ہے۔ میں خدا کی وہ پہلی مخلوق ہوں کہ اسلام میں جس کے منہ پر اس طرح لگام لگائی جائے گی، جس طرح گھوڑے کو لگام لگائی جاتی ہے۔

اس گفتگو کے بعد ابن زیاد نے جناب میثم کو قید کر دیا اور مختار بن ابی عبید ثقفی کو بھی ان کے ساتھ قید کر دیا۔ جب وہ دونوں ابن زیاد کی قید میں تھے تو جناب میثم نے مختار سے کہا: تمہیں اس شخص کی قید سے رہائی مل جائے گی اور تم امام حسین علیہ السلام کے خون کا بدلہ لینے کے لئے قیام کروگے اور ہم جس ظالم کی قید میں ہیں تم اسے قتل کروگے اور تم اسی پاؤں (مختار کے پاؤں کی طرف اشارہ کیا) سے اس کے چہرے اور رخسار کو کچلو گے۔ انہیں دنوں میں ابن زیاد نے مختار کو قتل کرنے کے لئے زندان سے بلوایا لیکن اچانک یزید بن معاویہ کی طرف سے خط آیا جس میں ابن زیاد کو خطاب کیا گیا تھا اور اسے حکم دیا گیا تھا کہ مختار کو آزاد کر دیا جائے۔ اس کی یہ وجہ تھی کہ مختار کی بہن عبداللہ بن عمر کی بیوی تھی۔ اس نے اپنے شوہر سے کہا کہ وہ یزید سے مختار کی شفارش کرے، عبداللہ نے ایسے ہی کیا اور یزید نے اس کی شفارش مان لی اور مختار کی رہائی کا فرمان لکھ دیا اور تیز رفتار سواری پر کوفہ بھیج دیا۔ وہ خط اس وقت پہنچا تھا جب مختار کو قتل کرنے کے لئے باہر لایا جا رہا تھا۔ اس طرح مختار کو رہا کر دیا گیا۔ ان کی رہائی کے بعد جناب میثم کو باہر لایا گیا تاکہ انہیں تختۂ دار پر لٹکا دیا جائے۔

ابن زیاد نے کہا: ابوتراب نے اس کے بارے میں جو کچھ کہا ہے، میں وہی کروں گا۔

اسی وقت ایک شخص نے دیکھا اور ان سے کہا: اے میثم! یہ کام تمہیں بے نیاز نہیں کرے گا (یعنی امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی دوستی تمہارے کسی کام نہیں آئی)۔

میثم مسکرائے اور کہا: میں اسی تختۂ دار کے لئے خلق ہوا ہوں اور یہ میرے لئے بنایا گیا ہے۔ جب میثم کو تختۂ دار پر لٹکایا گیا تو لوگ اس تختۂ دار کے ارد گرد جمع تھے جو عمرو بن حریث کے دروازے پر تھا۔ عمرو نے کہا: میثم ہمیشہ مجھ سے کہتے تھے کہ میں تمہارا پڑوسی بنوں گا۔ عمرو نے اپنی کنیز کو حکم دیا کہ ہر شام میثم کے تختۂ دار کے نیچے جھاڑو لگایا جائے، پانی چھڑکا جائے اور اگربتی جلائی جائے۔ وہ کنیز کافی دنوں تک ایسا ہی کرتی

رہی۔جب جناب میثم کو تختۂ دار پر باندھ دیا گیا تھا تو آپ بنی ہاشم کے فضائل اور بنی امیہ کی خباثتیں بیان کر رہے تھے۔ابن زیاد کو اس بارے میں بتایا گیا کہ اس غلام نے تو تمہیں رسوا کر دیا ہے۔

ابن زیاد نے حکم دیا کہ میثم کے منہ پر لگام باندھ دی جائے۔ میثم کے منہ پر لگام باندھ دی گئی تا کہ وہ کوئی بات نہ کر سکیں اور وہ خدا کی سب سے پہلی مخلوق تھی کہ اسلام کے بعد جن کے منہ پر لگام باندھی گئی۔دوسرے دن ان کے منہ اور ناک سے خون جاری ہو گیا اور جب تیسرا دن ہوا تو ان کو گرز مارا گیا جس سے ان کی شہادت واقع ہو گئی۔امام حسین علیہ السلام کے عراق پہنچنے سے دس دن پہلے سنہ ۶۰ھ میں جناب میثم کی شہادت ہوئی۔[1]

آخر میں یہ نکتہ بھی قابل ذکر ہے کہ ہم نے جو پیشنگوئیاں ذکر کی ہیں ان میں سے کچھ پیشنگوئیاں رسول خداﷺ اور کچھ امیر المؤمنین حضرت امام علی علیہ السلام نے بیان کی ہیں، جنہیں ہم نے اس کتاب کے مطالب سے مربوط ہونے کے بنا پر یہاں ذکر کیا ہے، ورنہ اہلبیت اطہار علیہم السلام کی پیشنگوئیاں بہت زیادہ ہیں، جنہیں اکٹھا کرنے کے لئے کئی جلدوں پر مشتمل کتاب کی ضرورت ہے۔یہ خود مکتب تشیع کی حقانت کی دلیل ہے، جس نے قرآن مجید کے حکم کے مطابق ''وَكُونُوا مَعَ الصّٰادِقِيْنَ'' سچوں کی پیروی کا انتخاب کیا ،جو پیغمبر اکرمﷺ اور اہلبیت اطہار علیہم السلام ہے۔

قابل توجہ ہے بات یہ ہے کہ بنی امیہ کے خلفاء میں سے اور اسی طرح ان سے پہلے اور ان کے بعد بھی حکومت کرنے والوں میں سے کسی نے ایسی کوئی پیشنگوئی نہیں کی۔مگر جو کچھ انہوں نے یہودیوں اور گزشتہ لوگوں سے سنا تھا اور اہلبیت اطہار علیہم السلام کے فرمودات کے بحر بیکراں کے مقابلہ میں ان کی حیثیت ایک ناچیز قطرہ سے بڑھ کر نہیں ہے۔ جاہلانہ تعصب کا لبادہ اتار پھینکنے والے پاک اور بے غرض انسانوں کے لئے پیغمبر اکرمﷺ اور اہلبیت علیہم السلام کی پیشنگوئیاں راہ حق اور صراط مستقیم کو آشکار کرتی ہیں جو مکتب وحی اور خدا کا حقیقی دین ہے۔

حق کی جستجو کرنے والوں اور راہ حق کو تلاش کرنے والوں سے ہماری یہ گزارش ہے کہ ہم نے اس کتاب میں جو پیشنگوئیاں ذکر کی ہیں انہیں پوری توجہ اور غور و فکر کے ساتھ پڑھیں تا کہ جب تک زندگی کی نعمت سے بہرہ مند ہیں، تب تک ان کے لئے صراط مستقیم واضح ہو جائے اور وہ اسی راہ پر گامزن رہیں کیونکہ ہم ہر دن نماز

---

[1]۔ پیشگوئی ہای امیر المؤمنین علی علیہ السلام از فتنہ ھا و حوادث آیندہ: ۱۱۲.

میں خدا سے یہی چاہتے ہیں کہ راہ راست کی طرف ہماری ہدایت فرما: اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْم۔اور واضح سی بات ہے کہ خداوند ان سب کا یار و مددگار ہے جو اس سے مدد مانگتے ہیں۔

جو لوگ رسول خداﷺ کی روایات اور آپ کے فرامین سے آشنا ہیں اور وہ یہ جانتے ہیں کہ آنحضرت نے اپنے بعد رونما ہونے والے واقعات اور اسی طرح امیر المؤمنین علی علیہ السلام، حضرت فاطمہ زہراء علیہا السلام، آپ کے خاندان اطہار علیہم السلام اور بالخصوص سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بارے بہت زیادہ مطالب بیان فرمائے ہیں۔

اگر ہم اس کتاب میں بنی امیہ اور تمام غاصب خلفاء کے بارے میں ان پیشگوئیوں کو ذکر کرنا چاہیں تو یہ ستّر من کاغذ کی مثنوی بن جائے گی۔اسی لئے ہم اتنی مقدار میں ان پیشگوئیوں کو نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں اور خداوند کریم سے ہماری یہ دعا ہے کہ محترم قارئین ان بزرگ ہستیوں کے فرامین سے بطور کامل مستفید ہوں۔

ہمیں امید ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ کرنے سے اسلام کے دشمنوں کے گھنونے منصوبوں کے بارے آپ کے علم و آگاہی میں اضافہ ہوگا اور آپ یہ جان لیں گے کہ یہود و نصاریٰ کی مدد سے بنی امیہ کس طرح اسلام کے خلاف برسرپیکار رہے۔

.....

فہرست مطالب

انتساب ۵

حرف مترجم ۷

پیشگفتار ۹

ایک اہم نکتہ ۹

یہود و نصاریٰ پر فریفتہ ہونے کے بارے میں رسول خداﷺ کا سخت موقف ۱۳

بے ایمانی؛ یہودیوں کے وحشیانہ کردار کا راز ۱۴

یہودیوں کے بارے میں ''ہٹلر'' کی رپورٹ ۱۶

اس کتاب کے بارے میں ۱۸

معاویہ بروز غدیر ۲۰

پہلا باب
بنی امیہ کے یہودیوں سے تعلقات

بنی امیہ کے یہودیوں سے تعلقات ۲۵

یہودیوں کا مسلمانوں کے درمیان منحرف افکار کو فروغ دیا ۲۵

اسلام کو نیست و نابود کرنے کے لئے یہودیوں کی ایک اور سازش ۲۹

امویوں کی طرف سے یہودیوں کی حمایت ۳۰

گلدزیہر اور دوسرے محققین کے نظریات کا تجزیہ و تحلیل ۳۴

حجاج؛ یہودیوں کے افکار کی نشر و اشاعت کرنے والا ۳۶

یہودیوں کی قوم پرستی ۴۰

امویوں کی قوم پرستی ۴۳

یہویوں کی بے راہ روی اور اسلام دشمنی ۴۷

پیغمبر اکرمﷺ کو زہر دینا ۴۹

یہودی یا یہودی زادوں کے ہاتھوں اسلام کے کچھ بزرگوں کی شہادت ۵۰

حاکم شام..... ۳۲۴
یہودیوں کی سازش سے بنی امیہ کے ہاتھوں اسکندریہ کے مینار کی بربادی..... ۵۴
مسلمانوں میں اختلافات پیدا کرنے کے لئے یہودیوں کی سازش..... ۵۷

دوسرا باب
بنی امیہ کے کارکن اور ایجنٹ

۱۔ سلّام بن مشکم اور..... ۶۷
۲۔ ایک دوسرا گروہ..... ۷۱
۳۔ ابوہریرہ..... ۷۴
۴۔ عبداللہ بن عمرو عاص..... ۷۶
۵۔ مسروق بن اجدع ہمدانی کوفی..... ۷۸
۶۔ کعب الأحبار..... ۸۲
کعب الأحبار اور عمر..... ۸۴
کعب الأحبار کے توسط سے معاویہ کے یہودیوں سے تعلقات..... ۸۷
یہودی، تغییر قبلہ اور کعب الأحبار کا کردار..... ۸۸
کعب الأحبار اور اسرائیلیات کے خلاف امیر المؤمنین علی علیہ السلام کا موقف..... ۹۰
۷۔ وہب بن منبّہ..... ۹۳
وہب بن منبّہ کے عقائد..... ۹۴

تیسرا باب
بنی امیہ کے عیسائیوں سے تعلقات

بنی امیہ کے عیسائیوں سے تعلقات..... ۹۹
اموی دور میں اسلامی سماج کے افسوسناک حالات..... ۱۰۰
اشعار کی ترویج اور عیسائیت کی تبلیغ..... ۱۰۱
تمیم داری کی قصہ گوئی اور عیسائیت کی تبلیغ..... ۱۰۷
عمر کے دور حکومت میں تمیم داری..... ۱۱۱
بنی امیہ کی حکومت کی جانب سے عیسائیت کی حمایت..... ۱۱۲
اہل بیت اطہار علیہم السلام اور عراق کے لوگوں سے خالد کی دشمنی..... ۱۱۴

حاکم شام..... ۳۲۵

چوتھا باب
دشمن کے دو حربے

۱۔ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنا..... ۱۱۹
اموی اور عباسی دور میں زندیقی تحریک..... ۱۲۰
جہمیّہ..... ۱۲۰
اموی دور میں معتزلہ..... ۱۲۳
اموی دور میں مرجئہ..... ۱۲۴
بنی امیہ کے دور میں قدریہ، جبریہ اور مرجئہ..... ۱۲۶
مرجئہ اور قدریہ کے بارے میں رسول خدا ﷺ کی پیشنگوئی..... ۱۲۷
معاشرے میں مرجئہ کا کردار..... ۱۲۹
بہشتی کافر! ۱۳۰
مرجئہ کی کلیسا اور عیسائیت سے ہماہنگی..... ۱۳۲
مرجئہ کے فرقے ۱۳۳
ابو حنیفہ اور مرجئہ..... ۱۳۵
مرجئہ اور شیعہ..... ۱۳۶
شیعہ روایات میں مرجئہ..... ۱۳۹
امویوں کے انحرافی عقائد میں یہودیوں اور عیسائیوں کا کردار..... ۱۴۱
عقیدتی اختلافات یا مسلمانوں کا نیست و نابود کرنے کا اہم ذریعہ..... ۱۴۳
اموی دور میں عقلی علوم کی ترویج اور... ..... ۱۴۵
خارجی کتابوں کا ترجمہ..... ۱۴۷
مکتبی ابحاث؛ حکومت کی بقاء کا ذریعہ..... ۱۴۹
۲۔ پیشنگوئیوں کو چھپانا..... ۱۵۱
الف: یہودیت کا پیشنگوئیوں کو چھپانا..... ۱۵۱
ب: عیسائیت کا پیشنگوئیوں کو چھپانا..... ۱۵۸
برطانوی بادشاہ کا مسلمان ہونا..... ۱۵۹

حاکم شام ۳۲۶
بحث کا نتیجہ ۱۶۲

پانچواں باب
پیشنگوئیاں

بنی امیہ کے بارے میں قرآن کی پیشنگوئی ۱۶۷
بنی امیہ کے بارے میں قرآن کی دوسری پیشنگوئی ۱۶۹
حکم اور اس کے بیٹوں کے بارے میں قرآن کی پیشنگوئی ۱۷۳
پیغمبر اکرم ﷺ اور امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی پیشنگوئیوں کے راز ۱۷۶
بنی امیہ کے بارے میں رسول خدا ﷺ کی پیشنگوئیاں ۱۷۷
بنی امیہ کی حکومت کے بارے میں رسول خدا ﷺ کی پیشنگوئی ۱۷۸
بنی امیہ کی حکومت کے بارے میں ''الغارات'' سے منقول امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی پیشنگوئی ۱۸۰
بنی امیہ کے بارے میں امیر المؤمنین امام علی علیہ السلام کی ایک اور پیشنگوئی ۱۸۵
بنی امیہ کے انجام کے بارے میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی پیشنگوئی ۱۸۸
بنی امیہ کے زوال کے بارے میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی ایک اور پیشنگوئی ۱۹۳
بنی امیہ اور بنی العباس کے بارے میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی پیشنگوئی ۱۹۴
بنی امیہ اور بنی العباس کے بارے میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی ایک اور پیشنگوئی ۱۹۸
حکم کے داخل ہونے کے بارے میں پیغمبر اکرم ﷺ کی پیشنگوئی اور اس پر لعنت ۲۰۲
حکم بن ابی العاص؛ یہودیوں، مشرکوں اور منافقوں کا جاسوس ۲۰۴
معاویہ ...کے بارے میں رسول خدا ﷺ کی پیشنگوئی ۲۰۸
معاویہ کے بارے میں رسول خدا ﷺ کی ایک اور پیشنگوئی ۲۱۱
معاویہ کے بارے میں رسول خدا ﷺ کی ایک دوسری پیشنگوئی ۲۲۳
معاویہ کے بارے میں رسول خدا ﷺ کی ایک اور پیشنگوئی ۲۲۵
معاویہ کے بارے میں رسول خدا ﷺ کی دو مزید پیشنگوئیاں ۲۲۶
عبد اللہ بن عمرو عاص کی زبانی معاویہ کے بارے میں رسول ﷺ کی ایک اور پیشنگوئی ۲۲۷
معاویہ اور عمرو عاص کے بارے میں رسول خدا ﷺ کی پیشنگوئی ۲۳۰
معاویہ کے بارے میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی پیشنگوئی ۲۳۰

حاکم شام ۳۲۷
کتاب ''الغارات'' کی روایت کے مطابق شامیوں کی فتح کے بارے میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی پیشنگوئی ۲۳۳
اس بارے میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی ایک اور پیشنگوئی ۲۳۴
''الغارات'' سے منقول امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی دوسری پیشنگوئی ۲۳۵
کتاب ''مروج الذہب'' سے منقول امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی پیشنگوئی ۲۳۸
جنگ صفین میں جناب عمار یاسر کی شہادت کے بارے میں رسول خدا ﷺ کی پیشنگوئی ۲۳۹
جنگ صفین میں جناب عمار کی جانب سے لوگوں کی رہنمائی ۲۴۱
جنگ صفین میں جناب عمار کا خطاب اور عمرو عاص پر اعتراض ۲۴۴
جناب عمار یاسر کے قتل کے بارے میں شبث بن ربعی کی معاویہ سے گفتگو ۲۴۶
جناب عمار کی شہادت کے بارے میں متواتر حدیث ۲۴۹
رسول خدا ﷺ کی حدیث نقل کرتے وقت صحابہ اور تابعین کے حالات ۲۵۵
جناب عمار یاسر کے بارے میں رسول خدا ﷺ کی پیشنگوئیوں کے اثرات ۲۵۶
ذوالکلاح سے عمار یاس کی ہونے والی گفتگو کے سولہ اہم نکات ۲۶۹
جناب اویس قرنی کے بارے میں رسول خدا ﷺ کی پیشنگوئی اور جنگ صفین میں آپ کی شرکت ۲۸۱
جنگ صفین میں جناب اویس قرنی کی شہادت ۲۸۳
اس روایت کے اہم نکات ۲۸۴
جنگ صفین کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیشنگوئی ۲۸۵
حکمیّت کے بارے میں رسول خدا ﷺ کی پیشنگوئی ۲۸۹
حکمیّت کے بارے میں رسول خدا ﷺ کی دوسری پیشنگوئی ۲۹۰
ایک دوسری روایت کے مطابق حکمیّت کے بارے میں رسول خدا ﷺ کی پیشنگوئی ۲۹۳
حکمیت سے متعلق پیشنگوئی میں اہم نکات ۲۹۴
عائشہ کے بارے میں رسول خدا ﷺ کی پیشنگوئی ۲۹۷
مروان کے بارے میں رسول خدا ﷺ کی پیشنگوئی ۲۹۸
مروان کا معاویہ سے مل جلنا اور اس کی خباثت ۲۹۹
مروان کے بارے میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی پیشنگوئی ۳۰۱

حاکم شام..... ۳۲۸
مروان کے بارے میں امیر المؤمنین امام علی علیہ السلام کی دوسری پیشنگوئی.....۳۰۲
مروان کے بارے میں ایک اور پیشنگوئی.....۳۰۴
کتاب ''نہایۃ الأرب'' سے مروان کے بارے میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی پیشنگوئی.....۳۰۶
عمر بن سعید بن عاص کے بارے میں پیغمبر اکرم ﷺ کی پیشنگوئی.....۳۰۷
جنگ نہروان میں ذوالثدیہ کے بارے میں پیغمبر اکرم ﷺ کی پیشنگوئی.....۳۰۷
محمد بن ابی بکر اور ان کی شہادت کے بارے میں پیغمبر اکرم ﷺ کی پیشنگوئی.....۳۱۰
سمرہ بن جندب کے بارے میں پیغمبر اکرم ﷺ کی پیشنگوئی..... ۳۱۲
کربلا کے بارے میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی پیشنگوئی.....۳۱۳
کربلا میں ابن زیاد کے لشکر کے سالاروں میں سے حصین بن تمم کے بارے میں امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی پیشنگوئی.....۳۱۴
پیشنگوئیوں کو وقوع پذیر ہونے سے روکنے کے لئے جدید منصوبہ بندی.....۳۱۵
۱۔ جناب رشید ہجری کی شہادت کے بارے میں علی علیہ السلام کی پیشنگوئی اور اس کا مقابلہ.....۳۱۶
۲۔ جناب میثم تمار کی شہادت کے بارے میں علی علیہ السلام کی پیشنگوئی اور اس کا مقابلہ.....۳۱۷